اللہ
محمد ﷺ
سیدھا راستہ
نواز رومانی
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

سیدھا راستہ

نواز رومانی

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
11 داتا گنج بخش روڈ، لاہور ☎ 042-37313885, 37070063
E-mail: nooriarizvia@hotmail.com

نام کتاب	ــــــــ	پینڈھارا سبتہ
مصنف	ــــــــ	نواز رومانی
تعداد صفحات	ــــــــ	464
اشاعت اوّل	ــــــــ	جون2010ء
ٹائٹل	ــــــــ	بلو گرافکس
ناشر	ــــــــ	نُوریہ رضویہ پبلی کیشنز
کمپوزر کوڈ	ــــــــ	1N-141
قیمت	ــــــــ	-/300 روپے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
11 داتا گنج بخش روڈ، لاہور ☎ 042-37313885, 37070063
E-mail: nooriarizvia@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

آئینہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النور ۳٦)

اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے' سیدھے راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے

خدا کی محبت اور عشقِ محمد ﷺ

یہی سیدھا رستہ ہے جنت کا رستہ

نواز رومانی

صاحبو!

مسلمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا رہتا ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما

سیدھا راستہ

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم کو کہتے ہیں

جو اس راستہ پر ہو

اسے اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں کی معیت حاصل ہوگی

کون انعام یافتہ لوگ

- ☆ انبیاء
- ☆ صدیقین
- ☆ شہداء
- ☆ صالحین

ان کی معیت سے بہتر کوئی انعام ہو سکتا ہے نہ ان جیسا کوئی رفیق

اچھا رفیق

وہ ہوتا ہے جس کا قول، عمل، علم اخلاص رضائے الٰہی کے لئے ہو

اور

کسی کی دوستی اور کسی کی دشمنی اسے اس راہ سے ہٹا نہ سکے۔

خدا کی محبت اور عشقِ محمد ﷺ

یہی سیدھا رستہ ہے جنت کا رستہ

نواز رومانی

عرضِ ناشر

سیدھا راستہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ۔ اس کے علاوہ جو بھی راستے ہیں گمراہی و ضلالت کے راستے ہیں۔ ان راستوں پر چلنے والے درحقیقت نابینا ہیں جنہیں سیدھا راستہ جو نہایت تاباں و روشن ہے دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ان کا حال سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۲ کے مصداق ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور جو اس دنیا میں اندھا رہے گا اسے وہاں بھی کچھ سجھائی نہیں دے گا یعنی وہ صحیح راستے سے بہت دور ہے۔

سیدھا اور ٹیڑھا دونوں راستے انسانی وجود کے اندر ہی ہوتے ہیں۔ جذبات اور خواہشات جب عقل پر حاوی ہو جائیں تو انسان ٹیڑھے راستے پر چل پڑتا ہے اور جب عقل ان پر غالب ہو تو وہ سیدھا راستہ اپنا لیتا ہے۔

ان دونوں راستوں کے الگ الگ مزاج اور تقاضے ہیں۔ سیدھے راستے میں اگر کہیں کلفت کا مقام آتا ہے تو وہ درحقیقت راحت کا ہی مقام ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس راہ کے مسافر کو انعام و اکرام سے نوازنا ہوتا ہے اور ٹیڑھے راستے میں اگر کبھی راحت کا مقام آتا ہے تو اصل میں وہ کلفت و آزمائش کا مقام ہوتا ہے کیونکہ اس مقام کی راحت سے نفس و شیطان اس راستے پر گامزن شخص کو مزید بہکانے کا کام لیتے ہیں۔

سیدھا اور ٹیڑھا دونوں راستے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں لیکن سیدھے راستے پر گام لینے والا جب قرآن و حدیث کو مشعل راہ اور رب ودود اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنا رہبر بنا لیتا ہے تو پھر بفضل ایزدی اس کا نادانستہ طور پر بھی ٹیڑھے راستے پر قدم نہیں پڑتا ہے۔

''سیدھا راستہ'' جو آپ کے ہاتھ میں ہے' نواز رومانی کی تخلیق ہے۔ اس کے آئینہ میں یہ بھی عیاں ہوگا کہ آپ کس راستے پر گامزن ہیں اور حال کا چہرہ بھی دکھائی دے گا۔ حال اگر ٹیڑھے راستے پر چلنے کا غماز ہے تو یہ خوفناک خطرے کی علامت ہے۔ ہوش کے ناخن لینے کا وقت ہے کہ فی الفور سیدھا راستہ اختیار کیا جائے۔

نواز رومانی نے ''سیدھا راستہ'' میں یہی اجاگر کیا ہے کہ صرف سیدھا راستہ ہی مسلمان کی گزرگاہ ہے۔ اسی پر رہنے میں اس کی عافیت وسلامتی ہے۔ باقی سب راستے اس پر بند ہیں۔ ان راستوں پر گامزن ہونا تو درکنار ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی شیوۂ مسلمانی نہیں ہے۔

سیدھا راستہ پر رہیں' دوسروں کو سیدھا راستہ پر رہنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ''سیدھا راستہ'' خریدیں بھی اور ''سیدھا راستہ'' دوسروں کو تحفتاً بھی دیں۔

سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری

حرف آغاز

دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی راستے پر گامزن ہوتا ہے اور اس راستے کے انتخاب میں وہ بذات خود کلی طور پر آزاد ہوتا ہے۔

ابتدائے آفرینش میں دنیا انسان کے وجود سے ناآشنا اور نیکی و بدی کے تصور سے نابلد تھی۔ لیکن جب خلیفۃ اللہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام اور ابلیس کو زمین پر اتارا گیا تو ان کے ساتھ ہی دو راستے بھی روشن و تاباں ہو گئے۔ ان میں سے ایک راستہ پر اللہ تعالیٰ کا رسول حضرت آدم علیہ السلام کھڑے تھے۔ یہ نیکی اور تقرب الی اللہ کا راستہ تھا اور دوسرے راستے پر ابلیس گردن اکڑائے پوری خباثت کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ بدی اور تقرب الی الشیطان کا راستہ تھا۔ یہ دونوں راستے حضرت انسان کے سامنے کھلے ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر قدم بڑھانا اس کی اپنی صوابدید پر ہوتا ہے۔

نیکی کے راستہ کو اختیار کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور مدد اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ ہر گام پر اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی راہیں نیکی کے عودوعنبر سے مشکبار ہوتی ہیں۔

اور جب کوئی شخص بدی کے راستہ کا انتخاب کرتا ہے تو ابلیس لعین کی خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ فوراً آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتا ہے اور اسے اپنے حلقہ مریدین میں شامل کر کے اس کی راہوں میں گناہوں کے رنگین اندھیرے اور ان کی سڑاند انڈیل دیتا ہے۔ اس کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر دیتا ہے تاکہ وہ اس سے باہر نہ نکل سکے۔

نیکی کے راستہ کی مثال ایسی خوبصورت نوخیز نئی نویلی دلہن کی طرح ہے جو سدا سہاگن اور جوان رہتی ہو اور اس کے حسن و جمال میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہو۔ جو

☆ مکارم اخلاق

☆ ادب واحترام

☆ محبت وعشق ووفا
☆ استقامت وثابت قدمی
☆ ایثار وقربانی
☆ راستبازی اور خیر خواہی
☆ تعلیمات نبویہ
☆ قرآنی احکامات الٰہیہ
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی ومحبت
☆ صبر وشکر واستقلال
☆ جہاد بالنفس
☆ شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت واخلاص
☆ ذکر اللہ
☆ عبادت وریاضت ومجاہدہ
☆ ادائیگی حقوق اللہ وحقوق العباد
☆ صلہ رحمی وغریب پروری
☆ رزق حلال
☆ صدق وصفا
☆ اطمینان وطمانیت وسکینہ
☆ عجز وانکساری
☆ نفس وشیطان سے ہر آن نبرد آزمائی اور
☆ ماسواء نفسانی خواہشات اور محبت دنیا سے پاک زر و جواہر اور قیمتی طلائی زیورات سے آراستہ پیراستہ اور بنی ٹھنی ہو۔

اور اس کا خوبرو چہرہ

☆ تاباں
☆ پرنور
☆ پرعزم

☆ خنداں
☆ پرسکون
☆ پرکشش
☆ دلفریب
☆ بارونق
☆ دلربا
☆ محبت آمیز اور
☆ معصوم ہوتا ہے جو
☆ نیکیوں
☆ یگانگت
☆ اخلاص
☆ دوسروں کو سکھ دینے
☆ جلوت وخلوت میں یکسانیت
☆ قول وفعل میں مطابقت
☆ راضی برضا رہنے
☆ عبادت وریاضت اور صلوٰۃ وسلام میں مشغولیت
☆ صالح افکار وخیالات اور
☆ نیک وپارسا لوگوں کی ہم نشینی وقرب کا غماز ہوتا ہے

نیکی کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں قدم قدم پر گل وگلزار کھلے ہوتے ہیں۔ نکہت بار ہوائیں مشام جان کو معطر کرتی ہیں۔ جوان بہاریں محو رقص ہوتی ہیں۔ سرمدی نغمات کانوں میں رس گھولتے اور روح کی گہرائیوں میں اترتے رہتے ہیں۔ محبتوں کے آبشار گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی کی جنتیں خنداں بہ لب ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس بدی کا راستہ ہے۔ اس کی مثال کریہہ المنظر، ڈراؤنی، بدشکل دلہن کی طرح ہے جس کے وجود سے تعفن اٹھ رہا ہو اور اس کا جسم

☆ گناہوں

☆ برائیوں
☆ نحوستوں
☆ دنیاوی آلائشوں
☆ نفرتوں
☆ خباثتوں اور
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانیوں کے لباس میں لپٹا ہوا ہو اور اس کا چہرہ
☆ بدنما
☆ سیاہ
☆ مایوس
☆ خائف
☆ یبوست زدہ
☆ متفکر
☆ غمناک
☆ اداس
☆ بھیانک
☆ چڑیل نما ہو۔ جو
☆ قبیح اعمال
☆ برے کرتوت
☆ گھٹیا پن
☆ سفلی صفات
☆ سیاہ باطنی
☆ شرعی حدود کی خلاف ورزی اور
☆ بدکاروں کی ہم نشینی

کا مظہر ہوتا ہے۔

بدی کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں ہر سو ذلتوں' رسوائیوں اور بدنامیوں کے خارِ مغیلاں بکھرے ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر گمراہیوں کے میخانے آباد ہوتے ہیں۔ سفلی جذبات کے زہریلے ناگ پھنکار رہے ہوتے ہیں۔ اخلاق باختگی کی آتشیں مسموم طوفانی ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ نادیدہ نحوستوں' بے چینیوں اور کلبلاہٹوں کی خزائیں محوِ خرام ہوتی ہیں اور رقص ابلیس زوروں پر ہوتا ہے۔

ان دونوں راستوں کے مسافر اگرچہ دنیا کے بازار اور معاشرتی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں لیکن ان کے مابین بعد المشرقین ہوتا ہے۔

نیکی کے راستے کے مسافر کو دنیا پھیکی' بے رنگ' بدمزہ' اجاڑ و ویران' خزاں دیدہ' تاریک' غیر از کشش اور بے رونق نظر آتی ہے اور آخرت ایک سانس کے فاصلہ پر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کو مزرع آخرت سمجھتے ہوئے وہ اس کی شاہراہوں' بازاروں' گلیوں اور کوچوں میں مختلف النوع رنگوں اور صورتوں میں بکھری ہوئی نیکیوں کو سمیٹنے میں شبانہ روز مصروف و مشغول رہتا ہے۔ وہ دنیا کی دھوکا باز' پرفریب عارضی و فانی رنگینیوں' راحتوں اور حلاوتوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔ صرف رب ودود اور اس کے محبوب وحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی وخوش کرنے میں مگن رہتا ہے اور اسی حالت میں دمِ واپسیں کو خوش آمدید کہتا ہے اور موت کے دروازۂ وصل سے گزر کر محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس بدی کے راستے پر گامزن شخص آخرت کو بہت دور' کانٹوں کی سیج' خواب اور وعدۂ فردا سمجھتا ہے اور دنیا کی راحتوں' رونقوں' عیاشیوں' منفعتوں' خوبصورتیوں' رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے' مال وزر جمع کرنے اور معاشرے میں بلند مقام حاصل کرنے کے لئے نفس وشیطان کی اطاعت ومریدی میں ہمہ تن وہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی موت کے لئے دروازہ کھول دیتی ہے۔ اب اسے آخرت قریب اور دنیا دور بلکہ نابود نظر آتی ہے۔ اب اس پر سورہ الکہف آیت ۱۰۳-۱۰۴ کی حقانیت روشن ہو جاتی ہے جس میں ارشاد ربانی ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ارشاد فرمایئے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے اعتبار سے نقصان والے لوگ کون ہیں۔ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا ہی کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور گمان ان کا یہ ہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔

نیکی اور بدی انسان کے حال کو وجود بخشتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا انداز بیان و گفتگو، رنگ ڈھنگ، طور طریقہ، معاملات، طرز معاشرت، احوال و افعال، نشست و برخاست، حرکات و سکنات، دوست احباب اور چہرہ مہرہ از خود بتا دیتا ہے کہ وہ کس راستے کا مسافر ہے اور اس کا حال کیا ہے۔

انسانی زندگی مختلف النوع واقعات سے عبارت ہے اور ہر انسان کی زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو اتالیق و رہبر کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور بعض واقعات جن کی باگ ڈور انسان نے نفس و شیطان کے ہاتھ میں دے رکھی ہوتی ہے وہ اسے گناہوں کی بستیوں کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔

''سیدھا راستہ'' جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں مندرج واقعات کو قرآن و حدیث کے آئینہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال و بیانات کے حوالے سے اور حالات حاضرہ کے تناظر میں راستے کا تعین کر دیا ہے کہ حضرت انسان کو اپنے لئے کون سا راستہ منتخب کرنا چاہئے اور یہ واقعات ایسا آئینہ بھی ہیں جس میں اپنے حال کا چہرہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اگر حال بدحال ہو تو ''سیدھا راستہ'' بھی دکھا دیتا ہے کہ چلنا ہے تو اس راستہ پر چلو لیکن اس کا انحصار ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے۔

اگر آپ ''سیدھا راستہ'' کے واقعات کی روشنی میں خود کو نیکی کے راستہ پر گامزن پائیں تو مقام صد شکر ہے۔ اس پر استقامت و ثابت قدمی کے لئے قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھام لیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق میں فنا ہو کر پاک دامنی مقام دوام حاصل کرلیں اور اگر خدانخواستہ آپ کے قدموں کے نیچے بدی کا راستہ ہے تو اس آتشیں راستہ کو فی الفور چھوڑ کر نیکی کے راستہ پر آئیں۔ اس سلسلہ میں ''سیدھا راستہ'' آپ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

دوستو! اصلاح احوال و کردار کے لئے موجود لمحات زندگی بے مثل انمول و گرانمایہ سرمایہ ہیں، انہیں ضائع نہ کریں۔ موت کا بے آواز ہاتھ زندگی کے دروازے پر مسلسل تیزی سے دستک دے رہا ہے۔ لہٰذا سیدھا راستہ پر رہیں اور ''سیدھا راستہ'' خود بھی پڑھیں اور دوستوں اور اقرباء کو بھی دیں کیونکہ ''سیدھا راستہ'' سب کے لئے ہے۔

نواز رومانی

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے لئے تمام خوبیاں خاص ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں یا قلیل من العلم کی وجہ سے نہیں جانتے۔ اسی خوبیوں والی ذات نے ''سیدھا راستہ'' کی طرف ہدایت اور رہنمائی فرمائی جو نابیناؤں کو بینائی، بے ہدایتوں کو ہدایت، کمزوروں کو قوت، جاہلوں کو علم، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کو پتھروں میں رزق، بے ہمتوں کو ہمت، ہواؤں کو روانی، دریاؤں اور سمندروں کو طغیانی، بے زبانوں کو زبان، بے ایمانوں کو ایمان کی دولت سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق، فضل و کرم اور احسان کی بدولت اس کائنات کا نظام رواں دواں ہے۔ کائنات کی اس روانی میں جہاں لاکھوں اقسام کی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت اور قدرت سے پیدا فرمایا ہے وہاں اشرف المخلوقات انسان بھی ہے۔ اگر یہ اپنی حدود میں رہے تو خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ فی احسن تقویم کا حقدار ہے اور اگر اپنی حد سے خارج ہو جائے تو پھر اسفل سافلین کا حقدار بن جاتا ہے۔ انہیں انسانوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ ''سیدھا راستہ'' دکھانے والے اور منزل مقصود تک پہنچانے والے پیدا فرماتا رہتا ہے جو انسانوں کو اچھی انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کبھی تحریر سے کبھی تقریر سے اور کبھی اپنی عملی زندگی کی تصویر سے ہم جیسے گنہگاروں کے لئے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔

سابقہ امتوں میں اپنی قوموں کو ''سیدھا راستہ'' دکھانے کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اس خیر امت کے لئے امام الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے تا قیامت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ کوئی رسول آئیگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی، قرآن کریم آخری کتاب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت آخری امت ہے۔لیکن امت موجود کے افراد کے لئے اور قلوب کی اصلاح کے لئے رشد وہدایت کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہی میں ایسے افراد ہوتے رہیں گے۔ ماضی قریب اور بعید میں بڑی بڑی نامور علمی شخصیات دنیا میں تشریف لائیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت وخطابت کا اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حق ادا فرمایا۔اب جبکہ علمی، عملی، ادبی، تحقیقی اور حقائق پر مبنی لکھنے والے اور ''سیدھا راستہ'' دکھانے والے اللہ کے بندوں کی اس قحط الرجال میں اشد ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے محترم فاضل دوست نواز رومانی صاحب کو چنا جو اس میدان علم وعمل میں تقریباً پینتیس برس سے معروف عمل ہیں۔ایسے حضرات کی کمی کو تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے ستر اسی برس قبل محسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے خالی کیوں حرم

رومانی صاحب کے لئے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی تمام علمی اور تحریری کاوشوں کو جو منظور بارگاہ ایزدی تو پہلے ہی ہیں، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ مزید خیر وبرکت عطا فرمائے تاکہ قارئین کرام ان سے کما حقہ مستفید ہو سکیں۔حقیقت یہ ہے کہ رومانی صاحب کی ہر کتاب دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کا درجہ رکھتی ہے۔اخص الخواص۔جرنیل صحابہ۔عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔دریائے محبت یا حضرت انسان سب کے نام مختلف ہیں۔عنادین جدا جدا ہیں لیکن منزل ان سب کی ایک ہے کہ انسان کو ''سیدھا راستہ'' مل جائے۔آپ کو معلوم ہے کہ پوری کائنات کا خلاصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔پورے قرآن کا خلاصہ سورہ الحمد ہے۔اسی لئے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اعلیٰ نام ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور سورہ فاتحہ کا سب سے اعلیٰ نام الحمد ہے اور سورہ الفاتحہ میں جو

سات آیات ہیں ان کا خلاصہ ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' ہے۔اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلایا ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسے معبود حقیقی تسلیم کرنے کے بعد اس سے صرف ایک ہی التجا بار بار کرتا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم عطا فرما دے اور سیدھے راستے پر چلا دے اور یہی تمنا رومانی صاحب اور ہم سب کی ہے۔

اس دنیا میں انسان کو ''سیدھا راستہ'' مل جائے تو آخرت کی منزل پانا آسان ہو جاتا ہے۔آخرت کی منزل کی طرف جانے والے قافلوں کے سپہ سالار انبیاء کرام، صحابہ کرام، شہداء عظام اور صالحین ہیں اور یہی حضرات رب العالمین کی طرف سے ہر لحاظ سے انعام یافتہ بھی ہیں۔انہیں سے کچھ حضرات سیدھی راہ دکھانے کے لئے مشعل راہ بن کر آئے۔کچھ حضرات صداقت کے پیکر بن کر آئے اور کچھ حضرات نے حق عبودیت اس اخلاص سے ادا کیا کہ مقبول بارگاہ الٰہی بن گئے۔

رومانی صاحب نے تحریر کی صورت میں ان تمام حضرات کے ساتھ اپنا قیمتی وقت گزارا۔ بزرگان دین اور اولیاء کرام سے فیض حاصل کرنے کے لئے اپنے قارئین کو ''بزرگ'' کتاب کی صورت میں دی۔نہایت بہترین کاوش ہے اور ویسے بھی صراط مستقیم کے لئے کسی نہ کسی ولی کامل کی رہنمائی اشد ضروری ہوتی ہے۔اس کے بغیر اس قدر گھمبیر اور پرخطر راستوں میں سے سیدھے راستہ کا تلاش کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے اور بعض دفعہ پیر کامل کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے۔

جب انسان سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے تو مگرمچھ سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔دنیا میں آتا ہے تو ازلی دشمن سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔وہ قدم قدم پر ٹیڑھے راستے مزین کرتا ہے۔دنیا اپنا خاص مکر وفریب کا جال بچھاتی ہے۔شیاطین جن وانس دلوں میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتے ہیں۔یہ حضرت انسان بے بسی کے عالم میں سیدھی راہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتا ہے تو جو حضرات خوش نصیب ہوتے ہیں کبھی ان کے راستہ میں قرآن آتا ہے تو اسے فاروق اعظم بنا دیتا ہے۔کبھی راستہ میں چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر آتا ہے تو اسے صدیق اکبر بنا دیتا ہے۔کبھی راستہ میں گرم پتھر آتے ہیں تو اسے بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنا دیتے ہیں۔

کوئی پارسی کا بیٹا بکتے بکاتے مدینہ میں پہنچا تو اسے "سلمان منا" بنا دیتے ہیں۔ مسلمان بدر میں پہنچے تو میدان بدر مستقبل کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ قرآن اپنے قاری کو جنت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر وضو کیا جائے تو وضو سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے۔ وضو کر کے گھر سے نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جائے تو راستہ ماضی کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ انہیں خوش نصیبوں میں اللہ کا یہ بندہ جو کبھی تحریراً اولیاء کی محفل میں ہے' کبھی صحابہ کرام کی زندگی کے اہم معاملات اور حالات کا متلاشی ہے' کبھی حضرت انسان کو اسے اپنی حقیقت اصلیت سے آگاہ کر رہا ہے' کبھی عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غوطہ زن اور کبھی دریائے محبت میں اپنی کشتی میں پوری انسانیت کو دعوت دے رہا ہے کہ

"اے مسلمانو! آؤ سیدھے راستہ پر چلیں۔ آؤ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں صہیب رومی اور اویس قرنی بن جائیں۔ وہ "سیدھا راستہ" جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کا ہے۔ وہ "سیدھا راستہ" جو گوہر نایاب ہے۔ وہ "سیدھا راستہ" جو محبت اولیاء میں ہے۔ وہ سیدھا راستہ جو عشق اور محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ آیئے اسے ڈھونڈیے اور پھر اپنا کر اپنی منزل حاصل کریں"۔

لیکن افسوس کہ آج صرف زبانی کلامی دعوے تک بات محدود ہے۔ ہمارے روزمرہ عمل' کردار' طرز زندگی اور رہن سہن میں عشق و محبت تو دور کی بات ہے دور دور تک سیرت طیبہ کی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ اکثر اوقات درود شریف پڑھ رہے ہوتے ہیں اور دل غفلت کی وادیوں میں گھوم رہا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی غالباً اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ہوں بنام مصطفیٰ خوانم درود   از خجالت آب میگردد وجود

جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں تو میرا وجود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کیونکہ زبان جس کا ذکر کر رہی ہے' وجود اس کی نفی کر رہا ہے۔

آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے اسلاف کا ذکر بھی کرتے ہیں' ان کے کارہائے نمایاں کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن خود اپنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے والد گرامی بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ بادشاہ ایک مرتبہ مجلس میں حاضر ہوا تو وہ حیران رہ گیا کہ اس درویش صفت انسان کے پاس ایک طرف رؤسا ہیں تو دوسری طرف علماء ہیں۔ ایک طرف امراء ہیں تو دوسری طرف فقراء۔ ہر مرتبے کا آدمی سر جھکائے محفل میں موجود ہے۔ دل میں حسد پیدا ہوا اور مختلف طریقے سوچنے لگا کہ کیسے یہ اجتماع ختم کیا جائے۔ اس نے ایک طریقہ سوچا کہ اگر یہ دربار میں آ جائیں تو ساری خلقت خدا دربار میں آ جائے گی۔ اس طرح لوگوں کی نظروں میں میری شان بڑھ جائے گی اور لوگ ان کو چھوڑ کر میرے دربار میں آئیں گے۔ اس نے ایک دربان کے ہاتھ بڑے قیمتی تحائف اور مال بھیجا اور پیغام بھی کہ آپ یہاں تشریف لائیں تو بندے کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ یاد رکھئے مال' مال والوں کو دھوکا دیتا ہے' اللہ والوں کو نہیں دے سکتا۔ یاد رہے کہ ہر ولی صاحب فراست ہوتا ہے جبکہ اس کا عکس ضروری نہیں۔ آپ سارے معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔ آپ نے تحائف واپس کر دیئے۔ محل میں حاضری سے معذرت کر لی اور نیز یہ فرمایا کہ میں ایک ہفتہ تک آپ کا ملک چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت یہاں سے چلے جائیں گے تو بادشاہ کا دربار مزید بے رونق ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور عرض کی کہ حضور آپ کہیں نہ جائیں' ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

تو رومانی صاحب اپنی اس گرانقدر تصنیف میں اپنے قارئین کو یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے موجودہ حضرات میں اور ماضی کے اسلاف میں یہی فرق ہے کہ ماضی میں بادشاہ ان کے دربار میں حاضری دیتے اور دونوں جہاں کی سعادتیں حاصل کرتے اور آج جو کچھ ہے ہمارے سامنے ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ درویش صفت انسان عالم باعمل حضرت علامہ مولانا الشاہ احمد نورانی نور اللہ مرقدہ کی وفات کو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کے بعض اتحادی علماء ایک فون کال پر وزیراعظم ہاؤس میں موجود تھے۔ ظاہر ہے خالی ہاتھ تو واپس نہیں لوٹے ہوں گے اور نہ ہی وہاں نماز باجماعت ادا کرنے گئے ہوں گے۔

حضرات گرامی! تحریر کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو صرف تحریر ہو اور دوسری وہ جس میں

تاثیر بھی ہو اور یہ تاثیر الفاظ کی بناوٹ اور سجاوٹ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ بندے کے اندر جو اخلاص اور للّٰہیت کا جذبہ ہوتا ہے اس سے پیدا ہوتی ہے اور یہ جذبہ عطائے ربانی ہے۔ بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے اور جسے وہ چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ پھر عقل و شعور بھی ساتھی بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی خداداد نورانیت سے بندے کا ساتھ دیتے ہیں۔ قلم بھی ایسے مخلص بندے کا ساتھ دیتا ہے۔ جس کی نسبت نون والقلم سے ہے۔ قرآن کریم نے قلم کی قسم کھائی تاکہ اصحاب القلم کی نظروں میں اس کی عظمت واضح ہو جائے۔ آج لاکھوں' کروڑوں کتابوں کا وجود اسی قلم کی وجہ سے ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عقل' شعور' دماغ' ہاتھ گویا سارے انسانی اعضاء کہنے لگے کہ دنیا میں علم کا وجود ہماری وجہ سے ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے نادانو! تم سب کے پیچھے میری قدرت کارفرما ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو عقل کو سمجھ کچھ نہ آئے۔ شعور بے شعور ہو جائے۔ قلب و جگر میں بھی وہ علم و عمل کی گرمی نہ رہے جو نواز رومانی جیسی شخصیات میں نظر آتی ہے۔ ہاتھ پورا مل کر لکھ نہ سکے اور انگلیاں قلم پکڑ نہ سکیں۔ یہ سب اسی کا کرم ہے''۔

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ موصوف کی یہ محنت قارئین کرام کے لئے اسم بامسمی ثابت ہوگی اور ہمارے فاضل دوست کے لئے ذخیرہ آخرت اور تاقیامت یہ صدقہ جاریہ ثابت ہوگی۔ بندہ کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی علم و عمل اور ہر جدوجہد میں آپ کے لئے اور آپ کے اہل خانہ کے لئے خیر و برکت عطا فرمائے۔ آپ کی دعاؤں اور رحمت بھری تحریروں کا صدقہ آپ کی اہلیہ مرحومہ اور ہم سب کے والدین کریمین کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

بندہ ناچیز طالب دعا

قاری الٰہی بخش نوری

فاضل مکہ مکرمہ یونیورسٹی

خطیب مرکزی جامع مسجد قبا شریف

گلفشاں ٹاؤن لاہور

انتساب

ان لوگوں کے نام جو خود سیدھے راستے پر چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر گامزن ہونے میں ممد و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

نواز رومانی

خدا کی محبت اور عشقِ محمد ﷺ
یہی سیدھا رستہ ہے جنت کا رستہ

نواز رومانی

لین دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ گندم فروخت کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک گندم کے ڈھیر میں ڈالا تو اندر سے گیلی تھی (تاکہ تولتے وقت وزن بڑھ جائے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ کیا ہے؟''۔

اس نے عرض کی

''گندم ذرا بھیگی ہوئی ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''پھر اسے نکال باہر کیوں نہ کیا'' (خشک کے اندر اسے گڈمڈ کیوں کر دیا اور وہ بھی یوں کہ عیب پوشیدہ رہے)

اور پھر ارشاد فرمایا:

''مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا

یعنی جو دوسروں کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (نسخہ کیمیا ص ۳۵۳)

صاحبو! نظام دنیا کا انحصار لین دین پر ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ ہر شخص ہر روز کسی نہ کسی لین دین میں مصروف و مشغول ہوتا ہے۔ یہ جس قدر شفاف ہو۔ کسی کو دھوکا دینا مقصود نہ ہو۔ ناجائز منافع کی طلب نہ ہو اور دوسروں کا مال ناحق ہڑپ کرنے کی نیت وارادہ نہ ہو تو اس سے ایسی فضا جنم لیتی ہے جس میں ہر کوئی سکھ کا سانس لیتا ہے۔ باہمی بدظنی و نفرت راہ نہیں پکڑتی ہے۔ دوسروں کے لئے نیک جذبات کی آبیاری ہوتی ہے۔ اس سے رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے اور آخرت سنورنے لگتی ہے۔

اس کے برعکس جب لین دین کے معاملات میں حرص وہوئی، لالچ وطمع، مفاد پرستی اور بدنیتی کو شامل کر لیا جاتا ہے تو اس کے بطن سے انگنت برائیاں پھوٹ کر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں جس سے لوگوں کے مابین محبت و یگانگت دم توڑ دیتی ہے۔ اعتماد و بھروسہ کا جنازہ نکل جاتا ہے اور خودغرضی و بے مروتی اور طوطا چشمی زندگی اور معاشرت کے حسن کو داغدار

کر دیتی ہیں۔ اس سے دنیا کے ساتھ آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دھوکا دہی سے حاصل کردہ مال و دولت ناجائز و حرام اور جہنم کے انگارے ہیں اور جو شخص دوسروں کو دھوکا دیتا ہے وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ یہ کتنی بڑی سزا ہے۔

جب لوگ لین دین میں مصروف ہوتے ہیں تو اس ہنگام نفس و شیطان بھی طمع و لالچ، خیانت و بد دیانتی، دھوکا دہی اور مفاد پرستی کے بیج ان کے کشت دل میں کاشت کرنے لگتے ہیں جن کا انہیں ادراک ہوتا ہے، نہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بڑی سرعت سے خودرو کانٹے دار جھاڑیوں کی طرح ان کے وجود میں اگنے لگتے ہیں اور جب یہ بہار پر آتے ہیں اور لین دین کرنے والے اس کی مٹھاس و چاشنی سے لذت آشنا ہوتے ہیں تو دھوکا دہی کے نت نئے طریقے ایجاد کر لیتے ہیں۔ حرام خوری کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ یہ سوچنے سے عاری ہو جاتے ہیں کہ مال کہاں سے اور کیسے آ رہا ہے۔ آخرت سے اندھے پن میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اپنی زندگی کے ہر سانس، کاروبار، مال و دولت، علم، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں جوابدہ ہونا ہے تو نفس و شیطان ان کی طرف سے مطمئن و بے فکر ہو جاتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہوئے سینے پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں:

''اب یہ ہمارے ہیں''

آج کل معاشرے میں بوقت لین دین ایک دوسرے کو نت نئے طریقوں سے لوٹا اور دھوکا دیا جاتا ہے۔ مثلاً

الف: ناقص چیز کو چھپا کر خالص چیز کے ساتھ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس سے جو آمدن ہوتی ہے ناجائز اور حرام ہے۔ دیانتدارانہ اصول تجارت یہ ہے کہ عیب دار چیز کو بے عیب مال سے الگ رکھا جاتا ہے اور گاہک کو اس سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

حفص بن عبدالرحمٰن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کاروبار میں شریک اور حصہ دار تھے۔ آپ نے انہیں کپڑا بیچنے کے لئے کسی دوسرے شہر میں بھیجا اور ساتھ ہی بتایا کہ اس کپڑے میں فلاں فلاں نقص ہے۔ کپڑا فروخت کرنے سے پہلے تم نے گاہکوں کو بتانا ہے کہ اس کپڑے میں یہ عیب ہے۔ حفص بن عبدالرحمٰن نے کپڑا تو بیچ دیا مگر گاہکوں کو کپڑے میں

نقص سے آگاہ نہ کیا۔ جب حضرت نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپ نے اس کپڑے کی ساری رقم تیس ہزار درہم تھی، صدقہ کر دی اور دنیاوی نقصان کی پرواہ نہ کی اور اپنے شریک کاروبار کو علیحدہ کر دیا۔ (مناقب امام اعظم، ص ۲۰۷)

اے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ماننے والو! تم خود کو ان کا مقلد بھی کہتے ہو اور لین دین میں لوگوں کو ڈنکے کی چوٹ دھوکا بھی دیتے ہو۔ کیا تم اس کے حقدار ہو۔

تمہارے امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل کیا تھا اور تمہارا کیا ہے۔ تم نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر دھوکا دہی کو تجارت میں از خود جائز قرار دے رکھا ہے اور اس ناجائز اور حرام کمائی کو امور دین پر خرچ کرتے ہو۔ حج اور عمرہ کرتے ہو۔ صدقہ و خیرات کرتے ہو۔ نماز پڑھتے اور روزے بھی رکھتے ہو۔ چہرہ بھی اپنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق بنا رکھا ہے اور خود کو متقی و پرہیزگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہو۔ لاریب جس کی آمدنی حرام ہے، جس کے پیٹ میں حرام ہے، جس کے خون میں حرام دوڑ رہا ہے اس کی کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہے۔

ب: کچھ عرصہ سے پھلوں کے داغدار حصہ پر کسی زرعی فارم کا سٹکر لگا کر خریداروں سے پورے دام وصول کیے جاتے ہیں جو صریحاً دھوکا ہے۔

ج: اشیائے خورد و نوش اور ادویہ میں نہایت بے دردی سے ملاوٹ کی جاتی ہے اور لوگوں کی جانوں سے کھیلا جاتا ہے۔ شاید ہی کوئی دکان ہو جہاں ملاوٹی اشیاء فروخت نہ ہوتی ہوں۔ ایسی اشیاء فروخت کرنے سے زیادہ منافع ملتا ہے لیکن لالچ، حرص اور طمع نے ایسی اشیاء فروخت کرنے والوں کی عقلوں اور آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔

د: فی زمانہ خالص دودھ کا لفظ صرف سننے میں ملتا ہے۔ پانی کی ملاوٹ کو اس کا جز بنا دیا گیا ہے۔ بسا اوقات گائے، بھینس سے دودھ حاصل کرنے کے لئے ٹیکہ لگایا جاتا ہے جو عموماً بچے کی پیدائش کے وقت استعمال کیا جاتا ہے جو انتہائی مضر صحت ہے۔ علاوہ ازیں ایک لٹر جس میں ہزار گرام ہوتے ہیں دودھ فروش جس پیمانے سے دودھ ماپتے ہیں وہ آٹھ سو گرام کا ہوتا ہے اور دو سو گرام شیر مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں لیکن پیسے ایک لٹر کے وصول کرتے ہیں، یہ سب دھوکا دہی، سینہ زوری، حق تلفی، بد دیانتی اور خیانت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ماپ تول میں کمی ایسا جرم ہے، ایسا گناہ ہے، جس کی وجہ سے قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب نازل ہوا تھا۔

کہتے ہیں ایک شخص دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا۔ایک دن ایسا سیلاب آیا کہ اس کی گائے کو بہا کر لے گیا۔اس شیر فروش کے بیٹے نے کہا:

''وہ پانی جو ہم دودھ میں ملایا کرتے تھے' جمع ہوتا رہا اور پھر یکبارگی جمع ہو کر سیلاب کی صورت میں آیا اور گائے کو بہا کر لے گیا''۔

اور پھر اس کے کانوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد عالیہ گونجنے لگا۔

جب لین دین میں خیانت اور بددیانتی راہ پالیتی ہے تو برکت اس میں سے رخصت ہو جاتی ہے۔(نسخۂ کیمیا' ص ۳۵۵)

ر: آج کل نمبر دو جعلی اشیاء عام فروخت کی جاتی ہیں۔ان پر غیر ملکی لیبل یا مہر لگا دی جاتی ہے اور مہنگے داموں فروخت کر دی جاتی ہے۔یہ لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا' جھوٹ بولنا' دھوکا دینا اور منافقت ہے۔

س: ناجائز منافع خوری بھی دھوکا دہی میں شامل ہے۔بسا اوقات دکاندار قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ چیز گھر میں اتنے کی پڑی ہے اور پڑھنے والا پڑھ لیتا ہے کہ دکاندار کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔

''میں جھوٹ بول رہا ہوں''۔

اپنے ملک میں دیکھ لیں جب پٹرول وغیرہ کی قیمت میں اضافہ ہونا ہوتا ہے تو فروخت بند کر دیتے ہیں اور جب قیمت کم ہوتی ہے تو کہتے ہیں ابھی آرڈر نہیں آئے اور مہنگی بیچتے رہتے ہیں۔اس طرح لوگوں کو پریشان بھی کرتے اور زائد رقم بھی وصول کرتے ہیں۔جب کسی پر طمع و لالچ غالب آ جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔اسے سوائے اپنی ذات کے دوسرا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ہمارے بزرگ بھی کاروبار کرتے تھے اور ان کے اندر خوف خدا ہوتا تھا۔

کسی بزرگ نے اپنے وکیل کے ذریعے کچھ اناج فروخت کرنے کے لئے بصرہ بھیجا۔جب وہ وہاں پہنچا تو غلہ بہت سستا بک رہا تھا۔اس خیال سے کہ کہیں نقصان نہ ہو' وکیل نے ایک ہفتہ کے لئے مال فروخت نہ کیا اور جب اس کا بھاؤ چڑھ گیا تو دوگنا منافع پر فروخت کر کے مالک کو لکھ بھیجا۔اس کے جواب میں اس بزرگ نے لکھا۔

''میں نے تھوڑے نفع پر قناعت کی تھی جس میں دین کی سلامتی برقرار رہتی ہے۔
تمہارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ ہمارے دین کو زیادہ دنیاوی منافع کی خاطر

فروخت کر دو۔یہ تو بڑا گناہ تم نے مول لے لیا ہے۔اب یہی ہو سکتا ہے کہ جس قدر رقم اس سے حاصل ہوئی ہے وہ سب کی سب نفع سمیت صدقہ میں دے ڈالو کہ اس کا کفارہ ادا ہو جائے۔اگرچہ پھر بھی ضروری نہیں کہ اس شومئی سے ہمیں خلاصی نصیب ہو ہی جائے''۔(کیمیائے سعادت' ص ۳۵۰)

ش: بعض لوگ جان بوجھ کر جعلی کرنسی نوٹ دکاندار کو یا دکاندار گاہک کو دے دیتا ہے۔یہ بہت بڑا دھوکا ہے جو وہ ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔بسا اوقات غلطی سے زائد پیسے دکاندار یا گاہک دے دیتا ہے لیکن وہ واپس نہیں کئے جاتے اور مال مفت سمجھ کر رکھ لئے جاتے ہیں لیکن ان نادانوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ اس طرح حاصل کردہ مال حرام ہے اور دار آخرت میں روشن ہونے والی آگ ہے۔

ص: سودا سلف خریدتے وقت اکثر خریدار دکاندار کی اجازت کے بغیر کوئی چیز اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا ہے۔سودا خریدنے کے بعد وہ کھائی ہوئی چیز واپس نہیں کرتا یا معاف نہیں کراتا یا اس کے دام نہیں دیتا۔یہ ناجائز ہے۔پیٹ میں اتر کر جب یہ چیز بصورت خون رگوں میں دوڑتی ہے تو تمام اچھائیوں اور نیکیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

ط: بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بوجوہ کوئی چیز اڑ کر خریدار کے سودا میں مل جاتی ہے۔اگر خریدار دیکھ لیتا ہے تو اس پر واپس کرنا لازم ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ ناجائز ہے۔

ہمارے بزرگ جن کی نگاہ ہر وقت آخرت پر لگی ہوتی ہے ہر بات پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے ایک رات بیت المقدس میں صخرہ کے نیچے گزاری۔کچھ رات گزرنے کے بعد دو فرشتے آئے۔ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا:

''یہاں کون ہے''۔

دوسرے نے جواب دیا:

''ابراہیم بن ادھم (رحمۃ اللہ علیہ)''

پھر قدرے سکوت کے بعد کہا

''یہ وہی شخص ہے جس کے درجات سے اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ کم کر دیا ہے''۔

پہلے فرشتہ نے پوچھا

''کیوں''

دوسرے نے بتایا

''اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں اور سبزی فروش کی کھجوروں میں سے ایک اس کی کھجوروں میں جا پڑی۔ اس نے اسے مالک کو واپس نہیں کیا''۔

(رسالہ قشیریہ' ص ۲۶۶)

دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کسب' کاروبار اور لین دین میں معروف و مشغول ہوتا ہے۔ اس کے اندر حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے دو دروازے ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ اب یہ حضرت انسان پر ہے کہ ان دروازوں میں سے کون سا دروازہ اپنے لئے کھولتا ہے۔ وہ جس دروازے کو کھولتا ہے رزق اسی راستے سے ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حلال و جائز رزق کا در باز کرتا ہے تو اس کے اپنے ثمرات و تمتعات ہیں اور اگر وہ حرام و ناجائز رزق کا دروازہ کھولتا ہے تو اس کے اپنے مضمرات و نقصانات ہیں۔

ان دونوں دروازوں کے عین عقب میں دیار آخرت میں بھی دو دروازے ہوتے ہیں۔ حلال و جائز رزق کے دروازے پیچھے جنت کا اور حرام و ناجائز رزق کے دروازے کے عقب میں جہنم کا دروازہ ہے۔ ان دونوں دروازوں کی چابی لین دین کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جنت کا دروازہ کھولنے والے بینا' دانشمند' خشیت الٰہی سے لرزاں اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ جہنم کا دروازہ وا کرنے والے نابینا' بے عقل' اللہ تعالیٰ سے بے خوف اور ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پس پشت ڈالنے والے ہوتے ہیں۔

لیکن جو لوگ اہل تقویٰ ہیں ان کا حال یہ ہے کہ کوئی چیز اس شخص سے لینا بھی پسند نہیں کرتے جس کے جسم میں حرام خوری کی وجہ سے طاقت ہو۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو ماننے والے ان کے احوال' واقعات کو بڑے ذوق و شوق اور دلچسپی سے تو پڑھتے ہیں۔ لیکن ان سے سبق حاصل کر کے اس راہ پر چلنا گوارا نہیں کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مرتبہ قید میں ڈال دیا گیا۔ چند دن بھوکے رہے۔ ایک پارسا عورت نے جو آپ کی مرید تھی اس نے سوت کات کا حلال روزی

حاصل کی اور اس سے آپ کو کھانا بھیجا لیکن آپ نے اسے بھی نہ کھایا۔ اس خاتون نے عرض کی۔

''یا مرشدنا! یہ تو آپ کو معلوم ہی تھا کہ بھیجا گیا کھانا حلال کمائی سے بنایا گیا تھا۔ پھر آپ نے کیوں نہ کھایا''۔

سنا تو آپ نے فرمایا:

''یہ درست ہے لیکن جب میرے سامنے لایا گیا تو وہ ایک ظالم کے طباق میں تھا اور وہ محافظ زنداں کا ہاتھ تھا۔ میرا عذر اس بنا پر تھا کہ اس حلال کے کھانے کو مجھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایک ظالم کے ہاتھ کی قوت ہے جو حرام خوری سے پیدا ہوئی ہے''۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۳۷۷)

یہ واقعہ کہانی نہیں بلکہ چشم کشا' نصیحت آموز اور واعظ ہے لیکن اس موعظت پر عمل کرنا ہمارا کام ہے۔

سب لوگ زندگی میں لین دین کرتے ہیں۔ اہل آخرت' آخرت کے لئے اور اہل دنیا' دنیا کے لئے۔ ہمارا حال کیا ہے۔

☆ ہم کیسا لین دین کرتے ہیں۔

☆ ہم نے رزق کا کون سا دروازہ کھول رکھا ہے۔

☆ ہم لین دین کرتے وقت لوگوں کو دھوکا دینے والے ٹولہ میں شامل ہوتے ہیں یا ان لوگوں میں جو صاف گوئی' ایمانداری' خوف الٰہی' امانت و دیانت' سچائی' اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے اور نیک نیتی سے کام لیتے ہیں۔

☆ ہم آخرت کے خریدار ہیں یا دنیا کے

☆ ہم حرص و ہویٰ اور طمع و لالچ سے مبرا ہیں یا ہماری روزمرہ کی زندگی انہیں کی آئینہ دار ہے۔

سوچ لیں' حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

اے حاجیو! ہشیار باش

ایک مرتبہ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوران حج ''لبیک'' نہ کہا اور ایک میل تک یونہی چلے گئے لیکن پھر دفعۃً بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو کہا:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا تھا کہ اپنی امت کے ظالموں سے کہہ دیں کہ مجھے یاد نہ کریں اور میرا نام نہ لیں کیونکہ جو کوئی مجھے یاد کرتا ہے میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر وہ (یاد کرنے والے) ظالم ہوں تو ان کو (بھی) یاد تو کرتا ہوں مگر ان پر لعنت بھیج کر''۔

اور فرمایا:

میں نے سنا ہے کہ حج کا خرچ اگر (مشکوک و) مشتبہ مال سے پورا کیا جائے اور لبیک کہے تو اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے۔ **لا لبیک ولا سعدیک حتی تردد ما فی یدیک** یعنی تیرا لبیک اور سعدیک کہنا ہمیں پسند نہیں جب تک کہ تم اس کو رد نہ کردو جو تیرے ہاتھ میں ہے یعنی قبضہ میں ہے (نسخہ کیمیا' ص ۲۵۶)

صاحبو! ارکان اسلام میں سے حج بیت اللہ ایک رکن ہے۔ یہ عمر میں صرف ایک بار ہر مرد اور عورت پر جو مسلمان ہو۔ آزاد ہو۔ عاقل ہو۔ بالغ ہو اور صاحب استطاعت ہو' فرض ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست کی اتباع کا نام ہے۔

صحیح حدیث کے مطابق حج بیت اللہ تمام گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے۔ فرمایا:

''جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا اور رفث وفسوق سے پرہیز کی وہ اس دن کی طرح ہوگا جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور اس گھر کا عمرہ بھی کفارہ سیئات ہے۔

اس حدیث کے مطابق عمرہ سے لے کر عمرہ تک دونوں کے درمیان کا کفارہ ہے۔

یہاں کی ایک ایک نیکی دوسری جگہ کی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ تاریخ

ارزقی اور حدیث کی دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے ساتھ مروی ہے کہ وہاں مشغولیت سے قطع نظر صرف اس متبرک مقام کی مجاورت اور تجلیات سے معمور گھر کو دیکھنے سے ہی بے حد ثواب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ انہیں کتابوں میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز اس گھر پر ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں' چالیس نماز ادا کرنے والوں اور بیس صرف دیکھنے والوں کے لئے ہیں۔ نیز حدیث پاک میں **النظر الی الکعبۃ عبادۃ** یعنی کعبہ شریف کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ (تفسیر عزیزی' ج ۲' ص ۲۸۸-۲۸۹)

ابن مردویہ اور اصفہانی نے ترغیب وترہیب میں اور دیلمی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب قیامت کا دن ہوگا کعبۃ اللہ کو فرشتے دلہن کی طرح زیب وزینت سے سجا کر میدان حشر میں لائیں گے۔ راستے میں میرے مزار سے گزر ہوگا تو کعبہ فصیح زبان سے کہے گا۔

"السلام علیك یا محمد صلی اللہ علیه وسلم"

میں جواب میں کہوں گا

''**وعلیك السلام یا بیت اللہ** تیرے ساتھ میری امت نے کیا سلوک کیا''۔

کعبہ کہے گا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی امت میں سے جو شخص میری زیارت کے لئے آیا تو اس کے لئے میں کافی ہوں اور اس کی میں شفاعت کروں گا۔ اس کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطمئن رہیں اور جو میری زیارت کو نہ پہنچ سکا تو اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفایت اور شفاعت فرمائیں''۔ (تفسیر عزیزی' ج ۲' ص ۳۱۰)

خانہ کعبہ سب کے لئے امن اور رحمت الٰہیہ کا گہوارہ ہے۔ اس کے طواف وزیارت کی تمنا صرف مسلمان ہی نہیں حیوانات بھی رکھتے ہیں۔ اسلامی ادب میں بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ تواریخ مکہ میں ایک طواف کرنے والے اونٹ کی حکایت ملتی ہے۔ ۸۱۵ ہجری جمادی الآخر میں جمال فاروقی کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اپنے مالک سے بھاگ کر مکہ معظمہ کا

قصد کئے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوا۔ بہت سے لوگ اس کے اردگرد بھاگ رہے تھے اور اسے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کے سات چکر بجالایا اور اس نے تین طواف پورے کئے۔ ازاں بعد حجر اسود کی طرف آیا اور اسے بوسہ دیا۔ پھر مقام حنفیہ کی طرف متوجہ ہوا اور میزاب رحمت کے سامنے کھڑا ہو گیا اور رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری ہو گئے اور اسی حالت میں زمین پر گر پڑا اور جان کو جان آفریں کے سپرد کر دیا۔ لوگ اسے۔ اس حالت میں دیکھ رہے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد انہوں نے اسے اٹھا کر صفا و مروہ کے درمیان لے جا کر دفن کر دیا۔ (تفسیر عزیزی ج ۲، ص ۳۰۰)

اے حاجیو! کعبۃ اللہ کی اس معمولی سی جھلک سے اس کی عظمت وشان کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حج بیت اللہ کا ارادہ کرنے سے قبل ہر شخص کو ہزار بار سوچنا چاہیے کہ وہ ظالم تو نہیں ہے اور کیا اس کا رزق حرام ومشتبہ سے پاک ہے کیونکہ ظالم اور حرام خور جب وہاں جاتا ہے تو اس کے لبیک اور سعدیک کہنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور اس پر رحمت کے بجائے لعنت بھیجتا ہے جس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ظالم ظلم سے بنتا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۵۷ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام کر دیا ہے۔ پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"۔

اور جہاں تک ظلم کا تعلق ہے تو یہ

☆ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی راہ ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناپسندیدگی کی راہ ہے۔
☆ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے فرار کی راہ ہے۔
☆ نفس وشیطان کی پیروی کی راہ ہے۔

☆ نفسانی خواہشات کی راہ ہے۔
☆ محبت دنیا کی راہ ہے۔
☆ ایسی اندھیری رات ہے جس کی سحر نہیں
☆ جہنم کی راہ ہے۔

اور جہاں تک ظالم کا تعلق ہے تو وہ

☆ نور سے ظلمت کی طرف ہوتا ہے۔
☆ صراط مستقیم سے دور ہوتا ہے۔
☆ حق سے تجاوز کرتا ہے۔
☆ لالچی، ریاکار اور مطلب پرست ہوتا ہے۔
☆ کمزوروں پر ظلم کرتا ہے۔
☆ ناشکرا ہوتا ہے۔
☆ کسی کی نصیحت کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔
☆ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتا ہے (دریائے محبت، ص ۳۴۶، ۳۴۹)

اور جو حلال وحرام اور مشتبہ کی پرواہ نہیں کرتا اور صرف مال و دولت سمیٹنے کے مالیخولیا میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی دنیا کے ساتھ آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے۔ رزق حلال وحرام کھانے والے کے متعلق

الف: اللہ تعالیٰ سورہ المومنون آیت ۵۱ میں فرماتا ہے:

اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری امتیں) حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

ب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ طلب حلال تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔
☆ جو شخص چالیس روز تک حلال کی روزی کھاتا رہے جس میں حرام کی ذرہ بھر آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور حکمت کے سوتے اس کے دل سے پھوٹ بہتے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حدیث پاک کا نصف آخر یوں ہے کہ اس کا دل دنیا کی دوستی سے بیزار ہو جاتا ہے۔

☆ کتنے ہی لوگ ہیں کہ کھاتے بھی حرام ہیں۔ پہنتے بھی حرام ہیں اوراس کے باوجود ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ان کی دعائیں آخر کس طرح قبول ہو سکتی ہیں۔

☆ حرام کھا کھا کر جو گوشت جسم پر چڑھ گیا ہو اس کا (دوزخ کی) آگ میں جلنا ہی بہتر ہے۔

☆ جس شخص کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ مال کہاں سے چلا آرہا ہے (آیا حلال بھی ہے یا نہیں) تو اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ اسے دوزخ کے کون سے حصے میں جھونک دیا گیا ہے۔

☆ اگر کوئی دس درہم میں ایک کپڑا خریدتا ہے (اور اس کا لباس سلواتا ہے) لیکن اس رقم میں اگر ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک وہ لباس اس کے جسم پر رہے گا اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔

☆ جو شخص تھکا ماندہ رات کو گھر واپس آئے اور اس کی تھکاوٹ و ماندگی کا سبب یہ ہو کہ دن بھر طلب حلال میں کوشاں رہا ہے تو وہ جب سوتا ہے تو بخشا ہوا ہوتا ہے اور صبح کو بیدار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اسے حاصل ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حرام سے پرہیز کرنے والوں سے تو مجھے حساب لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

☆ حرام خور کا مال صدقہ میں قبول نہیں ہوتا اور پڑا رہے تو دوزخ میں پہنچنے تک اس کا زادراہ ہے۔

ج: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

نماز پڑھتے پڑھتے کمر جھک جائے۔ روزے رکھتے رکھتے جسم سوکھ کر بال کی طرح باریک ہوجائے تو بھی ان کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ حرام خوری سے اعراض نہ کیا جائے کہ اس کی موجودگی میں (نماز روزہ) قبول ہی نہیں ہوتے ہیں۔

د: بزرگانِ دین کے اقوال

☆ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان

جو شخص مال حرام سے صدقہ و خیرات دیتا ہے وہ گویا ناپاک کپڑوں کو پیشاب سے دھونے کی کوشش کرتا ہے جو بجائے خود اور بھی زیادہ ناپاک ہوتا ہے۔

☆ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان

اطاعت و بندگی خزانہ الٰہی ہے جس کی دعا کنجی ہے اور اس کے دندانے رزق حلال سے بنتے ہیں۔

☆ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان

چار چیزوں کی پہچان حاصل کئے بغیر کوئی بھی شخص ایمان کی اصل حقیقت سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔

☆ تمام فرائض کو سنت کے مطابق ادا کرنا۔

☆ حلال کھائے' یہ پرہیزگاری کا تقاضا ہے۔

☆ تمام برائیوں سے روگرداں رہے خواہ ان کا تعلق ظاہر سے ہو خواہ باطن سے اور

☆ تادم آخر ان امور پر ثابت قدم اور مستقیم رہے۔

☆ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان

میرے نزدیک ایک لاکھ درہم صدقہ میں دینے سے یہ امر زیادہ پسندیدہ ہے کہ شبہے کا ایک درہم مالک کو لوٹا دیا جائے۔

☆ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان

حرام خور کے تمام اعضا گناہوں میں مشغول رہتے ہیں خواہ وہ چاہے خواہ وہ نہ چاہے اور جو شخص حلال کھاتا ہے اس کے تمام اعضا عبادت میں رہتے ہیں اور توفیق خیر ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہے۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۳۷۰-۳۷۲)

کسی شخص نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا

''میرے پاس دو ہزار درہم حلال کی کمائی سے جمع ہو چکے ہیں۔ حج پر روانہ ہونے کا ارادہ ہے''۔

آپ نے پوچھا:

''تیرا مقصد سیر و سیاحت کرنا ہے یا رضائے الٰہی کے متلاشی ہو''۔

اس نے کہا:

''میرا مقصود رضائے الٰہی ہے''۔

آپ نے فرمایا:

"اگر سچ کہتے ہو تو جاؤ دس درویشوں کا قرض اس رقم سے ادا کردو یا دس یتیموں میں تقسیم کردو یا کسی عیالدار کے حوالے کردو کیونکہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا سینکڑوں بار حج کرنے سے افضل تر ہے"۔

وہ شخص کہنے لگا:

"میرے دل میں حج کی رغبت حد سے زیادہ پیدا ہو چکی ہے"۔

فرمایا:

"اس لئے کہ تیرا یہ مال غلط اور ناجائز طریقے سے تیرے ہاتھ آیا ہے اور جب تک اسے غلط اور ناجائز طریقے سے خرچ نہ کرے، تجھے چین نہیں آئے گا"۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ ان میں سے زکوٰۃ عملی اور باقی قولی عبادات ہیں۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ عملاً اسلام کا انکار کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف اسی وجہ سے اعلان جہاد فرمایا تھا۔

اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محبت سے کرنا چاہئے اور اگر رضائے الٰہی کے علاوہ مقصود و مطلوب دکھاوا، ریا یا نفسانی خواہشات کی تکمیل ہو تو پھر یہ عبادت کے نام پر نفس و شیطان کی پیروی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج پر جانے والے شخص کو جو مشورہ دیا تھا وہ کسوٹی تھی جس پر پرکھا جا سکتا تھا کہ وہ حج کس غرض و غایت کے لئے کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اس شخص کو مشورہ دیا کہ وہ حج کے لئے جمع کی ہوئی رقم سے دس مقروضوں کی قرض سے جان چھڑوا دے جو شہید کو بھی معاف نہیں ہے یا دس یتیموں کی دادرسی کردے جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہے یا پھر کسی عیالدار کی مدد کردے جو مصائب اور پریشانیوں کی چکی میں پسا ہر روز جیتا اور مرتا ہے کیونکہ نماز کی قضا تو ہے خدمت کی قضا نہیں ہے۔ بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج قول سے بھی ہے اور عمل سے بھی۔ مثلاً کسی کی زندگی سے تعطل دور کردینا بھی حج کے برابر ہے۔ (خطابات النبیؐ ص ۱۵۲)

حج پر روانہ ہونے والا شخص حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے جب کسی حاجتمند، بیکس اور مجبور انسان کو دل بدست آور کہ حج اکبر است کے تحت مشکلات و مصائب سے نجات دلانے کے لئے

حج کے لئے جمع کی ہوئی رقم اس کو دے دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حج کو کعبۃ اللہ جائے بغیر ہی قبول فرما لیتا ہے اور اس کی وجہ سے دوسروں کا حج بھی قبول کرلیتا ہے۔

پرانی بات ہے ایک مرتبہ حج کے بعد کسی ولی اللہ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

"اے اللہ! کسی کا حج قبول ہوا بھی ہے یا نہیں"۔

خواب میں اسے بتایا گیا

"ملک عراق میں فلاں موچی کا حج قبول ہوا ہے جو یہاں آیا نہیں ہے اور اس کے صدقے دوسروں کا حج بھی قبول کیا گیا ہے"۔

خواب سے بیدار ہو کر وہ ولی اللہ سوئے عراق چل پڑا کہ دیکھوں اس کا ایسا کون سا عمل ہے کہ وہ آیا بھی نہیں اور اس کا حج قبول ہو گیا ہے۔

عراق میں پہنچ کر خواب میں بتائے ہوئے نام کا موچی اسے مل گیا اور وہ شب و روز اس کا مشاہدہ کرنے لگا لیکن اسے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تو اس ولی اللہ نے اسے ساری بات بتائی اور پوچھا:

"تم نے کیا ایسا کام کیا ہے کہ تیرا حج قبول ہو گیا ہے"۔

اس نے کہا:

"میں نے چالیس سالوں میں تھوڑے تھوڑے پیسے حج کے لئے جمع کئے تھے۔ اس سال حج پر جانا تھا کہ ایک دن میری حاملہ بیوی نے کہا کہ ہمسایہ سے سالن مانگ لاؤں۔ میں گیا اور سالن مانگا تو اس نے کہا:

یہ سالن ہمارے لئے حلال اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے"۔

اصرار کیا تو اس نے بتایا:

"تین دن سے بچے بھوکے تھے۔ آج صبح باہر گیا تو ایک مردار گدھا دیکھا۔ اس سے تھوڑا سا گوشت کاٹ کر لے آیا ہوں کہ بچے بھوک سے نجات پائیں"۔

میں نے سنا تو حج کے لئے جو رقم جمع کی تھی وہ لے جا کر اس کو دے دی۔

حج پر جانے والے شخص نے جب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشورہ کے برعکس حج پر جانا پسند کیا تو سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے غلط ذرائع سے مال جمع کیا ہے اور اس سے کیا ہوا حج بارگاہ خداوندی میں نامقبول ہے کیونکہ حرام کمائی کا نیک کام پر خرچ کرنا ناجائز اور

غلط ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پا پیادہ حج کو جا رہے تھے۔ ایک ناقہ سوار بدو نے پوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں"

فرمایا:

"بیت اللہ شریف"

اس نے کہا:

"آپ دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔ سفر طویل ہے اور آپ کے پاس سواری ہے نہ توشہ۔ شاید آپ کو موت لائی ہے"۔

سنا تو آپ نے فرمایا:

"تیرے پاس ایک سواری ہے۔ میں بہت سی سواریاں رکھتا ہوں لیکن وہ نظر نہیں آتی ہیں"۔

اس نے پوچھا:

"وہ کون سی سواریاں ہیں"۔

آپ نے فرمایا:

"جب مجھ پر کوئی بلا آتی ہے تو صبر کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں۔ جب نعمت پاتا ہوں تو شکر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں۔ جب کوئی رب کی قضا آتی ہے تو رضا پر سوار ہوتا ہوں۔ جب نفس کسی طرف بلاتا ہے تو اپنی عمر پر بے اعتمادی کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں"۔

بدوی بولا:

"بیشک آپ سوار اور میں پیادہ ہوں"۔

(ماہنامہ تبیان الاسلام شمارہ اگست ۲۰۰۸، ص ۱۱)

یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا حج ہے۔ اس کی شان ہی منفرد و یگانہ ہے۔ اگر فی زمانہ یہ ہوائی جہاز یا کار میں سوار ہو کر سوئے بیت اللہ شریف بغرض حج جاتے ہیں تو اس کے باوجود صبر، شکر، رضا اور نفس کی آواز سے بہرہ پن کی چاروں سواریاں ان کے جلو میں ہوتی ہیں اور حسب حال

ان پر سواری کرتے رہتے ہیں۔

یہ چار سواریاں دراصل چار عظیم ترین صفات ہیں جن پر اگر حج کے علاوہ بھی سواری کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا ساتھ رہتا ہے اور نفس و شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو جو شخص

☆ صبر کرتا ہے وہ شکایت نہیں کرتا ہے۔
☆ شکر بجالاتا ہے وہ حرص سے پاک رہتا ہے۔
☆ قضا پر راضی رہتا ہے وہ مایوس نہیں ہوتا ہے اور
☆ نفس کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لیتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے۔

صبر نصف اور شکر نصف ایمان ہے اور جو ان کا پیکر ہو اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ قضاء و قدر پر راضی رہنے والا اللہ تعالیٰ سے جڑا رہتا ہے۔ ادھر ادھر بھٹکنے سے بچ جاتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے اسی میں اس کی فلاح و بہتری کا راز پنہاں ہے۔ نفس کا مشیر شیطان ہوتا ہے۔ نفس جب کسی بات پر آمادہ ہوتا ہے تو شیطان از خود اس کے ساتھ لگ جاتا ہے اور الٹی راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جب اس کے بلاوے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا تو شیطان مایوس ہو جاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے اور جو شخص زندگی میں ان چاروں سواریوں پر سوار رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مقام پر حفاظت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور وہ اس سے راضی رہتا ہے۔

ان چاروں صفات عالیہ کے ہمقدم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں، رحمتیں اور انعام و اکرام ہوتے ہیں۔ ان کے بطن سے انگنت نیکیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ ایسے شخص کا ایک ایک لحہ یاد الٰہی، ذکر و شکر، اطاعت و بندگی، جود و سخا، عفو و درگزر، حلم و استقامت میں گزرتا ہے۔ اس سے رب ودود محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے اس کی خوش بختی کا کیا کہنا ہے۔

فی زمانہ بجز الا ماشاء اللہ ان سواریوں میں سے کسی کے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔ لہٰذا ہر سو فتنہ و فساد کی آگ شعلہ زن ہے۔ گناہوں کے عفریت رقص کناں ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے عدم آگہی و دوری کی چڑیلیں قہقہہ زن ہیں۔ بداخلاقی و بے راہروی کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔

یہ چاروں سواریاں ہر انسان کے پاس موجود ہوتی ہیں لیکن مادہ پرستی کی وجہ سے آنکھوں

سے اوجھل ہوتی ہیں اور اگر وہ ان کے بارے میں جانتا ہے تو دیدہ دانستہ ان پر سوار ہونے سے گریزاں ہے کیونکہ ان پر سواری کرنے سے اسے

☆ اپنے جسم سے حرام کے کپڑے اتارنے پڑتے ہیں۔

☆ اپنے پیٹ سے حرام کی غذا نکالنی پڑتی ہے۔

☆ حرام سے پلے ہوئے گوشت کو گھٹانا پڑتا ہے۔

☆ حرام کی آمدن سے منہ موڑنا پڑتا ہے۔

☆ حرام کی کمائی سے حج، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کی وجہ سے ناموری کو رخصت کرنا پڑتا ہے۔

☆ دکھاوے کی جھوٹی عزت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو راضی وخوش کرنے اور اخروی راحتیں سمیٹنے کے لئے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔

ہمارا حال کیا ہے

☆ ہم ظالم تو نہیں کہ حج کے وقت اللہ تعالیٰ ہم پر لعنت بھیجے۔

☆ ہم حرام خور تو نہیں کہ ہمارا حج یا کوئی دوسری عبادت اور صدقہ وخیرات بارگاہ خداوندی میں قبول نہ ہو۔

☆ ہم حج نفسانی خواہشات اور دکھاوے یا رضائے الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔

☆ کیا ہم غرباء ومساکین کی زندگی میں تعطل کو دور کرنے کے لئے رزق حلال یا حج کے لئے جمع شدہ حلال رقم سے مدد کرتے ہیں یا نہیں۔

☆ کیا ہم صبر، شکر، رضا اور نفس کی طرف سے بہرے پن کی سواریوں کو حج اور دیگر مقامات پر ساتھ رکھتے اور ان پر سوار ہوتے ہیں یا نہیں۔

اے حاجیو! ہشیار باش

گناہ گناہ ہے بچو

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے ایک لاکھ اشخاص عذاب سے ہلاک کئے جائیں گے جن میں سے چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار بدکردار وبداعمال ہوں گے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

''یا اللہ! بدکرداروں کی ہلاکت کی وجہ تو ظاہر ہے لیکن نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جارہا ہے''۔

ارشاد ہوا:

''یہ نیک لوگ بھی ان بدکرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور ہنسی ودل لگی میں شریک رہتے ہیں۔ میری نافرمانیاں اور گناہ دیکھ کر بھی ان کے چہروں پر کبھی ناگواری کا اثر تک نمودار نہیں ہوتا ہے''۔

(بحر محیط/قرآن اور حالمین قرآن، ص ۵۵۳)

صاحبو! رونگٹے کھڑے کردینے والا یہ واقعہ چلا چلا کر کہہ رہا ہے۔

''آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے''۔

گناہوں میں لت پت لوگوں پر عذاب تو آنا ہی تھا لیکن ان کا قرب ودوستی اور گناہوں کو برا خیال نہ کرنے کی پاداش میں نیک لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آگئے تھے۔

ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی نحوستوں، بے برکتیوں، بے چینیوں، قباحتوں، مصیبتوں، عصبیوتوں، پریشانیوں، ناانصافیوں، حق تلفیوں، یبوستوں، نفرتوں، اداسیوں، بے اطمینانیوں، افراتفریوں، مادہ پرستیوں، بداخلاقیوں فحاشیوں، بداعمالیوں، نافرمانیوں، دلآزاریوں، جانسوزیوں، منافقتوں، ریاکاریوں، ظلم وزیادتیوں، تعلیمات اسلامیہ سے دوریوں سے الم نشرح ہے کہ یہ

گناہوں کے دنیوی ثمرات ہیں اور اگر کوئی شخص توبۃ النصوحا کے بغیر گناہوں میں لپٹا لپٹایا دار آخرت کو سدھار جاتا ہے تو وہاں گناہ جن جن روپوں میں نمودار ہوں گے' ان کے تصور سے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اچھی طرح سمجھ لو کہ

☆ گناہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے۔
☆ گناہ ایسی بلا ہے' جس کے بطن سے کئی اور گناہ جنم لیتے ہیں۔
☆ گناہ نیکیوں کی ایڈز ہے۔
☆ گناہ شیطان کے حلقہ ارادت کی سند ہے۔
☆ گناہ زندگی پر سیاہ داغ ہے۔
☆ گناہ آگ ہے۔
☆ گناہ آسیب ہے' جب چمٹ جاتا ہے تو اترنے کا نام نہیں لیتا ہے۔
☆ گناہ عفریت ہے۔
☆ گناہ ناگ ہے جو روح کو ڈستا رہتا ہے۔
☆ گناہ جہنم کی راہ ہے۔
☆ گناہ عزت وناموس کا نیلام ہے۔
☆ گناہ کلنک کا ٹیکہ ہے۔
☆ گناہ ایسا ناسور ہے جو جسم انسانی میں آہستگی سے پھیلتا رہتا ہے۔
☆ گناہ شہد میں ملا ایسا زہر ہے جو زہر ہلاہل سے زیادہ جان لیوا ہے۔
☆ گناہ جنت کی راہوں کی سدِ سکندری ہے۔
☆ گناہ شجر خواہشات کا کڑوا پھل ہے۔
☆ گناہ حسن اخلاقیات کا بدنما دھبہ ہے۔
☆ گناہ بربادیوں کا سنگ میل ہے۔
☆ گناہ بھول بھلیاں ہے' جس سے باہر نکلنے کا راستہ مسدود ہے۔
☆ گناہ فساد معاشرہ ہے۔
☆ گناہ ایسا پچھتاوا ہے' جس کا تدارک نہیں ہے۔
☆ گناہ قبر میں جہنم کے دروازے کی چابی ہے اور گناہ میں موافقت عذاب الٰہیہ کو دعوت

ہے۔

دنیا میں گناہوں کی وجہ سے ذلت ورسوائی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی اور دوسرے جہان میں جو عتاب ہوگا اس کے پیش نظر ہمارے بزرگ اور پارسا لوگ گناہوں کے بلاوے پر اس طرح ہو جاتے تھے اور ہیں جیسے ان کے جسم میں جان ہی نہیں تھی اور ہے یا اتنے لاغر وکمزور تھے اور ہیں کہ ہلا تک نہیں جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ روزانہ کئی بار آئینہ دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے پوچھا:

''یا حضرت! روزانہ کئی بار شیشہ دیکھنے میں کیا مصلحت ہے''۔

فرمایا:

''اس خوف سے آئینہ دیکھتا ہوں کہ گناہوں کی وجہ سے میرا چہرہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔ بندے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر نوازشات وانعامات کو دیکھے تو اسی قدر اس سے ڈرے اور ادب وتواضع کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھے۔ خود کو اس خلعت ونوازش میں گم نہ کردے بلکہ زاری اور بیچارگی کے ساتھ پیش آئے''۔

(مکتوبات دوصدی' ص ۵۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پہ چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دی۔

(مواخذہ والتبیان' ص ۶۹/ تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۲۱۲/ احمد/ ترمذی/ ابن ماجہ)

جب گناہوں سے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے تو معنوی لحاظ سے چہرہ بھی سیاہ ہو جاتا ہے لیکن جو اولیاء اللہ اور اہل نظر ہیں' انہیں نہ صرف گناہوں کی بدولت لوگوں کے چہرے سیاہ بلکہ مسخ شدہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بچھو کی صفت ڈنگ مارنا ہے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کو ہمیشہ اذیت دیتا رہے تو صفت کے لحاظ سے وہ بچھو ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے گناہوں سے کوسوں دور بھاگنے کے باوجود خائف رہتے ہیں کہ کہیں گناہوں سے ان کا چہرہ سیاہ تو نہیں ہوگیا ہے۔

دوستو! عام زہر جسم پر اثر انداز ہوتا ہے جبکہ گناہ کا زہر قلب میں سرایت کر جاتا ہے اور گناہ جس درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی درجہ کی تاثیر ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کی تباہی و بربادی اور بیماری ومصائب کا دروازہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے کھل جاتا ہے۔ سیر کی کتب گواہ ہیں کہ

☆ حضرت آدم علیہ السلام سے شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کی بھول ہوئی تو خلد بریں سے اس دار محن میں بھیج دیئے گئے۔

☆ ابلیس جو معلم الملکوت تھا اس کی سرکشی نے اسے ملعون ومردود بنا دیا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس نے ساری زمین کے بسنے والوں کو پانی کے ایسے طوفان میں غرق کر دیا جس نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کو بھی نہ چھوڑا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے قوم عاد پر باد صرصر مسلط کر دی گئی اور وہ زمین پر ایسے پڑے تھے جیسے درختوں کے تنے زمین پر گرے پڑے ہوں۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے قوم عاد پر بادلوں کی گرج بھیجی گئی جس کی آواز سے لوگوں کے دل اور شکم شق ہو کر رہ گئے۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے قوم لوط کی آبادیوں کو آسمان کے اس قدر قریب کر دیا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز فرشتے سننے لگ گئے اور پھر اس طرح اس طبقہ کو پلٹ دیا کہ اوپر کو تلے اور تلے کو اوپر کر دیا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے قوم شعیب علیہ السلام پر بادلوں کا عذاب بھیجا گیا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے فرعون کی قوم کو دریا برد کر دیا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے صاحب یٰسین کی قوم کو بجلی کی کڑک سے ہلاک کر دیا گیا۔

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ظالم وجابر لوگوں کو بھیج کر انہیں تباہ وبرباد کرا دیا اور

☆ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے اقوام وملل کو انواع واقسام کے عذابوں میں مبتلا کیا گیا

تھا۔

یہ گناہ تھے (دوائے شافی' ص ۹۶)

قرآن حکیم کی سورۃ اعراف آیت ۱۶۷ میں ہے:

قیامت تک ان لوگوں پر ایسے لوگوں کو اللہ مسلط کرتا رہے گا کہ ان کو برے عذاب کا مزہ چکھاتے رہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قبرص فتح ہوا تو وہاں کے باشندے تباہ حال ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ جگہ جگہ رونے دھونے' آہ وبکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس وقت میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک علیحدہ جگہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں ان کے قریب گیا اور کہا:

''ابوالدرداء (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! آج اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و نصرت' عزت وعظمت بخشی اور آپ رو رہے ہیں''۔

انہوں نے جواب دیا:

''جبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اللہ تیرا بھلا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے آج اس مخلوق کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ یہ لوگ کیسے ذلیل وخوار کر دیئے گئے ہیں۔ کل یہ قوم ایک قہار' زبردست' طاقتور قوم تھی۔ بہت بڑا ملک اس کے قبضہ میں تھا۔ لیکن اس نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی تو آج اس کا حشر تمہارے سامنے ہے''۔ (دوائے شافی' ص ۹۶)

ترمذی کے باب زہد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکل کھڑے ہوں گے جو دین کو فریب کا ذریعہ بنا کر دنیا کمائیں گے۔ لوگوں کو نرمی دکھانے کی غرض سے بکریوں کی نرم کھال پہن لیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی۔ لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کہے گا کیا تم میرے ساتھ دھوکا کرتے ہو یا تم نے میرے خلاف جرات کی۔ میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں ان لوگوں کو ایسے فتنہ اور عذاب میں ڈالوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷)

کہتے ہیں کہ کسی پارسا کو چیتے نے سمندر کے کنارے زخمی کر دیا۔ زخم کسی دوا دارو سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ مدتوں اسی تکلیف میں مبتلا رہا۔ مگر اس کی زبان سے حمد وشکر کے ترانے پھوٹتے رہتے تھے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا:

''شکر کس چیز کا ادا کر رہے ہو''۔

بولا:

''شکر اس بات کا ہے کہ میں بلا میں مبتلا ہوں' کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوں''۔

(گلستان سعدی)

دوستو! دانشمندی کا تو تقاضا یہ ہے کہ جب کبھی گناہ اور بلا میں کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو بغیر کسی حیل وحجت کے بلا کو قبول کر لینے میں ہی عافیت وسلامتی ہے۔

ایک دن صاحب حال بزرگ حضرت فضل شاہ قطب عالم نور والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے مرید حضرت خواجہ محمد یوسف نے عرض کی:

حضور! دعا فرمائیں کہ دنیا سے چلتے پھرتے چلا جاؤں۔ سنا تو انہوں نے توجہ نہ دی۔ مکرر درخواست کی گئی۔

''حضور! اس دعا میں تو کوئی ایسی بات نہیں جو غلط ہو''۔

فرمایا:

''اس میں خواہش ہے''۔

اور حضرت قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی میں خواہش کا لفظ نہیں تھا۔ حضرت خواجہ محمد یوسف پھر عرض گزار ہوئے۔

''حضور! اس دعا میں کیا ایسی بات ہے' حکمت عطا ہو''۔

ارشاد فرمایا:

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سے کبھی کوئی اونچ نیچ سرزد نہیں ہوئی''۔

''ایسا تو ممکن نہیں''۔

حضرت خواجہ محمد یوسف نے کہا تو انہوں نے فرمایا:

''پھر دو چار دن کسی بلا یا مصیبت میں مبتلا رہ کر پاک صاف ہو جانے میں کیا حرج ہے''۔

سنا تو عالم حیرانگی میں مرید خاص نے عرض کی:

''حضور! اور کوئی بات''۔

فرمایا:

''اگر تمہاری بیماری سے تمہاری اولاد اور دوسرے لوگوں کو چند دن تمہاری خدمت کا موقع مل جائے' جس کا بارگاہ خداوندی میں بڑا اجر ہے تو کیا قباحت ہے''۔

بلا یا مصیبت رحمت کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ جس کا عام لوگ ادراک نہیں کرتے لیکن گناہ سے انسان نہ صرف، ناپاک بلکہ مستوجب سزا بھی ٹھہرتا ہے۔ اس لئے بوقت بلا ومصیبت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہئے۔ اس میں یقیناً کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے۔

سورہ النساء' آیت ۱۴۷ میں ہے:

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

سورہ ال عمران آیت ۱۴۵ میں ہے:

اور ہم جلد ہی شکر کرنے والوں کو اجر دیں گے۔

سورہ ابراہیم آیت ۷ میں ہے:

اگر تم شکر کرو گے تو مزید ضرور دوں گا۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

کھانے والا شکر گزار اس روزے دار کی طرح ہے (جو) صبر کرنے والا ہے۔

(مکاشفۃ القلوب' ص ۳۵۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

شکر کرنا نصف ایمان ہے۔

کہتے ہیں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے جس سے بہت سا پانی نکل رہا تھا۔ انہیں بہت حیرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو قوت گویائی عطا فرما دی۔ اس نے کہا:

''جس دن سے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرۃ آیت ۲۴)

اس کا (جہنم) ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

میں تب سے ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ تعالیٰ! اسے آگ سے پناہ دے''۔

رب کریم نے اسے پناہ دے دی۔

ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ ادھر سے گزرے تو وہ پھر اب بھی رو رہا تھا۔ پوچھا:

''اب کیوں رو رہے ہو؟''

اس نے عرض کی:

''وہ خوف کا رونا تھا اور اب شکر و مسرت کا رونا ہے''۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۳۶۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے جس کی وفات قریب تھی۔ فرمایا:

''تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو''۔

اس نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے امید بھی ہے اور گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس مقام میں جب بھی یہ دو باتیں جمع ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے جو امید رکھتا ہے اور جس سے وہ ڈرتا ہے اس سے محفوظ رکھتا ہے''۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۴۴۱)

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے آپ کو عتاب فرماتے اور کہتے۔

''تم باتیں کرتے ہو زاہدین کی اور کام کرتے ہو منافقین کے اور اس کے ساتھ چاہتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ۔ نہیں نہیں۔ جنت کے لئے دوسرے ہی لوگ ہیں اور ان کے وہ اعمال ہیں کہ جو ہم نہیں کرتے ہیں''۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۴۴۵)

شیطان اور خواہشات انسان کے وجود کے اندر مثل خون دوڑتے رہتے ہیں۔ یہ خود کو مختلف روپوں میں بنا سنوار کر خود کو پیش کرتے رہتے ہیں اور انسان کسی نہ کسی مقام پر ان کے دھوکے میں پھنس جاتا ہے۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ابتدائی حاجت یہ تھی کہ ایک کنیز پر عاشق ہو گئے۔ جب صبر و قرار جاتا رہا تو کسی نے مشورہ دیا کہ نیشا پور میں ایک یہودی جادوگر ہے وہ آپ کا کام کر سکتا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور حال دل بیان کیا۔

اس نے کہا:

''آپ چالیس روز عبادت نہ کریں۔ نیک خیالات بھی نہ رکھیں تاکہ میں عمل کروں اور جادو سے آپ کے مقصود تک پہنچاؤں''۔

آپ نے ایسا ہی کیا اور چالیس دن کے بعد یہودی جادوگر کے پاس آئے۔ یہودی نے جو طلسم کیا تو وہ بالکل غیر موثر ثابت ہوا۔ اس نے پوچھا:

''ان چالیس دنوں میں ضرور آپ سے کوئی نہ کوئی نیکی عمل میں آئی ہے''۔

آپ نے کہا:

''ان چالیس دنوں میں ظاہراً تو کوئی نیکی مجھ سے عمل میں نہیں آئی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا ہے کہ میں راستہ میں جا رہا تھا تو میں نے راہ سے ایک پتھر اٹھا کر کنارے پر رکھ دیا تھا تاکہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے''۔

یہودی نے کہا:

''اس خداوند کو آزردہ نہ کرو جس کی نافرمانی تم چالیس دن تک کرو اور وہ اپنی مہربانی سے تیرے پتھر اٹھانے کی ادنیٰ سی تکلیف بھی ضائع نہ کرے''۔

اس بات سے آپ کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ توبہ کی اور اپنا آہنگری کا کام کرنے لگے۔

عبادت و ریاضت، صدقہ و خیرات کے علاوہ فقراء و مساکین اور بیوہ عورتوں کی مدد کرنے لگے اور مقربین الٰہی میں سے ہوئے۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کی ذرہ برابر نیکی کا کتنا بے بہا اجر عطا فرماتا ہے۔ وہ خود سورہ الزلزال آیت ۸ میں ارشاد فرماتا ہے

کہ وہ ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی کا اجر دیتا ہے۔ راستہ سے صرف ایک پتھر ہٹانے کا صلہ یہ عطا فرماتا ہے کہ یہودی کا جادو بے اثر ہو جاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ قدم بقدم، جگہ بہ جگہ نیکیاں بکھری پڑی ہیں۔ ان کی لوٹ سیل لگی ہے لیکن ان کو اکٹھا کرنا یا نہ کرنا حضرت انسان کی صوابدید پر ہے۔

مثلاً:

☆ کسی کمزور یا اندھے کو سڑک پار کرا دینا نیکی ہے۔
☆ راستہ میں کسی جنازہ کو کندھا دے دینا نیکی ہے۔
☆ کسی پیاسے کو پانی پلا دینا نیکی ہے۔
☆ کسی بھوکے کو کھانا کھلا دینا نیکی ہے۔
☆ دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا نیکی ہے۔
☆ کسی کو دھوکا نہ دینا نیکی ہے۔
☆ بڑوں کی عزت کرنا نیکی ہے۔
☆ راستے میں لوگوں کو سلام کرنا نیکی ہے۔
☆ سامان اٹھانے میں کسی کی مدد کرنا نیکی ہے۔
☆ ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا نیکی ہے۔

لیکن ہم ان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور جس طرح گھر سے نکلتے ہیں ویسے ہی لوٹ آتے ہیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ نیکیوں کے بجائے گناہ اکٹھے کر لائے ہوں۔ مثلاً

☆ کسی عورت یا امرد پر نظر شہوت ڈالنا گناہ ہے۔
☆ کسی پر حسد کرنا گناہ ہے۔
☆ کسی فقیر کو دھتکار دینا گناہ ہے۔
☆ کسی پر لعنت بھیجنا گناہ ہے۔
☆ کسی کو گالی دینا گناہ ہے۔
☆ کسی کی کرنا یا غیبت سننا گناہ ہے۔
☆ کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا گناہ ہے۔
☆ کسی سے جھوٹ بولنا گناہ ہے۔

☆ کسی سے جھوٹا وعدہ کرنا گناہ ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''آجکل اللہ تعالیٰ کی رحمت جتنی جوش پر ہے کہ کبھی نہ تھی کیونکہ جب اسلام مخالف ہوائیں زوروں پر ہوں تو توازن برقرار رکھنے کے لئے رحمت خداوندی میں بھی اس سے کئی گناہ فراوانی آجاتی ہے''۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں ایسا موڑ ضرور آتا ہے۔ جب اسے اپنے رب کریم کی طرف لوٹ آنے کا موقع ملتا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے اور فوراً اپنے رخ کو غیر سے ہٹا کر خیر کی طرف کر لینا چاہئے۔ دراصل انسان کو اللہ تعالیٰ موقع ہی اس لئے دیتا ہے کہ دنیا کی گندگی اور گناہوں سے نکلے کیونکہ اس کی رحمت اور جنت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والوں کا انتظار کر رہی ہے۔

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، حدیث ۱۲)

لہٰذا اگر کوئی مسلمان بھائی گناہ کی زندگی بسر کر رہا ہو یا گناہ میں پڑ گیا ہو تو حتی الامکان اس کی رہنمائی و مدد کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں غفلت و تساہل سے کام نہیں لینا چاہئے۔

ایک شخص کو لوگوں نے بتایا:

''تیرا بھائی اور دوست گناہوں میں پڑ گیا ہے لہٰذا اس سے تعلق منقطع کر لو''۔

اس نے کہا:

''اگر یہ بات ہے تو آجکل اسے میری اشد ضرورت ہے۔ اس کا تو کام ہی بگڑا جا رہا ہے۔ اس تباہی کے وقت میں اسے کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھے اس کی پوری مدد کرنی چاہئے تا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے''۔

(نسخۂ کیمیا، ص ۴۱۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے زائل کر دے۔ پس اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے زائل کر دے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اپنے دل سے زائل کر دے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۸/تعلیمات نبویہ ج ۵ ص ۴۹۵)

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ برے لوگوں سے نہیں بلکہ برائی سے نفرت کرنی چاہئے۔ برے لوگوں سے اگر نفرت کی جائے گی تو ان کی اصلاح کا فریضہ ادا نہ ہو سکے گا اور اگر برائی کو برائی نہ سمجھا جائے گا تو برائی کا خود شکار ہو جانے کا خدشہ موجود ہے۔

اس میں قطعاً شک نہیں کہ گناہ گناہ ہے۔ اس کے کئی رنگ اور روپ ہیں۔ اس سے بچنا' بھاگنا اور راہ فرار اختیار کرنا فرض عین ہے۔ اگر کوئی اس سے نہیں بچتا ہے تو اس کا وبال دنیا میں عبرت نشان اور آخرت میں اندوہناک ہوگا۔

ہمارا حال کیا ہے:

☆ کہیں ہم بھی تو معاشرے میں گناہوں کی فصلیں اگا نہیں رہے ہیں۔

☆ ہمارے دوست احباب ایسے تو نہیں جو گناہوں اور برائیوں میں ملوث ہوں۔

☆ ہم نے تو کہیں گناہوں اور برائیوں سے مصالحت نہیں کر رکھی ہے۔

☆ کیا ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل ہیں۔

یہ تمام امور غور طلب ہیں۔ گناہ اور نیکی کرنے کا اختیار انسان کے پاس ہے۔ اگر دنیا و آخرت سنوارنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعشق میں زندگی بسر کرنے کی تڑپ موجود ہے تو پھر گناہ کرنے کے اختیار سے خود کو دستبردار کیے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

خوش بخت و بدبخت لوگ

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی شیطان سے اس کی اصل صورت میں ملاقات ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''اے شیطان! بتا تجھے سب سے زیادہ کس سے محبت ہے اور کون سا شخص زیادہ ناپسند ہے''۔

شیطان بولا:

''مجھے بخیل مومن سے زیادہ محبت ہے اور فاسق سخی مجھے سب سے زیادہ برا لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کو قبول کر لے''۔

پھر شیطان نے جاتے ہوئے کہا:

''اگر آپ حضرت یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں یہ بات نہ بتاتا''۔

(احیاء العلوم الدین ج ۳ ص ۵۷۷)

صاحبو! اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ شخصیت کون ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مسعود میں شہر میں زبردست آگ لگ گئی۔ آدھا شہر جل چکا تھا۔ لوگ پانی اور سرکہ کی مشکیں اس پر ڈالتے تھے لیکن وہ بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''آگ پانی سے نہیں بجھ رہی''۔

فرمایا:

''یہ آگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اور تمہارے بخل کی آگ کا شعلہ ہے۔ اس پر پانی ڈالنا چھوڑ دو' روٹیاں تقسیم کرو' بخل سے توبہ کرو اور خیرات کرو''۔

لوگوں نے عرض کیا:

''ہم تو بہت خیرات کرتے ہیں اور شروع سے ہی سخی ہیں''۔

انہوں نے فرمایا:

''تم خیرات عادت کی وجہ سے کرتے ہو۔ اللہ کے لئے تم نے کبھی ہاتھ نہیں کھولا۔ تم خودنمائی اور شان وشوکت کے اظہار کے لئے ایسا کرتے ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور پرہیز گاری کی وجہ سے''۔ (انوار العلوم ج ا ص ۹۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بخل آگ ہے اور اسے صرف سخاوت کے پانی سے بجھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ نمود ونمائش' خودنمائی اور شوکت نفس کے بجائے خشیت الٰہی اور پرہیز گاری سے کی جائے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سات سو علماء سے دریافت کیا۔

۱- عقلمند کون ہے؟

۲- دولت مند کون ہے؟

۳- دانا کون ہے؟

۴- درویش کس کو کہتے ہیں اور

بخیل کون ہوتا ہے؟

تو سب نے ایک ہی جواب دیا۔

۱- عقلمند وہ ہے جو دنیا کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

۲- دولتمند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے۔

۳- دانا وہ ہے کہ دنیا اس کو فریب نہیں دے سکتی ہے۔

۴- درویش وہ ہے جس کے دل میں زیادتی کی طلب نہیں ہوتی ہے اور

۵- بخیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے مال کا حق ادا نہیں کرتا ہے۔

(اعمال الصالحین' ص ۱۵۰)

اس میں عقلمند' دولت مند' دانا' درویش اور بخیل کی علامات کا ذکر ہے کہ وہ کون ہیں۔ موخر الذکر کے علاوہ چاروں اشخاص کی متذکرہ علامات اس امر کی مقتضی ہیں کہ وہ بخل سے کلیتہً پاک

ہوں لیکن اگر عقلمند شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے تو وہ حقیقتاً بیوقوف ہے۔ اگر دولتمند شخص اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی وخوش نہیں ہے تو وہ کنجوس اور حرص وہویٰ کا پتلہ ہے۔ اگر دانا شخص دنیا کے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ بالیقین نادان اور دنیادار شیطان ہے اور اگر درویش شخص زیادتی کا طلبگار ہے تو وہ بالوثوق بہروپیا ہے اور یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ایسے اشخاص بخل سے مبرا ہوں۔ ان کا تعلق بھی بخیلوں کی برادری سے ہی ہوتا ہے۔

سخاوت اور بخل دو دریا ہیں جو ایک دوسرے کے متوازی بہتے ہیں۔ سخاوت کا دریا اگرچہ ٹھنڈے اور شیریں پانی کا ہے لیکن اس کے اندر اور کناروں پر بہت ہی کم لوگ نظر آتے ہیں۔ یہ خوش بخت لوگ ہیں۔ اس کے برعکس بخل کے دریا کا پانی کھارا اور بدذائقہ ہے لیکن اس کے اندر اور ساحلوں پر لوگوں کا جم غفیر ہے۔ یہ مادہ پرست بدبخت لوگ ہیں۔

سخاوت وبخل کے دونوں دریا جب دنیا کی سرحدیں عبور کر کے آخرت میں داخل ہوں گے تو وہاں سخیوں کی شان اور بخیلوں کا انجام دیدنی ہوگا۔

قرآن حکیم کی سورہ ابراہیم کی آیت ۳۱ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میرے بندوں کو فرمادیجئے کہ نمازیں پڑھتے رہا کریں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے چوری چھپے یا اعلانیہ خرچ کرتے رہا کریں۔ اس دن کے آنے سے پہلے جب نہ کوئی سودا ہو سکے گا نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔

یہ حکم خداوندی ہے کہ اس کی راہ میں سخاوت کرو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

بیشک اللہ تعالیٰ سخاوت فرمانے والا ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ وہ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے اور بداخلاقی کو ناپسند کرتا ہے۔ (احیاء العلوم الدین ج ۳' ص ۱۵۵/ کنز العمال ج ۵)

حضرت ہلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنو عنبر قبیلے کے کچھ قیدی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ البتہ ایک شخص کو الگ کر دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! رب ایک ہے' دین ایک ہے اور ان کا جرم بھی ایک ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ان سے الگ کیوں فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور اس نے کہا: ان سب کو قتل کر دیں لیکن اس ایک کو چھوڑ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سخاوت کا بدلہ دیا ہے''۔

(احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۵۵۱)

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ سامری کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ سخی ہے۔ (کیمیائے سعادت' ص ۷۰۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''بہت سے دین میں نافرمانی کرنے والے جو اپنی معیشت میں تنگی کا شکار ہوتے ہیں لیکن وہ سخاوت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے''۔

(احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۵۵۴)

سخاوت سے سخی بنتا ہے اور وہ ہر حال میں سخی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بڑی شان ہے۔

سورہ رعد آیت ۲۲ میں ارشاد ربانی ہے:

اور جو اپنے پروردگار کی ذات کی طلب میں صبر پر قائم رہتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''سخی کے گناہ سے درگزر کرو کیونکہ جب وہ سخاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ تھامتا ہے''۔ (مجمع الزوائد' ج ۶)

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

''سخی کا کھانا دوا اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''جنت سخی لوگوں کا گھر ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ارشاد عالیہ ہے:

''بیشک سخی اللہ تعالیٰ کے قریب' لوگوں کے قریب اور جنت کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور لوگوں سے دور' جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخیل عالم سے بہتر ہے اور سب سے بڑی بیماری بخل ہے''۔

کہتے ہیں عرب میں ایک شخص سخاوت کے لئے مشہور تھا۔ جب وہ مر گیا تو ایک دن ایک قافلہ سفر سے واپس آ رہا تھا کہ اس کی قبر کے قریب خیمہ زن ہوا۔ تمام اہل قافلہ بھوکے تھے اور بھوکے ہی سو گئے۔ ان میں سے ایک کے پاس اونٹ تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ (اس قبرستان میں وہ) مردہ اس سے پوچھ رہا ہے۔

''کیا تم یہ اونٹ اتنے سکوں کے عوض میرے پاس فروخت کرتے ہو''۔

''ہاں! مجھے منظور ہے''۔

اس نے کہا تو اچھی خاصی رقم کے عوض وہ سودا طے پا گیا۔ تب اس مردے نے اس اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ساتھ ہی اس شخص کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو اونٹ ذبح ہوا پڑا ہے۔ انہوں نے دیگ چڑھائی۔ اونٹ کو پکایا اور سب نے سیر ہو کر کھایا۔ جب واپس روانہ ہوئے تو سامنے سے ایک کاروان آتا دکھائی دیا۔ اس میں وہی اونٹ ایک شخص کے پاس دکھائی دیا۔ اس شخص نے آواز دے کر اس کے مالک سے پوچھا:

''تم نے یہ اونٹ کتنے میں خریدا ہے۔ کیا یہ کسی مردے سے تو نہیں خریدا''۔

اس نے کہا:

''خریدا تو ضرور ہے لیکن خواب میں''

تب اونٹ کے اصل مالک نے خواب کا تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ دوسرے نے کہا:

''دراصل میں ہی وہ خریدار ہوں کہ میں نے بھی اسے خواب میں دیکھا تھا اور یہ اونٹ اس سے خریدا تھا یعنی میں اس کا بیٹا ہوں اور اس نے مجھے کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے تو اس قدر رقم فلاں شخص کو دے دینا کہ یہ اونٹ میں نے اس سے خرید لیا ہے''۔

یہ کہہ کر رقم اس کے حوالے کر دی۔

سخاوت وخیرات کے بارے میں اس سے متعجب وحیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ امرواقعہ ہے کہ بعدازمرگ بھی ان کی یہ خصوصیت زندہ وبرقرار رہتی ہے اور خواب میں بھی ان کے کارہائے خیر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۰۵)

بارگاہ خداوندی میں سخی کا بڑا مقام ومرتبہ ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخی تھے اور آج بھی سب شاہ وگدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کے منگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور صدقہ وخیرات کے مقابل ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر بھی خجل وشرمندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دراقدس سے کبھی بھی کوئی سائل تہی دست ودامن نہیں لوٹتا ہے۔ جس کو جو کچھ بھی ملتا ہے سب اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے ملتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین بھی محتاجوں، حاجتمندوں، مسکینوں، راہ نشینوں، اسیروں، بیواؤں اور تیموں وغیرہ کی دستگیری میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کے صدقہ وخیرات اور جودوسخا کا دریا صبح وشام بہتا رہتا ہے اور لوگ اس سے پیاس بجھاتے رہتے ہیں۔

صدقہ وخیرات کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑی قدرومنزلت ہے۔ اس کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا ارشادات عالیہ ہیں۔ سنیں

☆ صدقہ ضرور دو چاہے وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ درویش کو زندہ رکھتا ہے اور گناہ کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

☆ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جو مال حلال سے صدقہ دے اور اللہ تعالیٰ اس کی پرورش اپنے دست کرم سے ایسے نہ کرے۔ جیسے کہ تم اپنے مویشیوں کی کیا کرتے ہو۔

(کیمیائے سعادت، ص ۲۲۹)

☆ جس کسی نے مسلمان کو کپڑا پہننے کے لئے دیا وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتا ہے جب تک کہ اس کا پہنایا ہوا کپڑا اس مسلمان کے جسم پر رہتا ہے۔

(نسخہ کیمیاء، ص ۲۳۰)

صدقہ وخیرات کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ایک مرتبہ کسی سوالی کو اپنے دروازے سے خالی بھیجتا ہے۔ فرشتے سات دن تک اس کے گھر کے نزدیک نہیں جاتے ہیں''۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۲۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ستر برس تک مصروف عبادت رہا۔ لیکن اس کے بعد ایک ایسا عظیم گناہ اس سے سرزد ہوا کہ اس کی ساری عبادت ضبط ہوگئی مگر ایک روز ایک درویش کا وہاں سے گزر ہوا تو اس شخص نے روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو بخش دیا اور اس کی ستر سالہ عبادت بھی اسے واپس کر دی۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۳۰)

حضرت لقمان نے ایک دن اپنے بیٹے کو وصیت کی:

''اے بیٹا! جب بھی تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ دیا کرو''۔

(کیمیائے سعادت، ص ۲۳۰)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بردہ فروش کو دیکھا جو ایک خوبصورت کنیز کو بیچ رہا تھا اور پوچھا:

''کیا دو درہم میں اسے فروخت کرو گے''۔

بردہ فروش نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا:

''جاؤ، اللہ تعالیٰ (دو درہم چھوڑ) صرف دو حبہ کے عوض یعنی دو حبہ صدقہ کے عوض حورعین کو بیچ دیتا ہے جو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے''۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۳۰)

صدقہ وخیرات وسخاوت کی شرط اول یہ ہے کہ رزق حلال سے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کی جائے لیکن فی زمانہ بجز الاماشاءاللہ اکثر لوگ عادتاً، دکھاوے، خودنمائی اور شوکت نفس کے لئے کرتے ہیں اور اس واہمہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ بڑا نیک کام کر رہے ہیں۔

سورہ النساء آیت ۳۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور وہ لوگ جو مال لوگوں کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، نہ روز آخرت پر اور شیطان جس کا ساتھی بنا تو وہ ہی برا ساتھی ہے۔

مال کی فطرت میں ہے کہ لوگوں کے دلوں میں گھر بنا کر رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے بقول حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مال کو صرف ہاتھ اور جیب میں رکھتے تھے اور ہیں لیکن اسے دل میں گھسنے نہیں دیتے تھے اور ہیں۔ کیونکہ مال جب ہاتھ اور جیب میں ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی ورضا کے لئے فراخدلی سے صدقہ وخیرات کرنے کے لئے ہاتھ کھلے رہتے ہیں۔ انہیں اس کے

خرچ کرنے میں دلی مسرت وطمانیت محسوس ہوتی ہے۔

لیکن وہ لوگ جو مال کو دل میں بٹھا رکھتے ہیں تو بخل ان کے رگ و پے میں مثل خون دوڑنے لگتا ہے۔ صدقہ وخیرات اور نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے میں تنگدل ہوتے اور مٹھی بند رکھتے ہیں۔ کئی مال کے خوف سے پریشان و درماندہ رہتے ہیں۔ اگر کبھی بامر مجبوری انہیں تھوڑا سا خرچ بھی کرنا پڑے تو ان کا دل دکھنے لگتا ہے۔ وہ مال کو گن گن کر جمع کرنے لگتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ ایک دن دار آخرت کو سدھار جاتے ہیں تو مال ان کے ورثا میں بٹ جاتا ہے اور حساب کتاب ان کے گلے پڑ جاتا ہے۔

بخل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

سورہ محمد آیت ۳۸ میں ہے:

یہ تم ہی لوگ ہو کہ تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو تو تم ہی میں سے بخل کرتے ہیں تو جو کوئی بخل کرے گا اپنے آپ سے کرے گا۔

سورہ ال عمران آیت ۱۸۰ میں ہے:

اور جن کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور اس میں بخل کرتے ہیں وہ مت گمان کریں کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے۔ یہ تو ان کے لئے بہت برا ہے۔ یہ بخل والی شے قیامت کے دن ان کی گردنوں کا پھندا بن جائے گی۔

سورہ الحدید آیت ۲۴ میں ہے:

ان لوگوں کا جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل پر آمادہ کرتے ہیں اور جو کوئی روگردانی کرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز خوبیوں سراہا بھی ہے۔

بخل کے بارے میں محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا ارشادات سنیں۔

☆ کسی بندے کے دل میں ایمان اور بخل یکجا نہیں ہو سکتے ہیں۔

(بیہقی' ص ۵۷۳)

☆ سب سے بڑی بیماری بخل ہے۔ لہذا بخیلی سے بچو۔ اس نے تم سے اگلے لوگوں کو تاخت وتاراج کیا۔ اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق وفجور جیسے بدکام نمایاں ہوئے۔ (حضرت انسان' ص ۱۴۴)

کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت کی تعریف کی گئی۔ صحابہ

کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا:

''وہ بہت روزے رکھنے والی اور رات کو قیام کرنے والی ہے لیکن اس میں بخل ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے''۔ (کنز العمال' ج ۱' ص ۵۷۷)

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بخیل کی پہچان یہ ہے۔

☆ اتراتا ہے۔

☆ فرحت محسوس کرتا ہے۔

☆ جب کوئی چیز کھو جاتی ہے تو یاس کرتا ہے۔

☆ جب کوئی چیز ملتی ہے خوش ہوتا ہے' وہ اس کو اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

(حضرت انسان' ۱۴۵)

زہیر عربی شاعر کہتا ہے:

جو مالدار ہو کر بخیلی کرتا ہے لوگ اس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اس کی برائی کرتے ہیں اور وہ برا بن جاتا ہے۔

بخل سے بخیل بنتا ہے اور اس کے بارے میں

حضرت بشر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بخیل لوگوں سے ملاقات مومنوں کے دلوں کو پریشان کرتی ہے۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بخیل کی غیبت کرنا غیبت میں شمار نہیں ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

''تو تم بخیل ہو''۔ (احیاء العلوم' ج ۲' ص ۵۵۴/ کنز العمال' ج ۱' ص ۵۷۷)

کہتے ہیں بصرہ میں ایک بخیل مالدار رہتا تھا۔ اس کے ایک پڑوسی نے اس کی دعوت کی اور اس کے سامنے ہانڈی میں بھنا ہوا گوشت رکھا۔ اس نے اس میں سے بہت زیادہ کھالیا اور

پھر پانی پینے لگا۔ چنانچہ اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ سخت تکلیف اور موت کی حالت میں مبتلا ہو گیا اور پیچ وتاب کھانے لگا۔ جب معاملہ بگڑ گیا تو ڈاکٹر کو اس کی حالت بتائی گئی۔ اس نے کہا:

''کوئی حرج نہیں۔ جو کچھ کھایا ہے اسے قے کردو''۔

اس نے کہا:

''نہ نہ ایسے عمدہ بھنے ہوئے گوشت کو کیسے قے کردوں۔ موت قبول کرلوں گا ایسا نہیں کروں گا''۔ (کنزالعمال ج ۱ ص ۵۷۷)

سخاوت وبخل کے اس آئینہ میں

☆ سخی عقلمند اور بخیل بیوقوف نظر آتا ہے۔

☆ سخی حقیقی دولتمند اور بخیل مصنوعی دولتمند نظر آتا ہے۔

☆ سخی دانا اور بخیل نادان نظر آتا ہے۔

☆ سخی قناعت پسند اور بخیل لالچی نظر آتا ہے۔

☆ سخی دنیا میں رہتے ہوئے الگ تھلگ اور بخیل اس کا دوست نظر آتا ہے۔

☆ سخی راضی برضا اور بخیل اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر شاکی نظر آتا ہے۔

☆ سخی دنیا کے دھوکے سے محفوظ اور بخیل اس میں گرفتار نظر آتا ہے۔

☆ سخی مال کو ہاتھ اور جیب میں اور بخیل اسے دل میں رکھے نظر آتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔

کیا ہم سخی ہیں یا بخیل

محبت دنیا

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شہر سے گزر ہوا جس کے سب رہنے والے مرے پڑے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ لوگ یقیناً قہر الٰہی کا شکار ہوئے ہیں ورنہ قبروں میں مدفون ہوتے''۔

حواریوں نے عرض کیا:

''ہم ان کی موت کا سبب جاننا چاہتے ہیں''۔

چنانچہ رات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور باآواز بلند کہا۔

''اے اہل شہر!''

جواب میں ایک آواز سنائی دی۔

''اے روح اللہ علیہ السلام! رات کو ہم بھلے چنگے سوئے تھے لیکن صبح دم اس شہر کے بجائے اپنے آپ کو دوزخ کی گہرائیوں میں پایا''۔

فرمایا:

''آخر اس کا سبب''

''جواب دینے والے نے عرض کیا:

''اس لیئے کہ ہمیں دنیا سے بے حد محبت تھی۔ اس کی خاطر ہم گنہگاروں کی غلامی کو بھی عار نہیں سمجھتے تھے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''دنیا سے تمہاری دوستی کا کیا انداز تھا''۔

عرض کی:

''ہمارا اس سے پیار اس نوعیت کا تھا جیسے بچے کو اپنی ماں سے ہوا کرتا ہے۔ ہمیں جب دنیا حاصل ہو جاتی تو پھولے نہ سماتے تھے۔ اگر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی تو اداسی و غمگینی سے ہم پژمردہ ہو جاتے تھے''۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''دوسرے کیوں خاموش ہیں اور صرف تم ہی جواب دے رہے ہو''۔

اس نے عرض کیا:

''اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کے منہ میں آگ کی لگام ہے۔ وہ کیا بولیں گے''۔

فرمایا:

''تم کیونکر بول رہے ہو''۔

عرض کیا:

''میں ان کے درمیان ضرور رہتا تھا لیکن ان میں سے نہ تھا۔ مجھے دنیا سے محبت نہیں تھی۔ لیکن جب عذاب آیا تو میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ اب اس وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوں۔ کچھ نہیں جانتا کہ نجات کی کوئی صورت نکل آئیگی یا بالآخر دوزخ کے اندر دھکیل دیا جاؤں گا''۔ (نسخۂ کیمیا، ص ۶۷۴)

ایسا ہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور مبارک میں ملتا ہے۔ ایک دن آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے۔ وہ رو رہا تھا۔ جب آپ واپس آئے تو پھر بھی رو رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

''اے میرے رب! یہ تیرا بندہ تیرے خوف سے رو رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے عمران کے بیٹے! اگر اس کے آنسوؤں کے ساتھ اس کا دماغ بھی بہنا شروع کر دے اور وہ ہاتھوں کو اٹھائے حتیٰ کہ وہ گر جائیں تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا کیونکہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۳۶۵)

صاحبو! یہ دو واقعات دنیا سے محبت کرنے والوں کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

☆ دنیا شیطان کی کھیل گاہ ہے۔

☆ دنیا طمع و حرص کی آماجگاہ ہے۔

☆ دنیا کے میٹھے کانٹوں کا زہر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

☆ دنیا کا محب ایک نہ ایک دن ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

☆ دنیا کا چہرہ خوبصورت اور باطن کریہہ المنظر ہے۔

☆ دنیا کی تہذیبوں کی تباہی میں صرف دنیا کا ہاتھ ہے۔

☆ دنیا جہنم کا صدر دروازہ ہے۔

☆ دنیا کی محبت باعث عذاب الٰہی ہے۔

اس کے باوجود اگر ہم دنیا کی محبت سے خود کو آزاد کرانے میں پس و پیش اور لیت و لعل کا شکار ہیں تو قرآن مجید، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگانِ دین سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

الف: قرآن پاک کہتا ہے:

دنیا سب کی دشمن ہے۔ اللہ کی دشمن اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستوں پر چلنے نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اللہ کے دوستوں کی اس طرح دشمن ہے کہ وہ ان کے سامنے مزین ہوا کرتی ہے۔ اپنی تروتازگی دکھاتی ہے حتیٰ کہ انہیں اس کو چھوڑنے میں صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی اس طرح دشمن ہے کہ مکر و فریب کے ذریعے آہستہ آہستہ ان کو اپنے جال میں پھانس لیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس طرح دنیا ان کو ذلیل و رسوا کر کے پہلے سے زیادہ محتاج کر دیتی ہے۔

دنیا کی مذمت کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی متعدد آیات مبارکہ مخلوق کو دنیا سے دل نہ لگانے اور آخرت کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ مثلاً

☆ سورہ ال عمران آیت ۱۸۵ میں ہے:

اور دنیا کی زندگی تو صرف سامان فریب ہے۔

☆ سورہ انعام آیت ۳۲ میں ہے:

اور دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہی تو ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر بہت ہی اچھا ہے تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

☆ سورہ یونس آیت ۷-۸ میں ہے۔

بلاشبہ جو لوگ ہمارے ہاں حاضر آنے کے خواہاں نہیں ہیں اور دنیوی زندگی پر راضی ہیں اور اسی سے مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

☆ سورہ عنکبوت آیت ۶۴ میں ہے:

اور یہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل تماشا ہے اور اصل حیات تو بے شک آخرت ہی کا گھر ہے کاش انہیں علم ہوتا۔

☆ سورہ النزعت آیت ۳۷ تا ۳۹ میں ہے:

جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

ب: احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتی ہیں:

☆ دنیا سونے والے کا خواب ہے۔

☆ دنیا نجس اور ناپاک ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔

☆ دنیا مکر و فریب ہے۔ بغیر مکر و فریب کے وہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(فضل اللقاء، ص ۹۶/ انیس الواعظین)

☆ دنیا کا چھوڑ دینا تمام عبادتوں کی اصل ہے اور دنیاوی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

(فضل اللقاء، ص ۶۰/ عین العلم/ ابن ماجہ)

☆ دنیا کمان کی طرح ہے۔ اس کے حادثات تیر اور انسان ان کا نشانہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو حتیٰ کہ تم ان سے نجات حاصل کرلو۔ (قرب دیدار، ص ۱۵۰)

☆ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۴، ص ۱۴۵/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۵۴)

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

پ

جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس فنا ہونے والی پر باقی رہنے والی کو ترجیح دو۔ (امام احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۴۱۲/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۵۴)

☆ اس شخص پر تعجب ہے جو آخرت کے گھر کی تصدیق کرتا ہے لیکن دھوکے والے گھر (دنیا) کے لئے کوشش کرتا ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۵۵/ درمنثور، ج ۵، ص ۴۹)

☆ دنیا (کے فتنوں) سے بچو کیونکہ یہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۶۰/ شعب الایمان، ج ۷، ص ۳۲۹)

☆ بروایت حضرت موسیٰ بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا سے بڑھ کر کوئی مخلوق قابل نفرت نہیں اور اس نے جب سے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی طرف نہیں دیکھا۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۵۶/ شعب الایمان، ج ۷، ص ۳۷۵)

☆ اپنے دلوں کو دنیا کے ذکر میں مشغول نہ رکھو۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۴، ص ۴۶۲/ شعب الایمان، ج ۷، ص ۳۶۱)

☆ بروایت حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس دنیا سے کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (تعلیمات نبویہ، ج ۵، ص ۲۲۵/ سنن الترمذی، حدیث ۱۸۸۹)

☆ دنیا ملعون اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے (تعلیمات نبویہ، ج ۵، ص ۳۸۱/ سنن ابن ماجہ، ج ۵، ص ۴۶۵)

ج: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

☆ دنیا کو رب نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں اپنے بندے (غلام) بنا لے گی۔

☆ اے وہ شخص جو دنیا کو اس لئے طلب کرتا ہے کہ نیکی کرے تو تیرا دنیا کو چھوڑنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴، ص ۴۵۶-۴۶۵)

د: بزرگان دین کہتے ہیں۔

بیان حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دین کے راستے میں اگر دنیا حائل ہوتی ہو تو قربان کر دینی چاہیے۔

☆ جس سبب کا نتیجہ دنیا ہو وہ ناقص اور جس کا نتیجہ دین ہو وہ کامل ہے۔

☆ دنیا کی حقیقت دوری اور دین کی حقیقت حضوری ہے۔

☆ دنیا مومن کے ہاتھ میں اور دین اس کے دل میں ہے۔

☆ طالب دنیا مردہ اور طالب دین زندہ ہے۔ (اخص الخواص)

☆ بیان حضرت ابن بسام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دنیا لوگوں کی دشمن اور لوگ اس کے عاشق ہیں۔

بیان حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دنیا کے طالب خسیس اور کمینے ہیں۔

بیان حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دنیا نجس اور ناپاک ہے۔

☆ دنیا کی وجہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور سیاہ دل سے روسیاہی بہتر ہے۔

بیان حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کسی نے آپ سے پوچھا:

”کیا حال ہے“۔

فرمایا:

”ہم دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی دنیا کو بلند کرتے ہیں تو نہ ہمارا دین بچتا ہے اور نہ وہ چیز جسے ہم بلند کرتے ہیں۔ اس بندے کے لئے خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کو ترجیح دیتا ہے جو اس کا رب ہے اور دنیا اس کے حوالے کرتا ہے جو اس کی توقع رکھتا ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴، ص ۳۶۸)

بیان حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جب دل میں آخرت ہوتی ہے تو دنیا آ کر مزاحمت کرتی ہے اور جب دنیا دل میں ہوتی ہے تو آخرت اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ آخرت معزز اور دنیا ذلیل ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۴)

بیان حضرت سیار بن حکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع ہوتی ہیں اور ان میں سے جو غالب آ جائے دوسری اس کے تابع ہو جاتی ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴)

بیان حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تو جس قدر دنیا کے لئے غمگین ہوگا اسی مقدار میں آخرت کی فکر تیرے دل سے نکل جائے گی اور جس قدر آخرت کے لئے غم کھائے گا اسی مقدار میں دنیا تیرے دل سے نکل جائے گی۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴)

بیان حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دنیا کو ہاتھ اور جیب میں تو رکھا جا سکتا ہے، دل میں نہیں۔ دل اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق کا مقام ہے اور اس کی موجودگی میں ہاتھ اور جیب میں رکھی ہوئی دنیا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ باعث خسران یہ اس وقت ہے جب اسے دل میں جگہ دی جائے۔

بیان حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ دنیا کی زیب و زینت ضعیف الایمان لوگوں کا حال ہے۔

☆ انسان کے دنیاوی دوست درحقیقت دشمن ہیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتے ہیں۔

☆ ایک دن دریا کی دلفریب و پرکشش لہروں پر خوبصورت کشتیوں کو چلتے ہوئے دیکھ کر مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی مثال کشتی کی اور دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ پانی اگر کشتی کے اردگرد ہے تو اس کے لئے باعث سلامتی و رحمت ہے اور اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو موجب تباہی ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ جب تک وہ انسان کے اردگرد ہے تو اس کے لئے رحمت ہے اور اگر اس کے دل میں داخل ہو تو دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔

یہ بات سن کر آپ کے ہمرکاب ساتھیوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ عالم تصور میں وہ دیکھتے ہیں کہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو دنیا کو صرف ہاتھ اور جیب میں رکھتے ہیں اور اکثریت نے اسے دل میں نئی نویلی دلہن کی طرح بٹھا رکھا ہے۔ (سنہری دور، ص ۸۷)

دوستو! یہ ہے دنیا جس کے تعاقب میں آج کا انسان شبانہ روز مارا مارا پھرتا ہے اور یہ

بے وفا پھر بھی ہاتھ نہیں آتی ہے اور نادانی میں اپنی عاقبت برباد کر لیتا ہے۔ کیا بہتر نہیں کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے لیکن اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ پھر کیا کیا جائے اس سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کا حل کیا بتاتے ہیں۔

ایک دن حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ دنیا چھوڑ دینے سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا:

''ظلم کو چھوڑ کر رحم اختیار کرنا۔ جھوٹ کو چھوڑ کر سچائی اختیار کر لینا یہ دنیا چھوڑ دینا ہے۔ (اخص الخواص، ص ۹۱)

ایک مرتبہ ایک شاگرد نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا:

''یا حضرت! ترک دنیا کیا ہے''۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''دنیا میں رہتے ہوئے آدمی کو دنیا نظر نہ آئے''۔

شاگرد نے بصد ادب کہا:

''یہ کس طرح ممکن ہے''۔

آپ نے ساعت فرمایا تو مسکرا کر فرمایا:

''جب میں تمہاری عمر کا تھا تو ایسا ہی سوال میں نے اپنے استاد محترم سے کیا تھا۔ انہوں نے کہا:

''جنید! بغداد کے سب سے مشہور بازار میں چلتے ہیں اور پھر ہم اس طرف چل پڑے۔ جیسے ہی ہم بازار کے صدر دروازے میں داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ میں اور میرے شیخ ایک ویرانے میں کھڑے ہیں۔ حد نظر تک ریت کے ٹیلوں اور بگولوں کے سوا کچھ نہیں ہے''۔

میں نے حیرت سے دریافت کیا:

''یا شیخ! یہاں بازار تو نظر ہی نہیں آتا ہے''۔

میرے شیخ نے محبت وشفقت سے اپنا دست مبارک میرے سر پر پھیرا اور فرمایا:

''جنید! یہی ترک دنیا ہے کہ آدمی کو دنیا نظر نہ آئے۔ اون کا لبادہ اوڑھ لینا۔ جو

کی روٹی کھانا اور عالیشان مکانوں سے منہ موڑ کر جنگلوں میں نکل جانا ترک دنیا نہیں ہے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ لذیذ ترین اشیاء بھی کھاؤ تو جو کی روٹی کا ذائقہ ملے۔ اطلس و دیبا وحریر بھی پہنو تو ٹاٹ کا لباس محسوس ہو۔ گنجان بازاروں اور خوبصورت محلات کے درمیان سے بھی گزرو تو بیابان نظر آئیں۔ لیکن جنید یہ سب باتیں پڑھنے اور دوسروں کو سمجھانے سے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئیں گی جب تک تم ترک دنیا کے تجربے سے گزرو گے نہیں۔ آؤ اب چلتے ہیں''۔

پھر جیسے ہی ہم اس ہولناک ویرانے سے گھر کے لئے روانہ ہوئے تو ہم بغداد کے اس بارونق بازار کے صدر دروازے پر کھڑے تھی۔ (سنہری دور، ص ۹۷)

ان اولیاء اللہ کی باتوں سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ

☆ دنیا سے رغبت نہ ہو۔

☆ دنیا کی محبت دامن گیر نہ ہو۔

☆ دنیا کے حصول کے لئے آخرت فروخت نہ کی جائے۔

☆ صرف دنیا کے ہو کر زندگی بسر نہ کی جائے۔

☆ دنیا کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔

☆ دنیا کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مقام دیا ہے اس کو وہیں رکھا جائے۔

اس سے انسان برے اعمال سے بچ جاتا ہے۔

ہمارے دل میں کون آباد ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت یا لیلائے دنیا۔ پہلی صورت میں دنیا مزرع آخرت کا کام دیتی ہے۔ جنت الفردوس کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں آسانیاں مہیا کرتی ہے۔

لیکن دوسری صورت میں انسان دنیا کا غلام بے دام بن کر رہ جاتا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اہل خواہشات کی زنجیریں پاؤں میں پڑ جاتی ہیں۔ نیکی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ذلت ورسوائی ہمرکاب ہو جاتی ہے۔ جہنم کا الاؤ بھڑ کنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو جاتے

ہیں۔

قرائن شاہد ہیں کہ اکثریت کا شمار دوسرے گروہ سے ہے جس کی تمام تر کاوشیں دنیا کے گرد گھومتی ہیں۔ اس گروہ کے لوگ اپنی ذات سے مخلص ہوتے ہیں نہ اپنے اہل وعیال سے۔ نہ دوست واحباب سے۔ نہ قوم وملک سے۔ یہ صرف دنیا کے بیٹے ہوتے ہیں اور اس کے لئے وہ کسی بھی حد کو پھلانگنے سے گریز نہیں کرتے ہیں۔ اپنے ملک وقوم اور ایمان کو بھی فروخت کرنے سے ہچکچاتے نہیں ہیں۔ ان کے وجود سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ان کی زندگی کی زمین پر گناہوں کی فصلیں اگتی ہیں۔

انسان اپنی مرضی سے دنیا میں نہیں آیا لیکن اس نے زندگی اپنی مرضی سے گزارنی ہے اور جب وہ دارآخرت میں جائے گا تو وہاں اس نے اپنے اعمال کے حوالے سے زندگی بسر کرنی ہے۔

اگر کسی نے دوسرے ملک میں مکان تعمیر کرنا ہو تو وہ اس امر کا جائزہ لیتا ہے کہ وہاں کے لوگ اچھے ہوں۔ ماحول خوبصورت ہو۔ ہمسائے عالی ظرف ہوں تاکہ زندگی پرسکون اور خوش وخرم گزرے اور اگر اسے معلوم ہو کہ وہاں مکان بنانے اور رہائش اختیار کرنے سے زندگی اجیرن ہو جائے گی تو وہ مکان وہاں نہیں بناتا ہے۔

ہم نے بھی دنیا میں رہ کر جہان آخرت میں ایک مکان بنانا ہے۔ ایسا مکان جو ہر لحاظ سے آرام دہ اور خوبصورت ہو۔ ماحول بے مثل وخوشگوار ہو۔ قرب وجوار کے لوگ اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں۔ زندگی کی ہر سہولت اور چیز بآسانی دستیاب ہو تو اس کے لئے سامان بصورت اعمال صالحہ اس جہان سے بھیجنا پڑتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی مہر لگی ہو۔ اس سے نہایت دیدہ زیب گھر جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس دنیا سے محبت کرنے والا اور آخرت سے غافل انسان دارآخرت میں گھر تعمیر کرنے کے لئے ناقص سامان بصورت بداعمال جس پر نفس وشیطان کی مہر ثبت ہوتی ہے' روانہ کرتا ہے تو اس سے وہ جہنم میں اپنے لئے مکان بناتا ہے۔

دوستو! اس میں قطعاً شک وشبہ نہیں کہ

☆ گنہگاری کی بنیاد اور فساد وآفات کی چابی دنیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔

☆ دنیا دریا کی مانند ہے اور اس کا پانی زہرآلود ہے۔

☆ دنیا زن فاحشہ وفاجرہ ہے اور دنیا سے محبت کرنے والے اس کے بے حیا شوہر ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ دنیا پرست ہیں یا خدا پرست

☆ دنیا کے بیٹے ہیں یا آخرت کے

☆ دنیا کے طلبگار ہیں یا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

☆ دنیا سے ہمارا ناطہ پیار ومحبت کا ہے یا اس کو مکارہ سمجھ کر اسے منہ نہیں لگاتے۔

دنیا سے محبت کرنے اور اس سے بغض رکھنے کا انجام الم نشرح ہے۔ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔

امین بنو خائن نہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ علیہ السلام نے ایک مردہ شخص کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا:

''تم کون ہو؟''

بولا:

''میں مزدور تھا۔ لوگوں کا بوجھ اٹھا کر لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شخص کا ایندھن اٹھا کر لے گیا۔ راستہ میں اس سے ایک خلال لے کر دانتوں کو خلال کیا۔
جب سے مرا ہوں اس کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے''۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۷۴)

صاحبو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی بیشمار نعمتوں کا امین بنایا ہے اور یہ اس کی صوابدید پر ہے کہ وہ ان کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ اگر تو وہ ان نعمتوں کا فرمان ربی اور تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق حق ادا کرتا ہے تو اس کی دنیاوی زندگی، معاشرت اور معاشرہ سب بہار آشنا ہو جاتے ہیں۔ رب ودود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی سے سرفراز ہوتا ہے اور نیکیوں کے انبار کے ساتھ سفر آخرت پر روانہ ہوتا ہے جہاں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت الفردوس چشم براہ ہوتی ہے اور اگر وہ نفس و شیطان کی پیروی ومعیت وسربراہی میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں خیانت کرتا ہے تو دنیا میں نحوست ورذالت اور رسوائی اس کے ہمرکاب ہو جاتی ہے۔ ناشکری کا طوق پہن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ وہ پاکیزگی جس کے ساتھ اسے دنیا میں بھیجا گیا ہوتا ہے۔ پلیدی و ناپاکی میں بدل جاتی ہے اور جہنم کا ایندھن اکٹھا کر کے اپنے ساتھ دار آخرت کو سدھار جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر انسان کسی ایک نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہے تو یہ ناممکنات

میں سے ہے۔ اس کے لئے لاکھوں، کروڑوں زندگیوں کی پرکاہ کی حیثیت نہیں ہے لیکن انسان اتنا کم ظرف اور بے عقل ہے کہ اسے ان نعمتوں کا احساس تک نہیں ہوتا جن کا اسے امین بنایا گیا ہوتا ہے لیکن جب ان میں سے کوئی ایک نعمت ضائع یا تلف ہو جائے تو پھر اسے ادراک ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی۔

حضرت انسان کے پاس زندگی بذات خود نعمت عظمیٰ ہے۔ لیکن اس کو وہ کن کاموں میں بسر کرتا ہے۔ اعضا بہت بڑی نعمت ہیں۔ ان سے وہ کیا کام لیتا ہے۔ صحت وتندرستی بھی نعمت ہے اس سے کن مصروفیات وامور کے لئے مدد لیتا ہے۔ مال ودولت نعمت ہے مگر یہ کہاں سے آتا اور کہاں کہاں خرچ ہوتا ہے۔ والدین جنت کے دو دروازے ہیں۔ ان کے ساتھ کیسا رویہ اور ان کی خدمت کا معیار کیا ہے۔ اولاد بھی نعمت ہے۔ اگر نہ ہو تو اس کے حصول کے لئے کیسے کیسے پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ والدین کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ اس کی دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے کیا انتظام وانصرام ہے۔ تفقہ فی الدین کے لئے علم بڑی ہی ارفع واعلیٰ نعمت ہے اس کے حصول کے لئے کیا اہتمام کر رکھا ہے۔ منصب بھی امانت ہے اس کے تقاضوں کو کس طرح پورا کیا ہے۔ یہ سب باتیں قابل غور ہیں لیکن آج کے انسان کے پاس فرصت نہیں ہے۔

ان نعمتوں کے علاوہ انسان ایسی چیزوں کا بھی امین ہے جن کو وہ امانت ہی نہیں سمجھتا ہے۔ مثلاً

الف: کرایہ کے مکان میں مالک مکان کی اجازت کے بغیر تصرف قطعاً ناجائز ہے۔

ب: اگر کسی کو کوئی چیز رکھنے اور کہیں پہنچانے کے لئے دے تو یہ بھی امانت ہے اور

ج: کسی کی بتائی ہوئی راز کی بات امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنی ذات سے سوال کرے کہ وہ امین ہے یا خائن تو بجز الا ماشاء اللہ بشرطیکہ ضمیر مردہ نہ ہو گیا ہو تو اسے اندر سے بھی آواز سنائی دے گی۔ ''تم خائن ہو''۔

امانت جو کہ ایمان سے مشتق ہے پاک زندگی کی روح رواں ہے۔ اس کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

جس میں امانتداری نہیں اس کا ایمان نہیں ہے۔

اور بقول حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امانت تمام اعمال دین پر عام ہے۔(دریائے محبت' ص ۳۵۸)

اور اس کی ضد خیانت ہے جو خون سے ہے۔ یعنی نقص اور جو شخص جس چیز میں خیانت کرتا ہے گویا وہ اس میں نقص (کمی) پیدا کر دیتا ہے۔ یہ منفی و قبیح فعل ہے' جس پر نفس و شیطان انسان کو اکساتا رہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں میں زندگی کو خوشرنگ بنانے' خواہشات کی تکمیل اور معاشرے میں عزت و وقار کی زندگی بسر کرنے کے لئے خیانتیں کرے اور خیانت' خیانت ہے خواہ وہ چھوٹی سی چیز کی ہو۔ مزدور نے ایندھن کے گٹھے سے صرف خلال ہی تو لیا تھا جو بظاہر حقیر سے چیز ہے لیکن وہ ایندھن کسی کی امانت تھا لہٰذا اس خیانت پر بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگئی۔

اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ملتا ہے۔

ایک شخص نے مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ عریضہ نویسی کیا کرتا تھا۔ اس نے حروف کو سکھانے کے لئے دیوار سے مٹی لینی چاہی مگر فوراً دل میں خیال آیا۔

''مکان کرایہ کا ہے''۔

بعد ازاں ایک اور خیال ذہن میں آیا۔

''اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے''۔

اور پھر اس نے حروف پر دیوار سے مٹی لے کر ڈال دی۔ اس پر اس نے غیب سے ایک ندا سنی۔

''اتنی سی مٹی کو حقیر جاننے والے کو کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حساب کس قدر لمبا ہے''۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۲۷۷)

بظاہر انسان کی نظر میں الفاظ خشک کرنے کے لئے لی گئی مٹی کی طرح کے واقعات کی قدر و منزلت اور اہمیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو انصاف کرنے والا ہے اس کی بارگاہ میں اس کا بھی مواخذہ ہے لیکن مالک نے مکان رہنے کے لئے دیا تھا جو امانت تھا اور اس کی دیوار کی مٹی کا استعمال بغیر اجازت خیانت تھا۔

اگر انسان اپنی زندگی کا بغور مطالعہ کرے تو اس کے اندر طمع و لالچ انگنت صورتوں میں موجود ہوتی ہے اور جب ان کے ساتھ ''ضرورت'' چمٹ جاتی ہے تو ان میں جان پڑ جاتی ہے۔ یہ ایسا کھلونا ہے جس پر نفس و شیطان اپنا رنگ چڑھا کر اس ضرورت مند کی طرف لڑھکا دیتے

ہیں جس سے وہ کھیلنے لگتا ہے اور خیانت کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ یہ ایسی پھسلنی زمین ہے کہ بڑے سے بڑے پارساؤں کے بھی پاؤں پھسل جاتے ہیں اور جب انسان خیانت کی گھاٹی سے پھسلنا شروع کرتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جب ایمان ہی نہیں رہتا ہے تو انسان کی دنیا و آخرت دونوں لٹ جاتی ہیں۔

خیانت کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چار باتیں جن میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک بات ہوگی اس میں ایک بات نفاق کی ہے تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے۔

وہ چار باتیں یہ ہیں۔

الف: جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

ب: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

ج: جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور

د: جب لڑے تو بے ہودہ گوئی کرے (صحیح بخاری' ج ۱' حدیث ۳۳)

☆ مومن میں ہر عادت ہو سکتی ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔

☆ مکر' دھوکا اور خیانت دوزخ میں جائیں گے۔

☆ جو تمہارے پاس امانت رکھے اسے ادا کرو لیکن جو تم سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کرو۔

خیانت سے معاشرے میں انگنت برائیاں پھیل جاتی ہیں اور اس کا ذمہ دار وہ خائن ہے جو طمع و لالچ میں لپٹی اور نفس و شیطان کے رنگ میں رنگی ہوئی ضرورت کے مچان پر بیٹھا اپنے چاروں طرف بد اعمالیوں کے تیر برساتا رہتا ہے' جس سے لوگ مسلسل زخمی اور حقوق سے محروم ہوتے رہتے ہیں اور جب کبھی خائن کسی مقام پر مدد کا طلبگار ہوتا کہ اپنی ضرورتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے تو اس ہنگام مومن کو اس سے کنارہ کش رہنا چاہئے تاکہ اس کا دامن خائن کے جرم سے آلودہ نہ ہو۔

خائن بظاہر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن درحقیقت وہ بذات خود خیانت کے وبال کا بھاری بھرکم بوجھ اٹھانے میں مصروف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ناپسند فرماتا ہے اور جو اس

کی بارگاہ میں ناپسندیدہ ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

سورہ النساء آیت ۱۰۷ میں ارشاد ربانی ہے:

بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی حب نہیں رکھتا جو تم سے خیانت کرنے کا عادی ہو اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو۔

ہمارا حال کیا ہے۔

☆ ہم اللہ تعالیٰ کی امانتوں کے امین ہیں یا خائن۔

☆ امانتداری جو مطلوب و مقصود ہے' کیا ہمارے اندر موجود ہے۔

☆ خیانت جو مردود ہے' دل کا داغ اور روح کا روگ ہے' ہم تو اس کا شکار نہیں ہیں۔

مقام غور ہے۔ اپنے ضمیر کی عدالت میں خود کو پیش کر کے فیصلہ لے لیں۔

کسب کی فضیلت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا اور دریافت فرمایا:

''کیا کام کرتے ہو؟''

وہ بولا:

''عبادت کرتا ہوں''۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

''کھانا کہاں سے کھاتے ہو''۔

اس نے کہا:

''میرا ایک بھائی ہے جو مجھے کھانا وغیرہ کھلا دیتا ہے''۔

سنا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''تو پھر تمہارا بھائی تم سے زیادہ عبادت گزار ہے''۔ (نسخہ کیمیا ص ۳۳۱)

صاحبو! مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو

از توکل درسبب کاہل مشو

ترجمہ: کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اس کا نکتہ ہم سے سنو اور توکل کی وجہ سے اختیار سبب میں سستی نہ کرو۔

الکاسب حبیب اللہ حدیث نہیں ہے۔ یہ مشہور قول ہے۔ کاسب اسباب الٰہیہ کی حکمت کے مقتضاء پر چل کر حبیب خدا بنتا ہے۔

مشکوۃ شریف میں ہے:

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة

یعنی حلال روزی کے لئے سعی کرنا فرائض عبادت کے بعد فرض ہے۔

(احادیث مثنوی' ص ۱۸)

دین اسلام میں رہبانیت نہیں ہے کہ اپنے اوپر عائد تمام حقوق اور ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر ویرانوں' جنگلوں' پہاڑوں' حجروں یا گھر کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر عبادت کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ سورہ جمعہ' آیت ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے:

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی جستجو کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد رکھا کرو تا کہ تم کامیاب رہو۔

صاحب تفسیر فاضلی حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جب نماز ہو چکے تو زمین پر پھیل جانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا حق ہے۔ اجتماعی مفادات کے حوالے سے جو احساس دلایا ہے' نماز کے بعد اس احساس کے تحت اپنے فرائض کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہئے۔ یہ سب ایمان والے لوگوں کے لئے ضروری ہے اور ایمان والے لوگ ہی فلاح پاتے ہیں۔ (تفسیر فاضلی' ج ۷' ص ۲۰۰)

حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں نے تیرے حکم پر عمل کیا اور تیرے فرض کو پڑھا اور تیرے حکم کے مطابق زمین پر پھیل گیا۔ اب تو اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

حقوق دو طرح کے ہیں:

۱۔ حقوق اللہ اور

۲۔ حقوق العباد

ان دونوں کی طرف سے غفلت برتنے کی اجازت نہیں ہے۔ حقوق اللہ میں اگر کمی بیشی ہو تو وہ اپنی رحمت سے معاف فرما دیتا ہے لیکن حقوق العباد کی عدم ادائیگی قابل مواخذہ ہے تاوقتیکہ جس کی حق تلفی کی ہے وہ معاف نہ کر دے۔

اہل وعیال کے لئے رزق حلال کمانا بھی عبادت ہے اور ان کے لئے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے لئے ماحول کو سازگار بنانا بھی عبادت ہے۔ اس امر کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو دوسروں کا دست نگر بنا کر خود گوشہ نشیں ہو کر صرف عبادت میں مگن رہے۔ یہ اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق خاوند اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مفہوم بڑا وسیع وعریض ہے۔ رفاع عامہ کا کام کرنا بھی عبادت ہے۔ راستے سے پتھر ہٹا دینا بھی عبادت ہے۔ کسی نابینا کو سڑک پار کرا دینا بھی عبادت ہے۔ چلتے پھرتے ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔ عبادت کا اطلاق ہر اس کام پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق خالصتاً ان کی رضا وخوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔

☆ کیا ہم اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کو پس پشت ڈال کر صرف عبادت میں تو نہیں لگے رہتے ہیں۔

☆ کیا ہم اہل وعیال کے لئے رزق حلال کماتے ہیں جو عبادت میں داخل ہے۔

☆ کیا ہم اہل وعیال کے لئے ایسا ماحول مہیا کرتے ہیں کہ تقرب الی اللہ حاصل کر سکیں۔

☆ کیا ہم عبادت کی وجہ سے ان حقوق کی ادائیگی سے صرف نظر تو نہیں کرتے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں ذکر ہے۔

غور کریں۔ ایسا نہ ہو کہ عبادت کے نام پر اہل وعیال اور دیگر حقداروں کے حقوق کی ادائیگی سے راہ فرار اختیار کر رکھی ہو۔ اس طرح حقوق معاف نہیں ہوجاتے ہیں۔
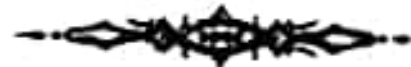
اللہ تعالیٰ دل دیکھتا ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک سارنگی بجانے والا بڑی شان سے رہتا تھا۔ اس کی آواز مجلسوں کو آراستہ کرتی تھی۔ وقت گزرتا رہا اور پھر وہ بڑھاپے کی حدوں میں داخل ہوگیا۔ جسمانی قوتیں جواب دے گئیں، کمر ٹیڑھی ہوگئی، آواز گدھے جیسی ہو گئی اور روٹی کا محتاج ہوگیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے زاری کی کہ میں ساری عمر گناہ کرتا رہا لیکن تیری عطا میں کمی نہ آئی۔ اب میں تیرا مہمان ہوں۔ تیرے لئے سارنگی بجاؤں گا کیونکہ میں تیرا غلام ہوں اور پھر مدینہ کے قبرستان میں جا کر سارنگی بجاتا رہا اور روتا رہا اس امید پر کہ اللہ کریم کھوٹے سکے بھی عمدگی سے قبول کرتا ہے۔ روتے روتے اسے نیند آ گئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نیند طاری کر دی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا اور آواز سنی۔

''میرا ایک محترم بندہ قبرستان میں ہے۔ اس کی ضرورت کو پورا کر۔ بیت المال سے سات سو دینار اس کے لئے لے جا اور اسے کہو کہ جب ختم ہو جائیں تو اور لے جانا''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آواز کی ہیبت سے اٹھے اور قبرستان کی طرف دوڑے لیکن اس بوڑھے کے سوا کسی کو وہاں نہ پایا۔ انہوں نے سوچا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''ہمارا ایک پاک اور بابرکت بندہ ہے اور یہ سارنگی نواز کیسے مقرب ہو سکتا ہے''۔

لہٰذا پھر قبرستان کا چکر لگایا لیکن بوڑھے کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تو ادب سے اس کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھینک آئی تو بوڑھا اٹھ بیٹھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ آپ نے جب اس کے زرد چہرے کو دیکھا تو کہا:

''مجھ سے خوف نہ کھاؤ۔ میں تو تیرے لئے خوشخبری لایا ہوں۔ اللہ نے تمہیں سلام کہا ہے اور تیرا حال پوچھا ہے''۔

چنانچہ اسے رقم دی اور کہا:

''اسے خرچ کرو اور پھر اسی جگہ آ جانا''۔

یہ سنا تو بوڑھا کانپ گیا۔ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ سارنگی کو زمین پر مار کر ریزہ ریزہ کر دیا اور خود سے کہا:

''اے کمبخت! تو ستر سال میرے اور میرے رب کے درمیان پردہ بنی رہی''۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

''اے اللہ! مجھے معاف فرما تو عطا کرنے والا ہے۔ میں نے اپنی ساری عمر ضائع کر دی۔ میں نے اپنی عمر سے انصاف نہیں کیا۔ میں اپنا انصاف اس کے سوا کسی سے حاصل نہیں کر سکوں گا جو میری ذات سے بھی زیادہ میرے قریب ہے۔ اب میری ہستی مجھ سے گم ہو گئی ہے تو میں اسے دیکھ رہا ہوں''۔ اسی طرح رو رو کر وہ اپنے گزشتہ ستر سالوں کے گناہ گن رہا تھا اور مغفرت مانگ رہا تھا''۔

(انوار العلوم ج ۱ ص ۳۹ تا ۵۶)

صاحبو! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہوائیں بصورت طوفان ہر وقت چلتی رہتی ہیں جو اس کے غضب پر غالب ہیں۔ انہوں نے ہر چیز کو اپنے نرغے میں لے رکھا ہوتا ہے۔ جب کوئی شکستہ دل، مظلوم، بے یار و مددگار، مفلوک الحال، کمزور و لاچار، بے نوا اور راندۂ دنیا رجوع الی اللہ ہو کر اس کی رحمت کو آواز دیتا ہے تو وہ لپک کر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس کے کانوں میں لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کا سرمدی نغمہ رس گھولنے لگتا ہے۔ اور طمانیت و سکینہ اس کے قلب و روح میں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔

وہ انسان جو ساری عمر لہو و لعب میں گزارنے کے باوجود جب بھی اپنا رخ رحمتوں والے، محبتوں والے رب کریم کی طرف کر کے آہوں اور آنسوؤں کے درمیان اسے پکارتا ہے تو وہ کہتا ہے:

"اے میرے بندے! مانگ کیا مانگتا ہے، ملے گا"۔

اور جب وہ عافیت و بخشش مانگتا ہے تو اس پر اپنی عطا کے دروازے کھول دیتا ہے۔ رحمتوں کے سحاب اس پر برسنے لگتے ہیں۔ درد و آلام سے نجات مل جاتی ہے اور کھوٹے سے کھرا بن جاتا ہے۔

اس واقعہ کے مرکزی کردار کو صرف سارنگی ہی بجانا آتی تھی۔ اپنے دور عروج میں وہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتا تھا لیکن جب جوانی کے وجود سے لاغری و بڑھاپا باہر آتا ہے۔ خوشنوائی اور لحن داؤدی کی طرح آواز کا جادو ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی اس کی آواز کو سننا پسند نہیں کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کی موجودگی کو اپنی محفل کی زینت تصور کرتے تھے اس کے فن کے زوال پذیر ہوتے ہی اس سے منہ موڑ لیتے ہیں تو اس پر دنیا اور دنیا والوں کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ ان کی محبت دل سے چوروں کی طرح نکل جاتی ہے اور نفسانی خواہشات اپنا گلا خود گھونٹ لیتی ہیں تو اسے صرف ایک دروازہ کھلا نظر آتا ہے۔ درتوبہ جو کلید بخشش ہے تو اس پر بہ عجز و انکساری دستک دیتا ہے، جہاں سے کوئی نامراد نہیں لوٹتا ہے۔

توبہ کیا ہے؟

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الشوریٰ، ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم، ۸)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو ایسی توبہ جو پختہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

☆ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

ابن ماجہ میں ہے۔

☆ اگر تم گناہ کرو اور تمہارے گناہ آسمان کے کناروں تک جا پہنچیں پھر تم (سچے دل سے) توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حاکم کی روایت ہے۔

انسان کی سعادت یہ ہے کہ اس کی عمر طویل ہو اور اللہ تعالیٰ اسے انابت (اللہ کی طرف رجوع اور توفیق عبادت) عطا کرے۔

☆ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم کی روایت ہے اور حاکم نے صحیح بتایا ہے۔

تمام ابنائے آدم گنہگار ہیں اور بہترین گنہگار توبہ کرنے والے ہیں۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۴۴۹)

کہتے ہیں ایک شخص جب بھی گناہ کرتا تو ایک رجسٹر میں لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے گناہ کیا تو سچے دل سے توبہ کر لی اور رجسٹر کھولا تا کہ اس میں وہ گناہ لکھ لے تو وہاں یہ عبادت تحریر تھی۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ (الفرقان، ۷۰)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا گیا (مکاشفۃ القلوب، ص ۴۷)

سچے دل سے توبہ کرنے کا تعلق دل سے ہے۔ اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو لامحالہ دل بھی پاک ہو جاتا ہے۔

پاک صاف دل کیا ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے؟

اس کی وضاحت ایک مثال سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں چینی اور رومی فن نقاشی میں ماہر تھے۔ بادشاہ نے ان کا امتحان لینے کے لئے ایک بڑا کمرہ دیا اور اس کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ چینی طرح طرح کے رنگوں سے دیوار پر نقش و نگار بنانے لگے۔ رومیوں نے کوئی رنگ نہ لیا صرف دیوار کو اچھی طرح صاف کرنے لگے تا کہ آئینہ کی طرح چمکنے لگے۔ جب دونوں گروہ اپنا کام مکمل کر چکے تو بادشاہ آیا۔ اس نے چینیوں کے نقش و نگار دیکھے جو عقل کو دنگ کر رہے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ رومیوں کی طرف آیا اور کمرے کے درمیان سے پردہ ہٹا دیا گیا۔ چینیوں کے بنائے ہوئے نقش و نگار کا عکس جب شیشے کی طرح صاف دیوار پر پڑا تو حیرت بدنداں رہ گیا۔ اس میں جو حسن و نکھار تھا وہ بے مثل تھا۔

(انوار العلوم، ج ۱، ص ۸۵)

دل بھی مثل آئینہ ہے اور اسے آئینے کی طرح ہی صاف و شفاف رہنا چاہئے تا کہ یہ انوار و تجلیات، معرفت الٰہیہ اور محبت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوبصورت و

لافانی نقش ونگار سے منعکس ومزین ہو سکے۔ بصورت دیگر یہ ماسوا، اہل خواہشات، محبت دنیا، اتباع نفس وشیطان، لہو ولعب، گناہوں اور خباثتوں وغیرہ سے داغ، دھبوں اور سیاہیوں سے بدنما بھی بن سکتا ہے۔ اس میں اچھے اور برے عکس کو قبول کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے اور خیر وشر کی دونوں قوتیں اسے اپنی جانب مائل کرنے میں ہمہ وقت سرگرم عمل رہتی ہیں۔ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اور اگر اس میں فساد ہے تو تمام جسم فساد میں مبتلا ہے۔ سن لیں وہ دل ہے''۔

(تعلیمات نبویہ، ج ۴، ص ۳۳/ تاریخ بغداد، ج ۱۰، ص ۳۷۵، رقم الحدیث ۵۵۴۱)

اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ دل کا دماغ کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ وہ دل کے کہنے پر دست تعاون بڑھاتا ہے اور دماغ کے زیر اثر انسانی اعضاء ہیں جو اس کے کہنے کے مطابق حرکت میں آجاتے ہیں۔

بقول حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

''جسم دل کی مملکت ہے اور اس مملکت میں دل کے کئی لشکر ہیں۔ دل کو آخرت کے حصول کے لئے ذریعہ بنایا گیا ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ سعادت کا متلاشی رہے اور اس کی سعادت معرفت الٰہی کا حصول ہے''۔

انسانی جسم میں ظاہری اور باطنی دو طرح کے لشکر ہوتے ہیں۔ ظاہری لشکر ہاتھ، پاؤں اور ہتھیار وغیرہ اور باطنی لشکر غصہ وشہوت (خواہش) وغیرہ ہیں کیونکہ بغیر دیکھے کسی چیز کو طلب کرنا یا دشمن کو دور کرنا ممکن نہ تھا، اس لئے ادراکات کی حاجت لاحق ہوئی۔ ان میں سے بعض ظاہری اور بعض باطنی ہیں۔ ظاہری حواس آنکھ، ناک، کان، لمس اور ذائقہ ہیں اور باطنی قوت تخیل، قوت تفکر، قوت حفظ، قوت تذکر اور قوت توہم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی منزل گاہ دماغ ہے اور ان میں سے ہر قوت کے لئے ایک خاص کام ہے، اور اگر کسی ایک میں خرابی پیدا ہو جائے تو انسان کے سارے کام میں خلل پڑ جاتا ہے اور دین ودنیا سے متعلق اس کا کام خراب ہونے لگتا ہے۔

ظاہر وباطن کے یہ تمام لشکر دل کے زیر فرمان ہیں اور وہ ان سب کا امیر وسلطان ہے۔ جب زبان کو حکم دیتا ہے وہ بولنے لگتی ہے۔ جب ہاتھ کو حکم دیتا ہے وہ (اشیاء کو) پکڑ لیتا ہے۔

پاؤں اس کے حکم سے چلنے لگتے ہیں۔ آنکھ اس کے حکم سے دیکھتی ہے۔ قوت فکر اس کے فرمان کے مطابق سوچتی ہے۔ ان سب کو اس کا یوں فرمانبردار بنا دیا گیا ہے کہ اسی غلامی میں صابر وشاکر بلکہ خوش وخرم رہتے ہیں تاکہ وہ (دل) بھی ان کی خوب نگہداشت کرے اور اپنا زاد راہ حاصل کرے، اپنا شکار پکڑے، تجارت کو بخوبی مکمل کرے اور اپنی سعادت کی تخم ریزی کرے۔ یہ لشکر دل کی اطاعت وفرمانبرداری ایسے ہی کرتے ہیں جیسے کہ فرشتے حق تعالیٰ کی کرتے ہیں اور کبھی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ برضا ورغبت فرمانبردار رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر جسم ایک شہر ہے۔ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء اس شہر کے پیشہ ور ہیں۔ شہوت (خواہشات) کی حیثیت خراج وصول کرنے والے عامل کی ہے۔ غصہ کوتوال شہر ہے۔ دل اس شہر کا بادشاہ اور عقل اس کی وزیر ہے۔ بادشاہ کو ان سب کی ضرورت ہے تاکہ مملکت کا نظام واہتمام ٹھیک رہے۔ اگر بادشاہ ہر کام وزیر عقل کے مشورے سے کرے۔ شہوت اور غضب کو عقل کے زیر فرمان رکھے اور عقل کو ان پر غالب اور مسلط رکھے تو جسم کی مملکت کا کاروبار درست رہتا ہے اور راہ سعادت پر گامزن ہونا اور حضور الٰہی میں پہنچ جانا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر (اس کے برعکس) عقل کو شہوت وغصہ کا غلام بنا ڈالے تو مملکت تباہ وبرباد ہو جاتی ہے اور خود بادشاہ بدبختی کا شکار ہو جاتا ہے۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۷)

سچ تو یہ ہے کہ عقل کو دل کے لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کے لئے شمع وچراغ کا کام دے سکے اور اس کے نور سے جمال خداوندی کو دیکھ سکے کہ یہی دیدار اس کی جنت ہے۔ پس عقل خادم دل ہے اور دل کو نظارۂ جمال الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس جب وہ اس نظارہ میں مشغول ہو جاتا ہے تو بارگاہ الٰہی کا بندہ وخادم بن جاتا ہے اور عالم خاک سے سفر کرتا ہوا مقام علیین تک پہنچ جاتا ہے۔

انسان حق نعمت ادا کرے۔ حق بندگی بجا لائے اور بادشاہ کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھے اور حضور حق کو اپنا قبلہ ومقصود بنائے۔ آخرت کو اپنا وطن تصور کرے اور اسی کو آخری قرارگاہ سمجھے اور اس دنیا کو محض ایک منزل سے زیادہ وقعت نہ دے اور تن سے سواری، ہاتھ پاؤں اور اعضاء سے خادموں، عقل سے وزیر، شہوت سے محافظ مال، غصہ سے کوتوال اور حواس سے جاسوسوں کا کام لے اور ایک کو دوسرے کے احوال معلوم کرنے پر مامور کرے تاکہ سب ایک دوسرے کی خبریں اسے پہنچایا کریں اور قوت خیال کو جو دماغ کے اگلے حصے میں ہے، ان کا افسر مقرر کرے

تاکہ تمام جاسوس خبریں اس کے سامنے جمع کریں اور قوت حافظہ کو جو دماغ کی پچھلی طرف ہے، محافظ اخبار بنائے تاکہ جو اطلاعات اس کو مخبروں سے حاصل ہوں، انہیں محفوظ رکھے اور وقت آنے پر انہیں وزیر عقل کے روبرو پیش کرے اور وزیر تمام خبروں کو جو پوری مملکت سے موصول ہوئی ہوں، پیش نظر رکھتے ہوئے امور سلطنت کی مناسب تدابیر اور بادشاہ کے سفر وحضر کے سلسلے میں موزوں اقدامات عمل میں لائے اور جب دیکھے کہ لشکر میں سے کوئی باغی ہو گیا ہے یعنی شہوت یا غصہ وغیرہ اور بادشاہ کی مخالفت میں قدم اٹھا رہا ہے اور اس کی اطاعت سے باہر ہوا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ مناسب تدبیر عمل میں لاتے ہوئے جدوجہد کرے اور (باغی کو) پھر سے راہ اصلاح پر لے آئے لیکن اسے مار ڈالنے کا ارادہ نہ کرے کہ ان کے بغیر بھی تو مملکت ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتی بلکہ تدبیر یہ کرے کہ (طریقے اور سلیقے سے) انہیں حدود اطاعت میں لے آئے تاکہ وہ سفر جو اسے درپیش ہے اس میں وہ اس کا ساتھ دیتے رہیں نہ کہ اس کے دشمن بن جائیں۔ اس کے رفیق سفر ثابت ہوں نہ کہ راہزن بن بیٹھیں۔ اگر ایسا کرے گا تو سعادت مند ہوگا اور حق نعمت ادا کر سکے گا اور اس خدمت کا صلہ اور انعام بھی اسے وقت آنے پر مل کر رہے گا اور اگر اس کیخلاف کرے گا اور ان ڈاکوؤں اور دشمنوں کی موافقت میں اٹھ کھڑا ہوگا تو کافر نعمت کہلائے گا اور بالآخر اس کی سزا اسے مل کر رہے گی۔ (کیمیائے سعادت، ص ۴۷)

ابتدائے آفرینش میں آدمی کا دل فولاد کی مانند تھا اور اسی فولاد کو اگر آدمی اس طرح رکھے جیسا کہ رکھنا چاہئے تو اسے ایک روشن آئینہ بنا سکتا ہے۔ ایسا آئینہ جس میں بفضل ایزدی

☆ تمام دنیا کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔

☆ معرفت الٰہیہ اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں۔

☆ دنیا کی آلائشوں کو ٹھکانہ نہیں ملتا ہے۔

☆ ماسوا کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔

☆ صرف رب ودود ہی رہتا ہے۔

☆ غیر کا گزر نہیں ہوتا ہے۔

☆ نفسانی خواہشات سر اٹھانے کی جرات نہیں کرتی ہیں۔

☆ نفس وشیطان کے تمام ہتھیار کند ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر اس کی مناسب نگہداشت نہ کی جائے تو آئینہ دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ اسے آئینہ نہیں بنایا جا سکتا جیسا کہ سورہ المطففین، آیت ۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے''۔

دل اور اعمال پر زنگ اس وقت چڑھتا ہے جب نیت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ دراصل بارگاہ خداوندی میں کسی عمل کی مقبولیت و نامقبولیت اور اس پر اجر وعتاب کا سہرا اور انحصار بھی نیت پر ہوتا ہے اس لئے یہ کھوٹے کھرے اعمال کی عظیم کسوٹی ہے۔ کہتے ہیں:

ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا۔ اس نے دل میں کہا:

''اگر یہ ریت غلہ ہوتی تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا''۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہہ دیں:

''اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا ہے اور تیری اچھی نیت کے بدلے میں اس قدر ثواب عطا فرمایا ہے کہ اگر یہ ریت غلہ ہوتی اور تم صدقہ کرتے تو تمہیں جس قدر ثواب ملتا''۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴، ص ۸۱۱)

رضائے الٰہی کے لئے جب کوئی شخص دنیا سے متنفر دل، خلوص نیت اور عجز وانکساری سے بارگاہ خداوندی میں ملتجی ہوتا ہے تو پھر وہ اس کی شکل وصورت اور عمل نہیں دیکھتا ہے، اسے اپنے مقبول بندوں کی صف میں شمار کر لیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو عجز وانکساری اس قدر پسند ہے کہ حد بیان سے باہر ہے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں:

۱۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس نے عاجزی کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے سربلندی سے محروم رکھا ہو۔

۲۔ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے سر پر دو فرشتوں نے لگام نہ تھام رکھی ہو اور جب وہ شخص تواضع کرتا ہے تو وہ فرشتے اس کی لگام اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔

''اے بار الٰہ! اسے سربلندی عطا فرما دے''۔

اور اگر وہ تکبر ونخوت سے کام لیتا ہے تو اس کی لگام کو نیچے کی طرف کھینچ کر کہتے ہیں۔

''اے بار الٰہ! اسے ذلیل و سرنگوں کر دے''۔

۳۔مبارک ہے وہ بندہ حق جو عاجزی کا اظہار کرتا ہے حالانکہ وہ بیچارہ و عاجز نہ ہو۔ لوگوں پر خرچ کرتا ہے' اس مال سے جو اس نے حرام اور گناہ کے ذریعے جمع نہیں کیا ہوتا (بلکہ حلال کی گاڑھے پسینے کی کمائی ہوتی ہے) بے سہاروں پر خرچ کرتا ہے اور علماء اور داناؤں سے میل جول رکھتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

تم لوگ عبادات میں سے افضل ترین عبادت کو بھولے رہتے ہو' جسے عاجزی کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ تو باہر جس کسی کو دیکھے اسے اپنے آپ سے افضل سمجھے۔

حضرت یحییٰ بن خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اہل کرم جب پارسائی اختیار کرتے ہیں تو عاجز بن جاتے ہیں اور کوئی ناقص و کمینہ جب پارسا بنتا ہے تو متکبر و مغرور ہو جاتا ہے۔

(کیمیائے سعادت' ص ۷۸۱-۷۸۳)

سارنگی نواز کا واقعہ منہ بولتا ثبوت ہے کہ جب وہ ماسوا سے پاک دل' خلوص نیت اور عجز و انکساری سے اپنے خالق و مالک کو پکارتا ہے تو اس کی رحمت کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتے ہیں تو خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچانے اور مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور وہ جب اپنے اللہ کریم کی رحمت کو اتنے عروج پر دیکھتا ہے تو سارنگی کو زمین پر مار کر ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور کہتا ہے۔

''اے کمبخت! تو ہی ہے جس نے مجھے ستر سال تک اپنے اللہ تعالیٰ سے دور رکھا ہے''۔

اور سراپا گریہ وزاری بن جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ صمدیت میں چار چیزوں کی بے حد قدر و قیمت ہے اور جس کے

پاس یہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو جاتا ہے۔

الف: ماسوا سے پاک دل

یہ اپنے اندر معرفت الٰہیہ اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات و انوار و کیفیات اور مشاہدات و واردات کو جذب کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

ب: خلوص نیت

یہ عمل کی روح رواں ہے۔اس سے عمل کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

ج: عجز و انکساری

اس سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں' سرمدی عنایتوں' لازوال برکتوں' لافانی محبتوں' دائمی بخششوں اور بے انتہا نعمتوں کے در باز ہو جاتے ہیں۔

د: رضائے الٰہی

ہر قول و فعل پر اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی مہر ثبت کر دیتی ہے۔قرآن و حدیث رہنمائی کرتے ہیں اور خشیت الٰہی صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھتی ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

۱- قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر انسان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے۔کیا ہم اس پر کام دھرتے ہیں یا نہیں۔

۲- کیا ہماری زندگی ستر سالہ سارنگی نواز کی طرح بسر ہو رہی ہے یا اس کے تائب ہونے کے بعد کی زندگی کی طرح دن بیت رہے ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ ہر شخص کا دل دیکھتا ہے۔کیا ہمارا دل ماسوا نفسانی خواہشات اور دنیاوی محبت سے پاک ہے۔

۴- کیا ہمارا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یا نہیں۔

۵- کیا ہم دنیا و آخرت کا کام نیک نیتی سے کرتے ہیں یا نہیں۔

۶- کیا ہم ہر معاملے میں عجز و انکساری سے کام لیتے ہیں یا غرور و نخوت کے طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔

لاریب حال مستقبل کا آئینہ ہے۔اس میں آپ کو اپنا کیسا عکس نظر آتا ہے۔عاقل را اشارہ کافی است۔

اپنا دوست ہوں اپنا دشمن

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''میں نے کسی کے ساتھ نیکی کی ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ بدی کی ہے''۔

بعد میں لوگوں نے عرض کیا:

''یا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ نے جو بات اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ حالانکہ ہم نے لوگوں سے نیکی، بھلائی اور خیر خواہی کرتے دیکھا ہے''۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساعت فرمایا تو تبسم فرمایا اور کہا:

''جب کوئی کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو حقیقتاً وہ اپنے ساتھ نیکی کرتا ہے اور جب کوئی کسی کے ساتھ بدی کرتا ہے تو اصل میں وہ بھی اپنے ساتھ ہی کرتا ہے کیونکہ نیکی کا اسے اجر اور بدی کی اسے سزا ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان خود ہی اپنا دوست اور خود ہی اپنا دشمن ہے''۔ (سنہری دور، ص ۱۰۰)

صاحبو! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متذکرہ زریں قول سراسر مبنی بر حقیقت ہے۔ اگر ہر انسان اس کو سامنے رکھے تو وہ گناہ کا ارتکاب تو دور کی بات ہے اس کے قریب بھی جانے سے لرزاں و ترساں رہتا ہے کیونکہ انسانی نفسیات کا یہی تقاضا ہے کہ وہ خود کو ہر ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھے۔ دوسروں کے ساتھ روا رکھی جانے والی نیکی و بدی دراصل اپنی ذات کے ساتھ کی جاتی ہے لیکن شیطانی تسلط اور محبتِ دنیا نے ہمارے آنکھوں اور عقل پر پردے ڈال رکھے ہوتے ہیں۔

اگر انسان دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتے وقت اپنی ذات کو اس کے مقام پر رکھ لے تو

کبھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے لیکن وہ بے عقل انسان اس معمولی سی بات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے کہ دوسروں کے روپ میں وہ صرف اپنی ذات پر ہی ظلم و زیادتی کر رہا ہوتا ہے اور یہ کوئی ایسا باریک نکتہ نہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آ سکے اور جس دن اس کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا وہ دوسرے پر ظلم و زیادتی کے دروازے بند کر دے گا۔

اگر ہم اپنے شب و روز کا منصفانہ جائزہ لیں تو دوسروں کے ساتھ ہماری زیادتیاں قطار اندر قطار کھڑی نظر آتی ہیں۔

☆ کسی کا حق مارا ہوتا ہے۔
☆ کسی سے بد اخلاقی سے پیش آئے ہوتے ہیں۔
☆ کسی سے جھوٹ بولا ہوتا ہے۔
☆ کسی کو دھوکا دیا ہوتا ہے۔
☆ کسی پر بہتان باندھا ہوتا ہے۔
☆ کسی کی چغلی کھائی ہوتی ہے۔
☆ کسی کی غیبت کی ہوتی ہے۔
☆ کسی سے حسد کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی سے قرض لے کر واپس نہیں کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی کے ساتھ بد کلامی اور گالی گلوچ کی ہوتی ہے۔
☆ کسی کو ہاتھ سے نقصان پہنچایا ہوتا ہے۔
☆ کسی کا مال ناجائز ہڑپ کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی کے جائز کام میں روڑے اٹکائے ہوتے ہیں۔
☆ کسی کی پگڑی اچھالی ہوتی ہے۔
☆ کسی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی کو نیکی سے روکا ہوتا ہے۔
☆ کسی کو گناہ پر آمادہ کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی کی املاک پر زبردستی قبضہ کیا ہوتا ہے۔
☆ کسی کو ناحق قتل کیا ہوتا ہے۔

☆ کسی کی عزت لوٹی ہوتی ہے۔

☆ کسی کو اغوا کیا ہوتا ہے۔

☆ کسی کو دھوکا اور جھانسا دیا ہوتا ہے۔

☆ کسی کی چوری کی ہوتی ہے۔

یہ سب آخرت میں آگ کے شعلے ہیں جو میں دنیا میں بھڑکاتا ہوں۔ لیکن یہ دنیا کی سرحد سے پار آخرت کی سلطنت میں بھڑک رہے ہوتے ہیں اس لئے دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث کے آئینے میں ان کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کو ٹھنڈا کرنے کا جتن نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ اپنی ذات کے ساتھ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح جب ہم کسی کے ساتھ کوئی نیکی کرتے ہیں تو اس کا شکرگزار بھی ہونا چاہیے کیونکہ اس کے طفیل ہمیں نیکی کرنے کا موقعہ میسر آیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی سائل نہ ہوتو صدقہ وخیرات کا اجر کیسے پائیں گے اور اگر کوئی غریب ونادار نہ ہوتو غریب پروری کا ثواب کیسے حاصل کریں گے۔ اسی طرح اگر ہم

☆ حقوق اللہ ادا کرتے ہیں۔

☆ حقوق العباد بجالاتے ہیں۔

☆ غیر شرعی حرکات وسکنات سے باز رہتے ہیں۔

☆ لوگوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔

☆ غرباء ومساکین، یتامیٰ وبیوگان اور معذور افراد کی مدد کرتے ہیں۔

☆ لوگوں کو اپنی ذات سے کسی نوع کی اذیت وتکلیف پہنچانے سے مجتنب رہتے ہیں۔

☆ عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ آسانیاں بہم پہنچاتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کرتے ہیں۔

☆ آخرت پر دنیا کو قربان کردیتے ہیں۔

☆ قرآن وحدیث مبارکہ کی روشنی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆ اولیاء اللہ، بزرگانِ دین اور علماء حق کے قرب ومعیت میں رہتے ہیں۔

☆ اپنے اقوال، احوال واعمال سے مخلوق اللہ کو سکھ پہنچاتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے دوستی ودشمنی رکھتے ہیں۔

تو یہ سب نیکیاں ہیں جو ہم اپنی ذات کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہمارے اعمال میں جس قدر اخلاص، صالحیت، تقویٰ وپرہیزگاری، قرآن وحدیث کا نور اور رب ودود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعشق کا رنگ ہوگا اتنی ہی خوبصورت جنت تعمیر ہوگی۔

ہمارا حال کیا ہے۔

کیا ہم اپنی ذات کے دوست ہیں یا دشمن، اگر ضمیر مردہ نہیں ہوا تو جواب یہی ملے گا۔

''ہم اپنے آپ کے دشمن ہیں''۔

اگر ہم اپنے آپ کے دشمن بن سکتے ہیں تو دوست بھی بن سکتے ہیں۔ کس نے منع کیا ہے..... تو بن جائیں نا۔

چیونٹی کی شفاعت

ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک چیونٹی پر آپ کا پاؤں پڑ گیا۔ وہ زخمی ہو گئی۔ اس کی تکلیف کا اثر آپ کے قلب پر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ درد کی وجہ سے ہاتھ پاؤں پٹک رہی ہے۔ آپ غمگین ہو گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ آپ اس قدر لرزہ براندام ہوئے۔ گویا آپ کے بدن میں طاقت ہی نہیں ہے۔ چیونٹی ہاتھ پاؤں مار کر بل میں چلی گئی۔ لیکن آپ کے دل میں اس کا بڑا دکھ رہا اور پھر آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

رات کے وقت آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ بڑے خشمگیں ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں۔

''اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم سنتے نہیں کہ آج ساتوں آسمان میں تمہارے ظلم وستم کی داستان گونج رہی ہے، جس چیونٹی پر تم نے پاؤں رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی قوم کی سردار اور صدیقان بارگاہ میں سے ایک تھی۔ وہ جس دن سے پیدا ہوئی پل بھر بھی اللہ کی تسبیح وتہلیل سے غافل نہ ہوئی۔ مگر اس وقت کہ تم نے اسے کچل دیا''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانپ اٹھے اور عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب اس کا کیا چارہ ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! گھبراؤ نہیں۔ اس چیونٹی نے اللہ سے تمہاری معذرت

چاہی ہے اور کہا ہے کہ اے پروردگار! تو نے ہر کام میں قصد اور بلا قصد کو معتبر فرمایا ہے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حرکت قصداً نہیں بلکہ بلا قصد سرزد ہوئی ہے۔ اس سے درگزر کر تو ان کو بخش دے۔ چیونٹی کی شفاعت سے تمہاری رہائی ہوئی اور تم پر احسان رکھا۔ جب یہ قصور معاف ہوا۔

اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر وہ تمہاری سفارش نہ کرتی تو بارگاہ خداوندی میں تیری بڑی رسوائی ہوتی''۔

یہ اس لئے ہے کہ اپنے حقوق سے تو چشم پوشی کی جا سکتی ہے لیکن دوستوں کے حق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (مکتوبات صدی، ص ۴۰۷)

صاحبو! یہ واقعہ ہر شخص کے لئے نہایت ہی سبق آموز اور ہوش وخرد کا تقاضا کرتا ہے۔

اس میں تین باتیں خصوصی طور پر نہ صرف توجہ طلب بلکہ عمل کا تقاضا کرتی ہیں۔

الف: کائنات کی ہر شے انسانوں کی خدمت کے لئے وقف ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت اپنے خالق ومالک کی تسبیح وتہلیل اور عبادت میں مصروف رہتی ہے۔ اس لحاظ سے بارگاہ خداوندی میں اس کا خاص مقام ومرتبہ بھی ہوتا ہے جیسے کہ چیونٹی صدیقین میں سے تھی۔

انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کو تو بدرجہ اتم ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رطب اللسان رہنا چاہئے اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں صلوٰۃ وسلام کے خوشرنگ اور مشکبار پھولوں کا تحفہ پیش کرتے رہنا چاہئے۔

بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی معنوں میں امتی بن جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کا ذکر بلند کرتے تھے اور اپنے امتیوں کو تلقین فرماتے تھے۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰایھا الذین اٰمنوا اذکرو اللّٰہ ذکرا کثیرا

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا کرو۔

ذکر کے لغوی معنی یاد کرنے کے ہیں یعنی اللہ کریم کو ہر لحہ یاد کیا جائے اور ذکر عبادتوں کا عطر ہے جس سے قلب انسانی اور تمام اعضاء معطر ہو جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرتے ہیں بہت افضل اور بلند درجہ والے ہیں۔

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی معنوں میں بندہ بن جاتا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور اہل ایمان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ والسلام بھیجنے کے لئے حکم دیا ہے اور وہ عمل سب سے اولیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی رسول بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''میں ایک حصہ درود پاک اور تین ذکر اللہ کرتا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''درود پاک اور زیادہ کرو''۔

عرض کیا:

''اب میں دو حصے درود پاک اور دو حصے ذکر اللہ کروں گا''۔

فرمایا:

''درود پاک اور زیادہ کرو''۔

عرض کیا:

''اب میں تین حصے درود پاک اور ایک حصہ ذکر کروں گا''۔

ارشاد فرمایا:

''اور زیادہ کرو''

تو عرض کیا:

''اب میں سارا وقت درود پاک پڑھا کروں گا''۔

اور جو شخص ذکر اللہ اور درود پاک میں مصروف و مشغول رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین

میں شامل ہو جاتا ہے۔

ب: حضرت انسان کے علاوہ کائنات کی ہر مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں جو بارگاہ خداوندی میں کسی کی سفارش وشفاعت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دوست ہمارے اردگرد کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں لیکن دنیا کے متوالوں اور حرص وآز کے بندوں کو وہ دکھائی نہیں دیتے ہیں۔

ہر انسان اپنے دوستوں کے مذہب پر ہوتا ہے۔ اس کی نشست و برخاست جس قماش کے لوگوں سے ہو اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بذات خود کیسا انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے جو دوست ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی خاطر ان سے ملنے جلنے والوں پر بھی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ ان کی دوستی ایسی ہے جو روز محشر بھی برقرار رہے گی اور باقی سب دوستیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر کسی نے مٹی کا برتن خریدنا ہو تو ٹھونک بجا کر تسلی کرتا ہے کہ ٹوٹا ہوا نہ ہو لیکن کسی کو دوست بناتے وقت اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتا کہ کس کو دوست بنا رہا ہے وہ اس قابل بھی ہے یا نہیں۔

انسانوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق سے بھی ہمارا رویہ مشفقانہ ورحمدلانہ ہونا چاہئے۔ کیا خبر کہ ان میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو اور اس کو ناجائز طور پر دانستہ پہنچائی گئی تکلیف کا خمیازہ بھگتنا پڑ جائے۔

دین اسلام صرف انسانوں پر نہیں جانوروں پر بھی رحم دلی کا سبق دیتا ہے۔ جانور کی پہچان کے لئے اس کے چہرے پر داغ لگانے اور کسی جانور کو اس کے منہ پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر فرات کے ساحل پر ایک بکری بھی بلا سبب مرگئی تو میرے گمان میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ ہی سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا''۔

(خلفائے راشدین نمبر سیارہ ڈائجسٹ' ص ۲۳۶)

ج: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم وزیادتی کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

ظلم کے بارے میں متعدد آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

"میں نے اپنی ذات پر ظلم کرنا حرام ٹھہرایا ہے اور میں نے اس ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"۔

(صحیح ابن حبان' ج ۲' ص ۳۸۵/تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے ظلم کے ساتھ ایک کوڑا مارا' قیامت کے دن اس سے قصاص لیا جائے گا"۔ (مکاشفۃ القلوب' ص ۴۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہی ارشاد مبارک ہے:

"ظلم دراصل قیامت کے اندھیروں میں سے ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سرخاب بھی (گاہے) ظالم کے ظلم کے خوف سے گھونسلے میں مر جاتی ہے (کہ کہیں اس پر عذاب آئے تو سب ہی نہ گھر جائیں)

(مکاشفۃ القلوب' ص ۴۵۸)

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کسی خواہش کی تکمیل کے لئے حق کی متعین حدود سے تجاوز کرنے کا نام ظلم ہے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف رہتے ہیں' ان کا راستہ ظلم کا ہے اور ان کے اعمال سے آگ پیدا ہوتی ہے اور آگ ہی ان کی منتظر ہے۔ (اخص الخواص' ص ۱۹۷)

بعض سلف کا فرمان ہے:

کمزوروں پر ظلم نہ کرو ورنہ تم بدترین طاقتوروں میں سے ہو گے۔

(مکاشفۃ القلوب' ص ۴۵۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب العلم تھے۔ بارگاہ خداوندی میں آپ کا خاص مقام و مرتبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے تھے اور چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے تھی اور اللہ تعالیٰ کے دوست ایک دوسرے کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ ان کی ذات سے چیونٹی کو نادانستہ طور پر تکلیف پہنچی

ہے لیکن اس کے باوجود اس کے دکھ پر آزردہ' ملول اور اشکبار ہو جاتے ہیں اور چیونٹی کو بھی آپ علیہ السلام کی شان و مرتبہ کا علم تھا لہٰذا وہ بارگاہ رب العزت میں ان کی طرف سے معذرت چاہتی ہے اور درگزر کی درخواست کرتی ہے کہ انہوں نے قصداً اسے تکلیف نہیں پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مانتا ہے۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اظہار تاسف اور چیونٹی کی استدعا و شفاعت کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ سرخیل اولیاء اللہ ہیں۔ ہم سب ان کی عظمتوں کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں لیکن جب اپنی ذات دوسرے لوگوں اور جانوروں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں تو ہماری آنکھ میں آنسو تک نہیں آتے ہیں۔

دور حاضر میں بجز الا ماشاء اللہ اکثر لوگ اپنی ذات اور دوسروں پر بہ ہزار رنگ ظلم روا رکھتے ہیں لیکن جانور بھی ان سے محفوظ نہیں ہیں۔ مثلاً

☆ پولٹری کا کاروبار کرنے والے چار چار پانچ پانچ پرندوں کو گردن سے پکڑ کر لٹکا کر ان کے گلے پر چھری پھیر کر ڈرم میں پٹخ دیتے ہیں جہاں وہ تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہیں حالانکہ پرندوں اور جانوروں کو اس طرح ذبح کرنے کا حکم ہے کہ انہیں کم سے کم تکلیف ہو۔

☆ کئی لوگ معصوم پرندوں کو پکڑ کر انہیں سارا دن بھوکا پیاسا سڑکوں پر لئے پھرتے ہیں تاکہ اہل درد لوگ انہیں خرید کر آزاد کر دیں۔

☆ بعض لوگوں نے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پرندوں کو گھر کے پنجروں میں بند کر کے ان کی آزادی کو سلب کر رکھا ہوتا ہے۔

☆ بعض لوگ نشانہ پکا کرنے کے لئے غلیل یا بندوق سے پرندوں کو نشانہ بناتے ہیں جس سے بسا اوقات وہ زخمی ہوتے یا مر جاتے ہیں۔

☆ بعض لوگ بیٹھے ہوئے کتے کو اینٹ یا پتھر اٹھا کر مارتے ہیں جس سے وہ چیختا چلاتا بھاگ جاتا ہے اور بسا اوقات لنگڑا یا زخمی ہو جاتا ہے۔

یہ سب باتیں ظلم کے زمرے میں داخل ہیں لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں جو جانوروں پر ظلم کرنا تو کجا' انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے اور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کسی زمین کو دیکھنے نکلے۔ راستے میں ایک باغ میں اترے۔ آپ نے دیکھا کہ وہاں ایک غلام کام کر رہا ہے۔ جب اس کے پاس اس کا کھانا آیا تو اس وقت ایک کتا بھی باغ میں داخل ہوا اور غلام کے قریب چلا گیا۔ غلام نے ایک روٹی اس کے سامنے ڈال دی۔ اس نے اسے کھا لیا۔ پھر دوسری اور تیسری روٹی بھی اس کو ڈال دی اور وہ کھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو فرمایا:

''اے غلام! تمہیں دن میں کتنا کھانا ملتا ہے''۔

عرض کیا:

''وہی جو آپ نے دیکھا''۔

آپ نے پوچھا:

''تم نے اس کتے کو ترجیح کیوں دی''۔

اس نے کہا:

''اس علاقے میں کتے نہیں ہوتے' کہیں دور سے آیا ہے اور بھوکا تھا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں سیر ہو کر کھاؤں اور یہ بھوکا رہے''۔

آپ نے دریافت فرمایا:

''تم آج کیا کرو گے''۔

اس نے کہا:

''فاقہ کروں گا''۔

اس سے بات عیاں ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان کی اشرف المخلوقیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق پر بھی رحم کھایا کرے اور دست ظلم وزیادتی دراز نہ کرے۔

کتب میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا اور وہ عورت؛ جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا جب بھوکی پیاسی مر گئی تو اسے جہنم کی وعید سنائی گئی۔ دراصل جذبہ رحم ایسی قوت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کرنے سے روکتی ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ جو زمین پر کسی پر رحم نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر اس پر رحم نہیں کھائے گا لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کبھی خیال نہیں آتا کہ ہمسائے میں کوئی بھوکا تو نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جب تم شوربا پکانے لگو تو اس میں پانی زیادہ ڈال لیا کرو۔ پھر اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۵' ص ۶۹/ تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۳۴۶)

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ کیا ہمارا دل بھی کبھی کسی جانور کے کار یا بس کے نیچے آنے پر پسیجا ہے یا نہیں۔

☆ کیا ہم نے اپنے گھروں کے اندر چھوٹے چھوٹے پرندوں کو قید کر کے تو نہیں رکھا ہوا ہے۔

☆ کیا ہم نے کبھی کسی بھوکے کتے یا بلی کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا ہے۔

☆ کیا ہم بے مقصد اور بغیر ضرورت جانوروں کو اذیت دیتے یا پرندوں کو مارتے تو نہیں ہیں۔

☆ کیا ہم نے کبھی پڑوسیوں کا خیال رکھا ہے۔

غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی مخلوق پر ظلم وزیادتی کرنے کے متعلق آخرت میں پوچھ ہوگی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسانوں کے علاوہ جانور اور پرندے بھی ہم سے ان پر ڈھائے گئے مظالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے انصاف طلب کریں کیونکہ وہ دن تو ایسا ہے کہ اگر سینگوں والی بکری نے بے سینگوں والی بکری کو ٹکر ماری ہوگی تو اس کو بھی انصاف ملے گا۔

اللہ تعالیٰ سے شرم کرو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص، جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانتا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا:

''جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور پھر مجھے پیس کر میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا حصہ سمندر میں اس دن اڑا دینا جب تیز ہوا چل رہی ہو''۔

جب وہ شخص مر گیا تو اس کے گھر والوں نے وصیت کے مطابق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا:

''جو کچھ تو نے لیا ہے نکال''۔

چنانچہ وہ شخص بارگاہ خداوندی میں پیش ہوا۔ رب کریم نے اس سے پوچھا:

''جو کچھ تو نے کیا کس لئے کیا''۔

اس نے عرض کی:

''اے اللہ تعالیٰ! تم سے شرماتے ہوئے''۔

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۵۳۷)

صاحبو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو انگنت نعمتوں سے سرفراز فرما رکھا ہے اور ہر نعمت ایسی ہے کہ اگر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے لئے ہزاروں، لاکھوں زندگیاں بھی ناکافی ہیں۔ یہ نعمتیں زندگی، جسمانی اعضاء، اولاد، والدین، نیک بیوی، رزق، تندرستی وتوانائی وغیرہ کی صورت میں عطا فرمائی گئی ہیں۔

جسمانی اعضاء اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ انسان ان سب کو رب کریم کے ذکر میں لگا دے اور جب لگا دیتا ہے تو فاذکرونی اذکرکم کی تفسیر میں قدیم مفسرین فرماتے ہیں:

''جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اطاعت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ تو وہ اسے اپنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ یاد کرتا ہے جب وہ مجاہدہ کے ساتھ یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مشاہدہ کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ جب وہ دعا کے ساتھ یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قبولیت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ جب وہ عاجزی کے ساتھ یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فضل وکرم سے یاد کرتا ہے۔ جب وہ لوگوں کے ہجوم میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ہجوم میں یاد کرتا ہے۔ جب وہ خوشحالی کے وقت یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تکلیف کے وقت یاد کرتا ہے۔ جب وہ راحت میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ رنج کے وقت یاد کرتا ہے۔ جب وہ آسانی کے وقت یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تنگی کے وقت یاد کرتا ہے۔ جب وہ دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ موت کے بعد یاد کرتا ہے۔ جب وہ زندگی میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں یاد کرتا ہے۔ جب وہ عبودیت کے ساتھ یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ربوبیت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ جب وہ صدق واخلاص سے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مزید خصوصی رحمتوں سے یاد کرتا ہے۔ (تفسیر عزیزی، ج ۲، ص ۴۶۰)

لیکن جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے اس کی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے مثلاً اجنبی عورت اور خوبرو بے ریش لڑکے پر نظر ڈالنا جو کہ آنکھ سے متعلق ہے۔ غیبت، چغلی، گالی گلوچ اور جھوٹے افسانے بیان کرنا جو کہ زبان سے متعلق ہے۔ بلاوجہ مار پیٹ اور قتل جو کہ ہاتھ سے متعلق ہے، گانے بجانے والوں سے ساز، لہو لعب کی باتیں اور جھوٹی کہانیاں سننا جو کہ کان سے متعلق ہیں۔ شراب خانہ، فاحشہ عورتوں کے پیچھے اور حکام کے پاس جاسوسی کے لئے جانا پاؤں سے متعلق ہے۔ بدکاری، لواطت جو کہ شرمگاہ سے متعلق ہے اور حرام کھانا جو کہ لبوں، دانتوں، گلے اور معدہ کے ساتھ متعلق ہے۔ علی ہذا القیاس (تفسیر عزیزی، ج ۲، ص ۴۵۷) اور اپنے کئے پر نادم وشرمسار نہیں ہوتا تو اس کے سامنے گناہوں اور برائیوں کی گہری وادیاں منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں جن میں وہ یکے بعد دیگرے گرتا چلا جاتا ہے۔

ہر انسان دنیا میں مسافر ہے اور ایک نہ ایک دن اس نے اپنی مستقل رہائشگاہ آخرت کی

طرف مراجعت کرنی ہے۔لیکن اس کی فراموشی انسان کو لے ڈوبتی ہے۔اس بڑھیا کی یاد ہنوز میرے ذہن میں تازہ ہے جس کا کوئی رشتہ دار سفر سے واپس آیا تو اس کی قوم کے لوگوں نے بہت خوشی منائی لیکن وہ رونے لگی۔لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولی۔

''اس آدمی کی آمد نے مجھے وہ دن یاد دلا دیا ہے جس دن ہم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور وہ پوچھے گا کہ دنیا سے کیا کما کر لائے ہو اور وہاں سے یہاں کیا کچھ بھیجتے رہے ہو''۔

دراصل آخرت کی فراموشی انسان کو گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس نہیں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ شخص؛ جس نے تاحیات کوئی نیکی نہیں کی تھی‘ دم واپسیں اس کے اندر زندگی کی بربادی اور گناہوں کا احساس بیدار ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائے گا۔اگر اس کے بس میں ہوتا تو گزرے ہوئے زندگی کے قیمتی لمحات کو واپس بلا کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں دن رات ایک کر دیتا۔لیکن ایسا ممکن نہ تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری پر شرمندگی سے بچنے کے لئے اس کے ذہن میں جو ترکیب آئی‘ اس کے مطابق اس نے پسماندگان کو وصیت کی کہ اس کے جسم کو جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں بہادی جائے اور آدھی راکھ خشکی پر ہوا میں اڑادی جائے لیکن بارگاہ خداوندی میں گناہوں پر ندامت وشرمندگی بھی توبہ کے زمرہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے اور اس سے ڈرنے والے پسند ہیں۔اس کی رحمت جوش مارتی ہے اور وہ اسے بخش دیتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

دو آدمی مسجد میں آئے۔ان میں سے ایک دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

''میرے جیسے لوگ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے''۔

وہ اللہ تعالیٰ کے پاک گھر کی پاکیزگی کے خیال سے اپنے گناہ آلودہ جسم سے مسجد کے اندر جانے پر شرمندگی محسوس کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین ج ۴‘ ص ۹۲۰)

وہ انسان جو ہر لحظہ اپنے گناہوں اور برے کرتوتوں پر نظر رکھتا ہے وہ ہر مقام پر اپنے اللہ کریم سے شرم محسوس کرتا ہے۔اس کی سوچ کا انداز منفرد و یگانہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ جو دلوں کے

بھید جانتا ہے اس کی یہ شان کریمی ورحیمی ہے کہ اگر کوئی سچے دل سے اپنے گناہوں پر کسی انداز میں بھی شرمندہ و تائب ہو تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔

مسجد کے دروازے پر آ کر رک جانے والے شخص کو اس کے اپنے گناہوں پر شرمندگی کی زنجیر جکڑ لیتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے۔

''مسجد اللہ تعالیٰ کا پاک گھر ہے۔اس میں ایک نماز کا ستائیس گنا اجر ملتا ہے۔اگر جماعت کھڑی ہو تو اس میں شمولیت کے لئے بھاگ کر جانے کی اجازت نہیں تاکہ اس کا تقدس پامال نہ ہو۔لہسن کھا کر یا بدبودار کپڑے پہن کر اس کے اندر جانا منع ہے اور تم گناہوں کی بدبو سے لت پت ہو۔اندر جا کر اس کو ناپاک نہ کرو''۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی گناہوں پر شرمندگی کا یہ انداز بہت بھاتا ہے اور اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔

مسجد کا ادب یہ ہے کہ اس کے اندر فضول باتیں نہ کی جائیں اور اس کے باہر سامنے شور وغل نہ مچایا جائے۔تقسیم ہند سے قبل جب کوئی بارات مسجد کے قریب پہنچتی تھی تو باجے بجانا بند کر دیئے جاتے تھے لیکن بجز الا ماشاء اللہ اکثریت کے دلوں میں مساجد کا کوئی احترام وادب نہیں ہے۔ان کے سامنے کھڑے ہو کر باجے بجائے جاتے ہیں۔شور مچایا جاتا ہے۔آتشبازی کی جاتی ہے اور اگر اندر جماعت کھڑی ہو تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بچے اپنے والدین اور بڑے بوڑھوں کے گستاخ و بے ادب ہو گئے ہیں۔بعض نمازی مسجد میں اس طرح داخل ہوتے ہیں جیسے اس پر احسان کر رہے ہیں کہ وہ اس میں آئے ہیں لیکن ان کے پیٹوں میں حرام کمائی کی غذا‘ ان کی جیبوں میں حرام کمائی کے نوٹ اور ان کے جسموں پر حرام کمائی کا لباس ہوتا ہے۔بعض لوگ زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے اور بعض حرام کی آمدن سے عالیشان مسجد تعمیر کرا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہوں نے جنت میں گھر بنا لیا لیکن ان نادانوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ جنت میں حرام کمائی سے گھر نہیں بنتے ہیں۔

مسجد میں داخل ہونے سے قبل یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ

☆ مسجد کا حق کیا ہے۔

☆ اس کا ادب واحترام کس طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

☆ اس میں داخل کس طرح ہونا چاہئے۔
☆ اس میں بیٹھنے کا کیا طریقہ وسلیقہ ہے۔
☆ لباس کیسا ہے' صاف ہے' حلال کی کمائی کا ہے یا نہیں۔
☆ سر پر ٹوپی ایسی تو نہیں جس کو پہن کر کوئی شخص کسی افسر کے پاس بھی نہیں جا سکتا ہے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔
☆ پیٹوں میں غذا کیسی ہے' حلال کی یا حرام کی۔
☆ حقیقتاً اللہ کی عبادت کے لئے آیا ہوں یا دکھاوے یا ریا کے لئے
☆ مسجد میں برسنے والی رحمتوں کو کس طرح سمیٹا جاتا ہے۔
☆ دل پاک ہے یا نہیں

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

''اس مسجد کو دیکھیں کس قدر خوبصورت ہے''۔

فرمایا:

''اے میری امت! اے میری امت! میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس مسجد کے ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر قائم نہیں چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کو سونے چاندی اور ان پتھروں کی کوئی پرواہ نہیں جو تمہیں تعجب میں ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز اچھے دل ہیں۔ یہ دل اچھے ہوں تو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو آباد رکھتا ہے اور اگر دوسری صورت ہو تو اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے''۔ (احیاء العلوم الدین' ج ۳' ص ۹۲۰)

دراصل اچھے اور پاک دل ہی مسجد کی زینت ہیں۔ یہ دل

☆ ماسوا سے پاک ہوتے ہیں۔
☆ دنیا کی محبت سے پاک ہوتے ہیں۔
☆ نفسانی خواہشات سے پاک ہوتے ہیں اور
☆ رب ودود اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے روشن اور آباد ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حمام میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ایک شخص کو ننگا دیکھا۔ بعض لوگوں نے اس کو فاسق اور بعض نے ملحد کہا۔ آپ نے یہ دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اس شخص نے کہا:

''اے امام! آپ کی آنکھوں کی بینائی کب سے جاتی رہی ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''جس وقت سے تیری حیا جاتی رہی ہے''۔ (اعمال الصالحین' ص ۱۵۱)

حیا صرف عورتوں کا ہی نہیں مردوں کا بھی زیور ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اس لئے اس نے بے حیائی کو حرام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند نہیں ہے''۔

(صحیح بخاری' ج ۳' حدیث ۲۲۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کنواری لڑکی اپنے پردہ میں بھی اتنی شرمیلی اور حیادار نہیں ہوتی جتنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحیا اور شرمیلے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ' ج ۲' ص ۶۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یکے بعد دیگرے تشریف لائے اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں زانو مبارک ڈھک لئے۔ ان حضرات کے جانے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اس شخص (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کیوں حیا نہ کروں جس سے ملائکہ حیا کرتے ہیں''۔ (طبرانی/ حیاۃ الصحابہ' ج ۲' ص ۶۵۴)

ہر جمعۃ المبارک کے خطبہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیا اور ایمان کا ذکر ہوتا ہے۔

بعض لوگ اپنی بے حیائی کے کاموں کا بڑی دیدہ دلیری اور فخر سے اظہار کرتے ہیں۔ انہیں بے حیائی، بے حیائی نظر نہیں آتی ہے اور وہ بے حیائی سے نفرت کرنے والوں کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔

متذکرہ واقعہ میں مذکور بے حیا کو اپنی بے حیائی پر اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے اور نہ اس بات کا خیال کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مخاطب ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔

فی زمانہ بے حیائی کا کلچر اہل مغرب کا طرہ امتیاز ہے۔ وہاں کے مردوں اور عورتوں کی نظر میں ستر پوشی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ سڑکوں، پارکوں اور ساحل سمندر پر بے حیائی کی بھی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور دلدادگان مغرب مغربی کلچر کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی ممالک میں بھی فروغ دے رہے ہیں۔ بعض ممالک میں تو عورت کے لئے پردہ کرنا اور سکارف استعمال کرنا قانوناً منع کر دیا گیا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں شرف رہنمائی رکھتا ہے لیکن صد افسوس اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت، مغربی تہذیب و تمدن سے احمقانہ حد تک لگاؤ، عیش پسندی کی طرف میلان طبع اور مال و زر کی ہوس فراوانی نے متعدد مسلمان مردوں اور عورتوں کے اندر مغربی اخلاق باختگی، برہنگی اور بے حیائی کے بیج بو دیئے ہیں۔ اس کے مناظر بعض پوش علاقوں میں نظر آتے ہیں اور وہ علاقہ کسی مغربی ملک کا حصہ معلوم دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جہنمیوں کی دو ایسی قسمیں ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں۔ دوسری وہ عورتیں ہیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں ہوں گی۔ وہ راہ حق سے ہٹانے والی اور خود بھی ہٹی ہوئی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل ہوں گی نہ جنت کی خوشبو پائیں گی اور جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہے۔

(صحیح مسلم، ج۲، ص۴۸۷)

ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا اور ہے کہ اگر اچانک کسی غیر محرم عورت یا بے ستر مرد پر نظر پڑ

جاتی تھی اور ہے تو فوراً اپنا چہرہ اس طرف سے پھیر لیتے تھے یا ہیں۔ لیکن بے حیا عورت اور مرد ان پر طنزاً مسکراتے اور فقرہ کستے ہیں۔

اگر غور سے سنا جائے تو آج کے گناہوں اور برائیوں سے بھرپور معاشرے میں ہر طرف سے یہ آواز آتی سنائی دیتی ہے:

"اے لوگو! اللہ سے شرم کرو"۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ کیا ہمارے اندر شرم و حیا ہے۔
☆ کیا ہم اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم بے حیائی کے کاموں میں ملوث یا اس میں دلچسپی تو نہیں لیتے ہیں۔
☆ کیا ہم کسی بے حیائی اور گناہوں کو ناپسند کرنے والے کا مذاق تو نہیں اڑاتے ہیں۔
☆ کیا ہماری دوستی بے حیاؤں اور گناہوں کی طرف بلانے والوں سے تو نہیں ہے۔

اچھی طرح سوچ لیں۔

عفوودرگزر

کسی شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا دُکھ پہنچایا اور بہت ستایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے حق میں فرمایا:

"اے اللہ! اس شخص کو صحت اور عمر دراز عطا فرما اور دنیا کا بہت مال و دولت اسے نصیب کر"۔

یہ دعا ان کے نزدیک بدترین بددعا تھی کیونکہ جب یہ سب کچھ حاصل ہوگا تو لامحالہ غرور و نخوت اور تساہل و تغافل اسے فکر آخرت سے غافل رکھیں گے اور یہی ہلاکت کا اصل سامان ہے۔ (نسخہ کیمیا، ص ۶۸۸)

صاحبو! ہر انسان بارگاہ خداوندی کا منگتا ہے اور منگتے کو اپنے خالق اور مالک سے مانگتے ہوئے عار محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اس سے

ہر وقت مانگنا چاہئے۔

ہر چیز مانگنی چاہئے۔

یقین کے ساتھ مانگنی چاہئے۔

عجز و انکساری کے ساتھ مانگنی چاہئے۔

رورو کر مانگنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ دست سوال دراز کرنے والے منگتے کو خالی ہاتھ لوٹا دے۔

کیا اس کے علاوہ اور کوئی دروازہ ہے جس پر بھیک مانگنے کے لئے دستک دی جاسکتی ہے یا ندا دی جاسکتی ہے۔ عطا کرنے والا معطی مطلق ہے۔ قاضی الحاجات ہے۔ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنے منگتے کو

کب دینا ہے۔

کتنا دینا ہے یا

نہیں دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بہتر منگتے کا کوئی اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا منگتے کی اسی میں بہتری ہے کہ وہ ہر حال میں راضی برضا رہے اور اسی کے در پر بیٹھا مانگتا رہے۔

بعض لوگ دنیا مانگتے ہیں، بعض عقبیٰ مانگتے ہیں اور محبت والے اللہ تعالیٰ سے صرف اسے ہی مانگتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ

دنیا کے طالب مخنث ہیں

عقبیٰ کے طالب مؤنث ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے طالب مرد ہیں

ہم کیا ہیں؟

ہر کوئی اپنے بارے میں بخوبی جانتا ہے۔

کیا کوئی مخنث بننا پسند کرتا ہے؟

نہیں

کیا کوئی مؤنث بننا پسند کرتا ہے؟

نہیں

تو پھر مرد بننا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا طالب بننا چاہئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ کے طلبگار تھے۔ مرد تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ عاشقان صادق و باصفا تھے۔ وہ اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر قولاً اور عملاً گامزن رہنے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے راضی رہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد تھا کہ اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر اذیت و تکلیف پہنچائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح صبر و برداشت کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ لیکن اہل طائف کو بددعا دی اور نہ ہی پہاڑوں کے فرشتے کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا کہ اجازت ہو تو اہل طائف کو پہاڑوں کے نیچے غرق کردوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں اپنے ستانے والے سے باوجود قوت کے انتقام نہیں لیا تھا۔ عفو و درگزر سے کام لیا تھا۔

عفو کا معنی ہے کہ کسی کے ذمہ حق ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ یہ بڑی عالی ظرفی اور حوصلہ مندی کا کام ہے۔ اوصاف حمیدہ میں سے ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سورہ البقرۃ آیت ۲۳۷ میں ہے۔

اور معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

سورہ اعراف آیت ۱۹۹ میں ہے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عفو و درگزر اختیار کریں۔ نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔

ارشادات رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں:

☆ تین باتیں ایسی ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں قسم کھاتا تو ان پر کھاتا کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا لہٰذا صدقہ کیا کرو اور کوئی شخص کسی دوسرے کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے رضا جوئی کے لئے معاف کر دے تو اس سے قیامت کے دن اس کی عزت میں اضافہ ہوگا اور جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھولتا ہے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۱۹۳)

☆ تواضع بندے کی رفعت و بلندی میں اضافہ کرتی ہے لہٰذا تواضع کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں رفعت عطا فرمائے گا۔ درگزر کرنا بندے کی عزت کو بڑھاتا ہے۔ پس درگزر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری عزت کو بڑھائے گا اور صدقہ مال کو بڑھاتا ہے۔ پس صدقہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ (کنز العمال، ج ۳، ص ۱۱۲)

☆ بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو اٹھائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک منادی تین آوازیں لگائے گا کہ اے توحید پر قائم رہنے والو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا لہٰذا تم بھی ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو۔

(کنز العمال، ج ۱، ص ۸۷/ احیاء العلوم دین، ج ۳، ص ۴۰۷-۴۰۹)

☆ بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
جس نے ظالم کیخلاف بددعا کی اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔

(درالمنثور، ج ۶، ص ۱۱/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۰۸)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:
میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا جب تک اللہ تعالیٰ کے محارم کو نہ توڑا جاتا اور جب محارم خداوندی کو توڑا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ غصہ آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے آسان بات کو اختیار کیا۔ جب تک اس میں گناہ نہ ہوتا۔

(التمہید لابن شہاب، ج ۸، ص ۱۲۸/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۰۸)

حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو مجھے یاد نہیں، میں نے جلدی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا پھر فرمایا:
اے عقبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں تمہیں دنیا اور آخرت والوں کے افضل اخلاق نہ بتاؤں جو تم سے قطع تعلق کرے۔ اس سے تعلق جوڑو، جو تمہیں نہ دے اسے دو اور جو تم پر زیادتی کرے اسے معاف کر دو (شعب الایمان، ج ۶، ص ۲۲۲/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۰۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:
''اے میرے رب! تیرا کون سا بندہ تیرے نزدیک زیادہ معزز ہے''۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''وہ جو بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کر دے''۔

(درالمنثور، ج ۶، ص ۱۱/ احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۴۰۸)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رحماء بینھم کا پیکر تھے۔ اگر کوئی زیادتی کرتا تو معاف کر دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شخص ستایا کرتا تھا۔ آپ نے اس کے لئے طوالت عمر، فراخی رزق اور صحت کی دعا فرمائی۔ اکثر لوگ یہ دعا ایک دوسرے کے لئے کرتے رہتے ہیں لیکن یہ دو دھاری تلوار سے کم نہیں ہے۔ اگر یہ دعا رب العزت قبول

فرمالے تو نیک و پارسا اور متقی و پرہیزگار شخص کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کی بدولت وہ ڈھیروں نیکیاں اور توشہ آخرت اکٹھا کرنے لگتا ہے۔ طویل عمر تک وہ اپنے مال سے صدقہ و خیرات کرتا رہتا ہے۔ حج، عمرہ اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔ صحت وتندرستی سے عبادت و ریاضت اور نیک کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین وارشادات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور انہیں راضی وخوش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا ہے اور اگر یہ دعا کسی مادہ پرست، دنیا کے بیٹے اور نفس و شیطان کے غلام کے حق میں قبول ہو جائے تو وہ لمبی عمر تک گناہوں، بداعمالیوں اور فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات وارشادات کیخلاف زندگی بسر کرتا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر دولت اکٹھی کرنے میں شبانہ روز مصروف رہتا ہے۔ حقوق اللہ سے غفلت برتتا اور حقوق العباد کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ غرور ونخوت کے رتھ پر سوار ہو کر لوگوں کی عزتوں سے کھیلتا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیتا ہے۔ حرص وہویٰ وہوس کا شکار ہو کر لوگوں پر ظلم وزیادتی کے در باز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی مول لیتا رہتا ہے۔

زمانہ حال ایسی کسوٹی ہے جس پر ہر شخص اپنے ماضی اور مستقبل کو پرکھ سکتا ہے۔ وہ اس امر کا بخوبی ادراک کر سکتا ہے کہ ماضی میں اس کی صحت کیسی تھی۔ مالی حیثیت کیا تھی اور عمر کیسے گزری ہے اور اس کا حال کیسا ہے۔ اگر ماضی خلاف حق گزرا ہے اور حال بھی اسی ڈگر پر ہے تو مستقبل اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہ دائمی تباہی وہلاکت کی علامت ہے۔ اگر ماضی کے مقابل حال حق کے مطابق گزر رہا ہے تو مقام شکر ہے۔ یہ ہمیشگی کی راحتوں کی دلیل ہے کیونکہ رب کریم اپنی رحمتوں سے اس کے ماضی کی نفی کر دیتا ہے اور اگر ماضی حق کے مطابق تھا اور حال خلاف حق ہے تو انتہائی خطرناک معاملہ ہے۔ فوری سنبھلنے اور رخ بدلنے کی ضرورت ہے۔

ہر انسان رب ذوالجلال والاکرام سے اپنے اور دوسروں کے لئے دعا مانگتا ہے۔ دعا مانگتے وقت سوچنا چاہئے کہ اس کا حال کیا ہے اور وہ کیا مانگ رہا ہے۔

اگر اپنے گردو پیش میں پھیلے ہوئے حالات حاضرہ کا جائزہ لیں تو معاشرے کے خدوخال جو نظر آتے ہیں وہ بڑے بھیانک اور ہوشربا ہیں۔ مثلاً:

☆ ہر سطح پر جھوٹ، مکروفریب اور دھوکا دہی کی حکمرانی ہے۔

☆ زبانیں چغلی، بہتان، غیبت اور منافقت سے آلودہ ہیں۔
☆ غرور اور تکبر اور انا ونخوت کی فصلیں لہلہا رہی ہیں۔
☆ حرام کمائی کے بلند و بالا ایوان اور صدر دروازے کھلے ہیں۔
☆ ایمان فروشی کے بازار لگے ہوئے ہیں۔
☆ فسق وفجور کی دکانیں سجی ہوئی ہیں۔
☆ جبہ ودستار کی آڑ میں گمراہی کا درس دیا جاتا ہے۔
☆ برائیاں اور فحاشیاں سرعام رقصاں ہیں۔
☆ ہوس زر کی آکاس بیلیں بجز الاماشاءاللہ سب سے چمٹی ہوئی ہیں۔
☆ علماء حق اور اولیاء کے آستانے اور ذکر کی محافل بے رونق ہیں۔
☆ مساجد کے بلند و بالا میناروں پر کثیر نمازیوں کی راہ تکتے تکتے اداسیاں چھائی ہوئی ہیں۔
☆ لوٹ کھسوٹ کی ہر سومنڈیاں لگی ہوئی ہیں۔
☆ مادہ پرستی کے عفریت ہر سو قابض ہیں۔
☆ شعار اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔
☆ قرآن وحدیث مبارکہ کی تعلیمات سے بیگانگی کے پرچم لہرا رہے ہیں۔
☆ نفسانی خواہشات نے ہر دل میں بسیرا کر رکھا ہے۔
☆ حرص وہویٰ اور طمع ولالچ کے جنگل میں ہر شخص بھٹک رہا ہے۔
☆ حقوق العباد کی پامالی کے ہزاروں مذبح خانے ہیں۔
☆ نفسانفسی کا عالم ہے۔
☆ انصاف عدم دستیاب ہے۔
☆ چور اور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں۔
☆ منشیات کی سوداگری ہوتی ہے۔
☆ علماء سوء اور جعلی پیروں کی چاندی ہے۔
☆ حکمرانوں اور افسروں کی نااہلی لوگوں پر عذاب کی صورت میں نازل ہو رہی ہے۔
☆ عفوو برداشت ودرگزر کو دیس نکالا دے دیا گیا ہے۔

ایک دن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عرض کی:

''یا حضرت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کیسے تھے؟''۔

آپ نے فرمایا:

''اگر وہ تم لوگوں کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ سب کے سب مجسم شیطان ہیں۔ اور اگر تم ان کو دیکھ پاتے تو کہتے یہ سب دیوانے ہیں''۔ (مکتوبات دو صدی' ص ۵۳۱۴۶۷)

یہ صدیوں پرانی بات ہے۔ اور اگر آج کے دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہوں تو وہ ہمارے بارے میں کن خیالات کا اظہار فرمائیں گے' یہ سوچ کر جسم پر لرزی طاری ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے چراغ تھے جن سے چراغ روشن ہونے کا سلسلہ جاری ہوا تو وہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان کی صحبت وقرب و معیت سے جو چراغ روشن ہوئے ان کا نام تابعین تھا۔ ان سے روشن ہونیوالے چراغ تبع تابعین کہلاتے تھے۔ ان سے روشنی حاصل کرنے والے اولیاء اللہ اور بزرگان تھے اور ہیں اور آئندہ موجود رہیں گے۔ ان کے اندر بھی وہی صفات جلوہ گری کرتی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشن ہونے والے چراغوں میں تھیں۔ عفو و درگزر بھی ان کا شیوہ تھا اور ہے۔ کتب میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے ان کے عفو و درگزر کی صفت انتہائی بلندیوں پر نظر آتی ہے۔ مثلاً:

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنگل کی طرف نکل گئے۔ راستے میں انہیں ایک فوجی ملا اور پوچھا: ''آبادی کس طرف ہے؟''۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ جانے اس وقت کس کیفیت میں تھے۔ جواباً انہوں نے قبرستان کی طرف اشارہ کر دیا۔ فوجی نے سمجھا کہ شاید انہوں نے مذاق کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے سر پر کوئی ایسی چیز ماری کہ زخمی کر دیا جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی۔

سپاہی آگے چلا گیا۔ راستے میں اسے کسی نے بتایا کہ جس شخص کو تم زخمی کر کے آئے ہو وہ خراسان کا بہت بڑا بزرگ ہے۔ سپاہی نے سنا تو پریشان ہو گیا۔ لہٰذا معافی مانگنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''جب تم نے مجھے مارا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ تمہیں جنت عطا

فرمائے''۔

فوجی سپاہی نے عرض کی:

''کیوں''

آپ نے فرمایا:

''تم نے جو مجھے تکلیف پہنچائی ہے' اللہ تعالیٰ مجھے اس پر اجر دے گا۔ لہٰذا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری وجہ سے مجھے نیکی ملے اور میری وجہ سے تمہیں شر''۔

(رسالہ قشیریہ' ص ۴۶۲)

ایک رات حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گورستان سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں بسطام کا ایک شریف زادہ ملا جو بربط بجا رہا تھا۔ آپ نے اس کے قریب آنے پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہا۔ اس نوجوان نے سنا تو بربط آپ کے سر پر مارا جس سے وہ ٹوٹ گیا اور آپ کے سر پر چوٹ لگی۔

جب صبح ہوئی تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بربط کی قیمت اور ایک طباق میں حلوہ اس نوجوان کے پاس بھیج دیا اور خادم کی زبانی عذر بھی کیا۔

''بایزید تم سے معذرت چاہتا ہے اور کہتا ہے کل تم نے بربط میرے سر پر توڑا اس کی قیمت لے لو اور دوسرا خرید لو اور یہ حلوہ کھا لو تا کہ اس کے ٹوٹنے کا غصہ اور تلخی تمہارے دل سے جاتی رہے''۔

جب نوجوان نے یہ دیکھا تو حاضر خدمت ہو کر پاؤں پر گر پڑا۔ توبہ کی اور بہت رویا۔ اس کی موافقت میں چند دوسرے نوجوانوں نے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی۔

(اعمال الصالحین' ص ۱۴۶)

ایک دن حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بازار میں چلے جا رہے تھے کہ کسی نے کوٹھے پر سے راکھ کا بھرا ہوا ایک تھال آپ کے اوپر انڈیل دیا۔ آپ کپڑے جھاڑ کر اس کے حق میں دعائے خیر کرنے لگے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ لوگوں نے کہا:

''یہ شکر کا کیا مقام ہے''۔

فرمایا:

''جو شخص آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ہو اس پر راکھ ڈالی جائے تو کیا یہ مقام

شکر نہیں ہے کیونکہ راکھ آگ کو بجھا دیتی ہے"۔ (نسخہ کیمیا، ص ۵۶۴)

حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک شخص نے اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی نیک خوئی کی آزمائش کرے۔ چنانچہ جب آپ اس کے مکان کے دروازے پر پہنچے تو اس نے اندر جانے سے روک دیا اور کہا:

"اب تو کچھ باقی نہیں بچا"۔

اس پر آپ واپس چلے گئے۔ لیکن ابھی آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ شخص بھاگ کر گیا اور آپ کو پھر بلا لایا۔ اور جب وہ مکان کے دروازے پر پہنچا تو پھر اندر جانے سے روک دیا اور کہا:

"اب کچھ باقی نہیں رہا"۔

اس طرح اس نے چند بار آپ سے ایسا ہی سلوک روا رکھا۔ وہ جب بلاتا آپ چلے آتے اور جب واپس کر دیتا تو چپکے سے واپس چلے جاتے اور زبان پر حرف شکایت تک نہ لاتے۔ آخر کار وہ شخص کہنے لگا:

"اے شیخ محترم! میں ہارا اور آپ جیتے۔ میں تو آپ کو آزما رہا تھا۔ واقعی آپ نہایت نیک خو بزرگ ہیں"۔

سنا تو آپ نے فرمایا:

"اس میں کیا رکھا ہے۔ تم نے جو کچھ مجھ میں دیکھا یہ تو محض ایک کتے کا خلق ہے کہ جب اسے بلاتے ہیں آ جاتا ہے اور جب دھتکارتے ہیں تو چلا جاتا ہے۔ بس اس اخلاق کی کیا حقیقت ہے جس کی تم اتنی تعریف کر رہے ہو"۔

(نسخہ کیمیا، ص ۵۶۳)

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک شخص گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور گالیاں بکتا ہوا آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جب آپ اپنے اہل قبیلہ کے گھروں کے قریب پہنچے تو رک گئے اور اسے مخاطب کر کے کہا:

"اگر کچھ گالیاں باقی رہ گئی ہیں تو یہیں پر سنا لے کیونکہ اگر ان لوگوں نے تجھے گالیاں دیتے سن لیا تو تمہیں تکلیف پہنچائیں گے"۔ (نسخہ کیمیا، ص ۵۶۵)

یہ واقعات بہ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ اے لوگو!

☆ اگر نیکی تکلیف کے راستے تمہارے نامۂ اعمال میں داخل ہو تو اس کو خندہ پیشانی سے قبول کرو۔

☆ ایذا پہنچانے والے سے بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔

☆ قصاص کا اصول موجود ہے لیکن لوگوں کو معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔

☆ دوسروں کا جرم معاف کر دیا کرو اس سے دل رقیق، قوت برداشت میں اضافہ اور دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ تعلقات میں کشیدگی اور تناؤ پیدا نہیں ہوتا ہے۔

☆ جب کوئی بات دریافت کرے تو ایسا جواب نہ دو جس سے مذاق کا پہلو نکلتا ہو۔

☆ قبروں سے عبرت حاصل کرو یہ وصل کا دروازہ ہیں۔

☆ دوسرے کی اصلاح کے لئے خوبصورت طریقہ اختیار کرو۔

☆ سختی دوسرے کی اصلاح کے سامنے حدت کی دیوار کھڑی کر دیتی ہے۔

☆ نرمی اور محبت اصلاح احوال کے لئے بہترین ہتھیار ہیں۔ ان سے دوسرے کے اندر خاموش انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی ہے۔

☆ ہر حال میں رب کریم کا شکر ادا کرو۔ یہی مقام عبدیت ہے۔

☆ کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ لہٰذا دوسروں کے اقوال و افعال و اعمال پر تنقید و تبصرہ سے قبل اپنے قول و فعل کی اصلاح کرو۔

☆ ہر لحظہ عجز و انکساری کا دامن تھامے رکھو۔

☆ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے اعمال بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا مردود۔ اس لئے ہر آن خوف خدا سے لرزاں و ترساں رہو۔

☆ ہر انسان دنیا سے ہی جنتی یا دوزخی بن کر جاتا ہے اس لئے کسی پل توبہ و استغفار اور ذکر اللہ سے غافل نہ رہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب و حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو راضی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔

☆ نفس امارہ انسان کا دشمن ہے اس کیخلاف ہر وقت حالت جنگ میں رہو۔ اگر اس کی طرف سے غفلت برتو گے تو یہ تمہیں پچھاڑ دے گا۔

☆ نفس کیخلاف اگر کوئی واقعہ رونما ہو تو اس سے تمہاری طبیعت مکدر نہ ہو۔

☆ کسر نفسی کو اپناؤ' اس سے طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔

☆ جو لوگ ناپسند ہوں ان سے نفرت نہ کرو۔

☆ جو بداخلاقی سے پیش آئے تو تم اس کی سطح پر اتر کر بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کرو۔

☆ طبیعت میں تضاد کے بجائے ٹھہراؤ پیدا کرو۔

☆ برائی کو احسن طریق سے دور کرو۔

ہمارا حال کیا ہے؟

متذکرہ بالا نکات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ عفو و درگزر سے کام لیں۔ اصلاح احوال کے لئے موجود وقت کو ضائع نہ کریں۔

ماضی اور حال کے مسلمان حکمران

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عامل مقرر فرمایا۔ جب وہ عہدے سے فارغ ہو کر گھر آئے تو آپ کی اہلیہ نے کہا:

''میرے لئے کیا لائے ہیں''۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''میرے ساتھ ایک نگہبان تھا اس لئے کچھ نہ لا سکا''۔

نگہبان سے آپ کی مراد اللہ تعالیٰ کی ذات تھی لیکن آپ کی اہلیہ نے سمجھا کہ شاید امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال کی نگرانی کے لئے ان کے خاوند کے ہمراہ کسی شخص کو بھیجا تھا لہٰذا وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا:

''اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ دیانتدار انسان ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ امین رکھا۔ لیکن آپ نے ان کے ساتھ مشرف بھیجنا کیوں ضروری سمجھا''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا بھیجا اور تمام ماجرا معلوم کیا۔ جب بتایا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنس پڑے اور کوئی چیز انہیں مرحمت فرمائی کہ اپنی اہلیہ کو دے دیں۔ (نسخۂ کیمیا)

صاحبو! یہ پہلا آئینہ ہے۔

اس میں ماضی کے حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ

☆ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی قریب ہے۔

☆ کراماً کاتبین ان کی ہر اچھائی اور برائی ان کے نامۂ اعمال میں درج کر رہے ہیں جو روز محشر ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔

اس آئینہ میں حال کے حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ متذکرہ تین باتوں پر قولاً ایمان تو رکھتے ہیں لیکن بجز الا ماشاء اللہ ان کو عملاً تسلیم نہیں کرتے ہیں۔لہٰذا وہ

☆ رعیت کا حق تلف کرتے ہیں۔

☆ معاشرے میں برائیاں پھیلانے میں مددگار بنتے ہیں۔

☆ انصاف کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں۔

☆ لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں۔

☆ نااہل، جی حضوریوں، خوشامدیوں، نالائقوں اور خبیث لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتے ہیں۔

☆ دین سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

☆ کفار حکمرانوں کے تلوے چاٹتے اور ان کی ہر فرمائش پر بہ دل و جان عمل کرتے ہیں۔

☆ ملک کی سالمیت و عزت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

☆ لوگوں کو زندہ رہنے کا حق دیتے ہیں نہ آسانیاں بہم پہنچاتے ہیں۔

☆ مہنگائی و بے روزگاری کے عفریت کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

☆ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں۔

☆ قومی خزانے کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کرتے رہتے ہیں۔

☆ قوم کے ہر فرد کو بیرونی قرضوں کے بھاری بھرکم بوجھ تلے دبا دیتے ہیں۔

☆ ملکی دولت لوٹ کر بیرونی ملکوں کے بینکوں میں رکھتے ہیں۔

☆ تمام جائز و ناجائز مراعات کے دروازے اپنی ذات، حکومتی ارکان، عہدہ داران، اہل و عیال، خویش اکارب، دوستوں، خوشامدیوں اور مدح سراؤں پر کھول دیتے ہیں۔

☆ کفار سے دوستانہ اور اپنوں سے معاندانہ رویہ رکھتے ہیں۔

☆ ایٹمی قوت، تربیت یافتہ فوج اور عوام کے جذبۂ ایمانی کی موجودگی میں اسلام دشمن ممالک

کے آگے فدویانہ، چاپلوسانہ اور بھک منگوں کا سا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

☆ ملک کے اہل علم و دانش و بصیرت کے مقابل غیر ملکی جینیٹرز (صفائی کرنے والے) کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

☆ اپنی قوت و وسائل کا استعمال صرف اپنے ہی ملک کے لوگوں کو دبانے کے لئے کرتے ہیں۔

☆ اپنے مخالفین اور ناپسندیدہ افراد کو مروا دیتے ہیں یا اغوا کر کے گوانتانا موجیل میں بھجوانے کے لئے امریکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔

☆ لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے بجائے اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے تمام وسائل اور ملکی خزانہ استعمال میں لاتے ہیں۔

☆ لوگوں سے مسلسل جھوٹ بولتے، جھوٹے وعدے کرتے اور جھوٹے سہانے خواب دکھاتے رہتے ہیں۔

☆ قانون کو گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں۔

☆ غیر مقصدو بے فائدہ غیر ملکی دوروں پر بے دریغ ملکی دولت ضائع کرتے ہیں۔

☆ عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں۔

☆ عبداللہ بن ابی امیر المنافقین کی معنوی اولاد ہیں۔

جہاں ایسے حکمران ہوں ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ان کی موجودگی میں اللہ کی رحمتوں کا نزول بند ہو جاتا ہے اور ہر طرف افراتفری پھیل جاتی ہے۔ان حالات میں ایسے حکمرانوں سے نجات کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کے علاوہ عوام الناس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی شہر کے حاکم تھے۔آپ پا پیادہ کمبل اوڑھے گھر کا سودا سلف بازار سے خود خرید کر لاتے تھے۔

ایک دن ایک امیر آدمی نے آٹے کی بوری خریدی اور انتظار کرنے لگا کہ کسی کو بیگار میں پکڑے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاتے دیکھا تو بیگار میں پکڑ لیا۔اس نے آپ کو پہچانا نہیں کہ حاکم شہر ہیں۔اس نے آٹے کی بوری آپ کے سر پر رکھی اور لے چلا۔ راستے میں ایک شخص ملا۔اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا:

''اے امیر وحاکم شہر! یہ بوجھ کہاں لئے جارہے ہیں''۔

یہ سنتے ہی بیگار لینے والا شخص آپ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کرنے لگا:

''معاف فرمادیں۔ میں نے یہ حرکت نادانستگی میں کی ہے۔ یہ بوجھ سر سے اتار دیں۔ آپ کے قدموں کی خاک جو سرمہ کروں تو بجا ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''کیا میں نے یہ قبول نہیں کیا تھا کہ بوری تیرے گھر تک پہنچاؤں گا''۔

اس کے گھر پہنچ کر آپ نے فرمایا:

''میں نے تیرا کام کردیا ہے۔ اب تم مجھ سے عہد کرو کہ آئندہ کسی کو بیگار میں نہیں پکڑو گے اور اتنا سودا لے جو اٹھا سکے۔ اور کسی سے بے مروت نہ ہونا پڑے۔

(اعمال الصالحین، ص۱۶۰)

صاحبو! یہ دوسرا آئینہ ہے۔

اس میں ماضی کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ

☆ شاہانہ کروفر سے کوسوں دور تھے۔

☆ بازاروں میں تن تنہا سودا سلف خریدنے چلے جاتے تھے۔

☆ سادگی پسند تھے۔

☆ وعدہ کے پابند تھے۔

☆ جو کام ذمہ لے لیتے اسے ہر حال میں پورا کرتے تھے۔

☆ اپنی ذات کیخلاف کسی بات کو انا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔

☆ لوگوں کے قصور جوان کی ذات سے وابستہ ہوتے بخوشی معاف کردیتے تھے۔

☆ امر ونہی کا موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔

اس آئینہ میں حال کے حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ رونے کو دل چاہتا ہے۔

بجز الا ماشاء اللہ وہ

☆ جہاں سے گزرتے ہیں تو دور دور تک راستہ بند کر کے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کردیتے ہیں۔

☆ تن تنہا باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور باڈی گارڈوں کے پہرے میں بڑی شان سے

نکلتے ہیں۔

☆ نوکروں چاکروں کی فوج ظفر موج رکھتے ہیں جوان کے اشارۂ ابرو پر ناچتے رہتے ہیں۔

☆ وعدہ خلافی کو سیاست کا حصہ سمجھتے ہیں۔ لوگوں کو سبز باغ دکھاتے اور جھوٹی طفل تسلیاں دیتے ہیں۔

☆ شہرت کے بھوکے ہیں۔ اگر سرکاری رقوم سے چھوٹی سی گلی کو پختہ کروادیتے ہیں تو اپنے نام کی تختی لگوادیتے ہیں حالانکہ لوگوں کے مسائل حل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔

☆ بڑے جوش وجذبہ سے کسی کام کے کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے کوئی وعدہ کیا تھا۔

☆ سب کو اپنا غلام متصور کرتے ہیں۔ ماتحتوں، زیردستوں وغیرہ سے اس طرح بیگار لیتے ہیں کہ اوقات کار کے بعد دیر تک بٹھائے رکھتے ہیں۔ ذاتی کام کرواتے ہیں اور انہیں اپنی ناراضگی کی آگ میں جلاتے رہتے ہیں۔

☆ اپنی انا کی تسکین کی خاطر دوسروں پر ظلم وزیادتی کے در باز کردیتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: واللہ لایحب الظالمین (آل عمران ۵۷) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد عالیہ سے جس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کی تاریکیاں ہے''۔ (دریائے محبت، ص۳۴۸) کوئی سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور اقتدار کے نشہ میں بدمست دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور ظالم ہمیشہ

☆ حق سے دور ہوتا ہے۔

☆ حد سے تجاوز کرتا ہے۔

☆ مطلب پرست اور خود غرض ہوتا ہے۔

☆ ہمدردی اور رحمدلی کے جذبات سے تہی ہوتا ہے۔

ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز فجر قضا ہوگئی۔ آپ بارگاہ خداوندی میں بڑی عجز وانکساری سے آنسو بہاتے رہے تو رب کریم نے انہیں بے حد وحساب رحمت اور ثواب سے نوازدیا۔ دوسرے دن شیطان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود نماز کے لئے جگانے آ

گیا تا کہ کل کی طرح زیادہ اجر و ثواب سے محروم رہیں۔ (دریائے محبت، ص ۹۹)

صاحبو! یہ تیسرا آئینہ ہے۔

اس آئینہ میں ماضی کے حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ وہ

☆ حقوق اللہ کی ادائیگی میں غفلت سے کام نہیں لیتے تھے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے کسی حق کی عدم ادائیگی پر خوف الٰہیہ سے کانپ اٹھتے تھے۔
☆ شیطان کے حملہ سے محفوظ نہ تھے۔ وہ برنگ دوستی ان کو زیادہ ثواب و اجر سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

اس آئینہ میں حال کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ

وہ

☆ خود شیطان ہیں۔
☆ شیطان کی طرح برنگ دوستی دوسروں سے دشمنی رکھتے ہیں۔
☆ ناصحین کی حب نہیں رکھتے ہیں۔
☆ حقوق اللہ کی ادائیگی سے مجرمانہ غفلت برتتے ہیں اور متاسف تک نہیں ہوتے ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں لہٰذا سورہ زخرف آیت ۳۶ کے مطابق شیطان ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

''اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے غافل ہوگا ہم اس کے لئے ایک شیطان معین کر دیتے ہیں تو وہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے''۔

☆ اپنی خواہشات کے غلام ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے دوسروں کو گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''جنوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی جو اپنے لوگوں کو گناہ کی تلقین کرتے رہتے ہیں''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں رات کو ایک مہمان ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں چراغ بجھنے لگا۔

مہمان نے کہا:

''میں ذرا تیل لے آؤں''۔

آپ نے فرمایا:

''مہمان سے خدمت نہیں لیا کرتے۔ یہ مروت سے بعید ہے''۔

مہمان بولا:

''غلام کو آواز دے دیتا ہوں''۔

فرمایا:

''وہ ابھی ابھی سویا ہے، کچی نیند میں ہوگا''۔

اور پھر خود اٹھ کر تیل کا ڈبہ اٹھا لائے اور چراغ میں تیل ڈال دیا۔

مہمان نے کہا:

''یا امیر المومنین! یہ کام آپ نے خود ہی کر لیا''۔

فرمایا:

''میں تیل لینے کے لئے گیا تھا تو عمر بن عبدالعزیز تھا اور اب واپس آ گیا ہوں تو بھی عمر بن عبدالعزیز ہی ہوں''۔ (نسخۂ کیمیا، ص ۸۰۲)

صاحبو! یہ چوتھا آئینہ ہے۔

اس آئینہ میں ہمارے ماضی کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آیا ہے کہ وہ

☆ رات کے وقت بھی آنے والے کی خود مہمان نوازی کرتے تھے۔
☆ کوئی کام کرنا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ اور عار محسوس نہیں کرتے تھے۔
☆ غلاموں اور ملازموں کے آرام کا خیال رکھتے تھے۔

اس آئینہ میں حال کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ

وہ

☆ دن کے وقت بھی کسی کو اپنی رہائشگاہ کے سامنے سے گزرنے نہیں دیتے ہیں۔
☆ صرف غیر ملکیوں اور اعلیٰ افسران کی میزبانی سرکاری خزانہ سے کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔
☆ غریبوں کو ساتھ بٹھانا تو دور کی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔
☆ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ گاڑی سے اترنا ہو تو ڈرائیور یا کوئی اور شخص دروازہ کھولتا ہے۔ جسم پر خارش کرنا ہو تو خادم کو آواز دیتے ہیں۔

قریب پڑے ہوئے کولر سے پانی پینا ہو تو چپڑاسی یا نائب قاصد کو بلاتے ہیں۔ایک نواب صاحب گھر میں بیٹھے تھے کہ سانپ نکل آیا تو پکارنے لگے۔

''گھر میں کوئی مرد ہے جو سانپ کو مارے''۔

پرلے درجے کے ہڈحرام ہیں۔لیکن رحمت مجسم۔محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا یہ اسم گرامی لیتے ہیں۔وہ بہ نفس نفیس بہت سے کام اپنے مبارک ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔

☆ دوسروں سے کام لیتے وقت ان کے آرام کا قطعاً خیال نہیں کرتے ہیں۔

جب خلیفہ ہارون رشید حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا تو اس نے کہا:

''کیا شفیق بلخی تم ہی ہو جو بہت بڑے زاہد زمانہ ہو''۔

فرمایا:

''شفیق تو میں ہی ہوں لیکن زاہد نہیں ہوں''۔

خلیفہ نے کہا:

''مجھے کوئی نصیحت فرمائیں''۔

آپ نے کہا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین مقرر فرمایا ہے اور تم سے اسی صدق کا طلبگار ہے۔جیسا ان سے چاہتا تھا اور تمہیں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ بٹھایا ہے اور تم سے حق و باطل میں امتیاز کا وہی شعور دیکھنا چاہتا ہے۔جو ان کی ذات میں موجود تھا اور تمہیں حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ عطا فرمائی ہے اور تم سے اسی شرم و کرم کا طلبگار ہے جو ان میں پائی جاتی تھی اور تمہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ پر بٹھایا ہے اور تم سے ویسا ہی علم و عدل چاہتا ہے جیسا کہ ان سے چاہتا تھا''۔

یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے تو خلیفہ نے پھر کہا:

''اس پر کچھ مزید اضافہ فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مکان ایسا بھی ہے جسے دوزخ کہتے ہیں اور تجھے اس کا دربان

مقرر کیا ہے۔اور تین امور کی انجام دہی تیرے سپرد کی ہے۔

الف: بیت المال

ب: تلوار اور

ج: تازیانہ

اور تجھے حکم دیا ہے کہ ان تین چیزوں کی مدد سے لوگوں کو دوزخ سے دور رکھو۔چنانچہ

الف: جو حاجت مند تیرے پاس آئے اسے بیت المال کے مال سے محروم نہ رکھو۔

ب: جو کوئی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرے اس کی خبر تازیانہ سے لو۔اور

ج: جو کوئی کسی کا ناحق خون بہائے اسے اس کے ولی کی اجازت سے تلوار کے ساتھ قتل کرو۔

اگر ایسا نہیں کرو گے تو دوزخیوں کے قافلہ سالار تم ہی ہو گے اور باقی سب تمہارے پیچھے اس میں داخل ہوں گے۔

یہ سننے کے بعد خلیفہ نے کچھ اور نصیحت کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا:

''تم ایک چشمہ ہو اور تیرے مقرر کردہ حاکم و افسر اس دنیا میں نہروں اور دریاؤں کی مانند ہیں اور یاد رکھو کہ اگر چشمہ شفاف ہوگا تو نہروں اور دریاؤں کی تاریکی یعنی گدلا پن باعث نقصان نہیں۔لیکن جب چشمہ ہی تاریک اور گدلا ہو تو نہروں کی روشنی اور صفائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے''۔(نسخہ کیمیا ص ۵۳۱)

ہمارے ماضی کے مسلمان حکمران حال پر موجود اولیاء اللہ سے اکثر میل جول رکھتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ آخرت کو پیش نظر رکھتے تھے۔لیکن اگر کوئی ولی اللہ حاکم وقت میں کوئی کجی محسوس کرتا تو بذات خود امر و نہی کے لئے اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے تا کہ وہ سیدھے راستے پر رہے۔

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور نصیحت کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

''اگر تمہیں کسی بیابان میں پیاس لگے یہاں تک کہ تم ہلاک ہونے کے قریب ہو جاؤ۔اس وقت اگر ایک گھونٹ پانی ہاتھ لگے تو کتنی قیمت میں خریدو گے''۔

خلیفہ نے کہا:

''جس قیمت پر بھی ملے''۔

آپ نے فرمایا:

''اگرچہ آدھا ملک ہی دینا پڑے''۔

خلیفہ نے کہا:

''ہاں''

پھر آپ نے کہا:

''جب تم وہ پانی پیو اور اس سے تمہارا پیشاب بند ہو جائے۔ یہاں تک کہ خوف ہلاکت ہو اور کوئی تم سے کہے کہ میں تمہارا علاج کرتا ہوں لیکن اس کے عوض میں تمہارا آدھا ملک لوں گا تو پھر ایسی حالت میں کیا کرو گے''۔

خلیفہ نے کہا:

''دے دوں گا تاکہ شفا حاصل ہو''۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''پھر ایسی بادشاہت پر کیوں نازاں ہو جس کی قیمت صرف پانی کا ایک گھونٹ ہو اور جو باہر بھی نہ نکلے''۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۴۹)

وہ بادشاہ اور حکمران جو اولیاء اللہ کا عقیدت مند تھا اور ہے اور ان سے میل ملاقات رکھتا تھا اور ہے وہ دنیاوی تنعمات کے علاوہ آخرت میں بھی بامراد رہتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر کوئی عالم دین اور متقی شخص دنیاوی بادشاہ اور حکمران کی خوشنودی اور اس سے انعام و اکرام کی خاطر اس کے در کی دریوزہ گری کرتا تھا اور ہے تو اس کی دنیا بھی لٹ جاتی تھی اور ہے اور آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

کسی پرہیزگار نے خواب میں ایک بادشاہ کو بہشت میں اور ایک پارسا کو دوزخ میں دیکھا۔ اس نے پوچھا:

''بادشاہ کی ان بلندیوں اور پارسا کی ان پستیوں کا کیا سبب ہے۔ عوام کا قیاس تو اس کے برعکس تھا''۔

ندا آئی:

''یہ بادشاہ درویشوں سے عقیدت کے باعث بہشت میں ہے اور یہ پارسا

بادشاہوں کے تقرب کی بنا پر دوزخ میں ہے''۔ (گلستان سعدی، ص ۴۷)

صاحبو! یہ پانچواں آئینہ ہے۔

اس آئینہ میں ہمارے ماضی کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ

☆ وقت کے مقربین الٰہی اور اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت اور ان سے میل ملاقات پر فخر محسوس کرتے تھے۔

☆ حکومت کو صحیح خطوط پر چلانے اور اپنا رخ سیدھا رکھنے کے لئے اللہ کے دوستوں سے نصیحت کے لئے التجا کرتے تھے اور اس پر پورا اترنے کی حتی المقدور کوشش کرتے تھے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ ہارون الرشید کو پند و نصائح سے روشن ہو جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہ اور حکمران میں۔

☆ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدق ہو۔

☆ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حق و باطل میں امتیاز کرنے کا ادراک و شعور ہو۔

☆ حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شرم و کرم ہو۔

☆ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سا علم و عدل ہو۔

اور وہ

☆ ملکی خزانے میں سے کسی حاجت مند کو محروم نہ رکھے۔

☆ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے۔

☆ ناحق خون بہانے والوں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

☆ بذات خود بہترین اخلاق و کردار کا مالک ہو۔

☆ امانت و دیانت کی صفات سے متصف ہو۔

☆ ملک و قوم کی بہتری و ترقی و خوشحالی کے لئے شبانہ روز کوشاں ہو۔

☆ رعیت کے حقوق کی ادائیگی میں پس و پیش سے کام نہ لیتا ہو۔

☆ نظام حکومت چلانے کے لئے اہل علم و دانش و بصیرت اور دیانتدار افراد کو عامل، آفیسر، گورنر اور قاضی تعینات کرے۔

☆ بادشاہت و حکمرانی پر فخر و غرور نہ کرے۔

اس آئینہ میں حال کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ وہ

☆ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اوصاف حمیدہ کے قریب سے بھی نہیں گزرے ہیں۔
☆ صدق وصفا سے عاری ہیں۔
☆ حق کے مقابل باطل کو فروغ دیتے ہیں۔
☆ ہر برا کام بے شرمی اور ڈھٹائی سے کرتے ہیں۔
☆ علم وعدل سے نابلد و نابینا ہیں۔
☆ نااہلوں، جاہلوں اور ظالموں کو اعلیٰ منصب پر بٹھاتے ہیں۔
☆ ناانصافیوں کے پیکر ہیں۔
☆ ملکی خزانہ کو ذاتی سمجھتے ہیں۔
☆ حاجت مندوں کی دادرسی نہیں کرتے اور اپنے چہیتوں کے لئے خزانے کا منہ کھول دیتے ہیں۔
☆ احکام خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے ہیں اور جو حق کی بات کرے اس پس دیوار زنداں بھیج دیتے ہیں یا اغوا کرا کر ہمیشہ کے لئے منظر سے ہٹا دیتے ہیں۔
☆ بذات خود قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہیں اور عدالتوں سے جرم معاف کرا کر پاکبازی کی سند حاصل کر لیتے ہیں۔
☆ بداخلاقی و بدمزاجی و بدکرداری کے پیش امام ہیں۔
☆ ناجائز دولت اکٹھی کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔
☆ تاحیات حکمرانی کے لئے اخلاق و قانون کی تمام حدیں پھلانگ جاتے ہیں اور دین و ایمان فروخت کر دیتے ہیں۔
☆ کافر حکمرانوں بالخصوص امریکہ کی فرمانبرداری اور ان کی فرمائشیں پوری کرنے میں فخر و خوشی محسوس کرتے ہیں۔
☆ مغربی کلچر کو فروغ دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے ہیں۔
☆ اپنی اکڑی ہوئی گردنوں، غرور وتکبر اور رعونت سے دوسروں کو باور کراتے ہیں کہ ان کی قسمتوں اور سیاہ وسفید کے وہ مالک ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

☆ جہلاء کا ایسا ٹولہ ہیں جو آداب جہانگیری سے ناآشنا ہیں اور اپنے طرز عمل سے عوام الناس کے دلوں میں نفرتوں کے آلاؤ روشن کرتے ہیں۔

دراصل وہ حکمران جس کے دل پر دنیا کی محبت کی مہر لگی ہوتی ہے اس کے لئے حکمرانی

☆ ایسا نشہ ہے جو حکومت جانے کے بعد بھی اترتا نہیں ہے۔
☆ ایسی قید ہے جس سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔
☆ ایسا قلعہ ہے جس کی دیواروں کے باہر عوام الناس کی سسکتی زندگی کی چیخیں۔ بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی پر لوگوں کے بلند ہوتے نالے، بے روزگاری، مہنگائی، غربت و افلاس اور نانِ جویں کو ترستے ہوئے انسانوں کی بلند ہوتی فریادیں اس کو سنائی نہیں دیتی ہیں۔

لہٰذا اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی ہے کہ

☆ صحیح معنوں میں اقتدار حکومت کیا تقاضا کرتا ہے۔
☆ رعیت کے حقوق کا احترام اور ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔
☆ نیکیوں کے راستے کس طرح ہموار کئے جاتے اور برائیوں کے کانٹوں کو کس طرح سمیٹا جاتا ہے۔
☆ لوگوں کو ظلم واستبداد سے کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور ظالم کو کس طرح ظلم سے باز رکھتے ہیں۔
☆ لوگوں کو خوشحالی و آسودگی سے کس طرح ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔
☆ عدل وانصاف کو کس طرح برقرار رکھا جاتا ہے۔
☆ حکومتی اراکین کو غلط اقدام سے روکنے کے لئے کس طرح ان کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔

لیکن اسے صرف اپنی ذات سے غرض ہوتی ہے اور بس۔ مگر جب کاتب تقدیر کا لکھا اس پر وارد ہوتا ہے تو حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ خود کو مظلوم ظاہر کرتا ہے اور حکومت کو معمولی قیمت پر خیر باد کہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

شاہ اسمٰعیل سامانی رعایا پروری اور رحمدلی میں بڑا مشہور تھا۔ ایک مرتبہ کسی کسان نے ایک ککڑی ان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی۔ سلطان نے اسے چکھا۔ تکریم کے ساتھ اپنے

پاس رکھ لی اور کسان کو مناسب انعام دے کر رخصت کیا۔ اس وقت جو لوگ قریب تھے انہوں نے پوچھا:

''آپ ہر ایک تحفہ کو بطور تبرک حاضرین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اس ککڑی کو تقسیم کیوں نہ کیا''۔

شاہ نے کہا:

''میں نے ککڑی کو چکھا تو وہ کڑوی نکلی۔ اگر آپ لوگوں میں تقسیم کر دیتا تو ہر کوئی اس کو چکھ کر تھوک دیتا اور کسان اس تحفہ کے کڑوا ہونے کی وجہ سے شرمندہ ہوتا۔ لہٰذا میں نے مناسب نہ سمجھا تاکہ کسان کی دل شکنی نہ ہو''۔ (اعمال الصالحین' ص ۱۵۸)

صاحبو! یہ چھٹا آئینہ ہے۔

اس آئینہ میں ہمارے ماضی کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ

☆ رعایا پرور اور رحمدل تھے۔

☆ عام آدمی کو بھی ملنے کے لئے آنے دیتے تھے۔

☆ لوگوں کی دلجوئی کے لئے ناپسندیدہ تحفہ بھی بخوشی قبول کر لیتے تھے۔

☆ کسی کی عزت نفس مجروح نہیں کرتے تھے۔

☆ کسی دوسرے کو موقع فراہم نہیں کرتے تھے کہ آنے والے کو شرمسار کرے۔

☆ ایسا تحفہ جسے بانٹا جا سکتا تھا اسے حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اس آئینہ میں حال کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ وہ

☆ رعیت کو سکھ دینے کے بجائے دکھ دیتے ہیں۔

☆ عام آدمی کو قریب آنے نہیں دیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاک نام لیتے ہیں جو چوبیس لاکھ مربع میل پر حکمرانی کے باوجود عام لوگوں میں گھل مل کر رہتے تھے۔ انہیں کسی سے کوئی خوف و خطر نہیں تھا کیونکہ وہ سب کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رعایا کی خدمت اور ان کی راحت رسانی کے لئے اپنے گورنروں کو سخت ہدایات دی ہوئی تھیں کہ اپنے مکان کا دروازہ بند نہ کریں تاکہ جس وقت تمہارے پاس دکھیا انسان اپنی حاجت لے کر آئے تو تمہارے سامنے بغیر روک

ٹوک آسکے۔ (خلفائے راشدین نمبر سیارہ ڈائجسٹ' ص ۴۸۵)

☆ معمولی تحفہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اگر کوئی پیش کرے تو اس کے منہ پر دے مارتے ہیں۔

☆ کسی معاملہ میں عدالت میں پیش ہونے کو اپنی توہین خیال کرتے ہیں کیونکہ خود کو قانون سے بالا سمجھتے ہیں۔ شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کوئی جھگڑا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میرے اور اپنے درمیان کسی آدمی کو فیصلہ کرنے والا مقرر کر لو''۔

ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا فیصل بنایا۔ یہ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ہم دونوں تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمارے درمیان فیصلہ دو''۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں ہی بیٹھ کر فیصلہ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے امیر المومنین کو بستر پر بٹھانا چاہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلہ میں جاری ہوا۔ میں اپنے صاحب معاملہ کے پاس بیٹھوں گا''۔

اور پھر یہ دونوں حضرات ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ پیش کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''امیر المومنین کو قسم کھانے سے معافی دو''۔

(شرعی قاعدہ کی بنا پر اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے)

''میں قسم کی معافی کا کسی کے لئے سوائے ان کے سوال نہیں کرتا ہوں''۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی اور پھر کہا:

''زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔ (حیاۃ الصحابہ' ج ۲' ص ۱۰۱)

☆ صرف اپنے آپ کو صاحب عزت خیال کرتے تھے اور دوسروں کی عزت نفس مجروح کرنے میں دیر نہیں کرتے ہیں۔ سورہ المنافقون آیت ۸ کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ ساری عزت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور مومنین کی ہے۔ باقی سب بے عزت ہیں۔

☆ وہ کسی کو معاف نہیں کرتے ہیں۔ یہ لفظ ان کی لغت میں نہیں ہے۔ کسی کی ذرا سی کوتاہی، غفلت اور غلطی پر اس سے مجرموں جیسا سلوک روا رکھتے ہیں۔

ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ میں سو گناہ کروں تو معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ ان کا ذکر تک نہیں کرتا اور نہ ہی قیامت کے دن کرے گا کہ میں نے معافی مانگنے پر تیرے فلاں فلاں گناہ معاف فرما دیئے تھے۔ وہ انسان کے نامہ اعمال سے بھی محو کر دیئے جاتے ہیں لیکن اگر کسی حاکم یا انسان کی کوئی خطا کی ہو تو موقع ملنے پر پچاس سال کے بعد بھی دفتر شکایات کھول بیٹھتا ہے کہ تم نے یہ کیا تھا۔

نوشیرواں عادل کے ملازمین ایک دن شکارگاہ میں شکار کئے ہوئے جانور کے کباب بنانے لگے۔ نمک موجود نہ تھا۔ ایک غلام کو قریب کے گاؤں میں نمک لانے کے لئے بھیجا تو نوشیرواں نے کہا:

"نمک کی قیمت دے کر لانا تاکہ رسم نہ پڑ جائے اور گاؤں برباد نہ ہو جائے"۔

غلام نے عرض کیا:

"اتنی سی بات سے کیا خلل واقع ہوگا"۔

نوشیرواں نے کہا:

"دنیا میں ظلم کی بنیاد اول اول تھوڑی تھی۔ پھر جو آیا اس نے اس پر کچھ بڑھایا حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آ پہنچی"۔

صاحبو! یہ ساتواں آئینہ ہے۔

اس آئینہ میں ہمارے ماضی کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ

☆ معمولی سی چیز بھی مفت لینا گوارا نہ کرتے تھے۔

☆ دوسروں پر ظلم کرنے سے بچتے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ

☆ قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔

☆ خشت اول رکھنے سے اس پر محل تعمیر ہو جاتا ہے۔

☆ چھوٹے سے بیج سے تناور درخت بن جاتا ہے۔

لہٰذا وہ

چھوٹی سی چھوٹی نیکی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ اور ظلم سے اپنا دامن پاک رکھنے کی سعی کرتے تھے۔ خاص طور پر جب کوئی حاکم وقت ظلم کی بنیاد رکھتا ہے۔ زیادتی کو شیوہ اپنا لیتا ہے۔ حرام کی عادت ڈال لیتا ہے تو دوسرے صاحب اقتدار لوگوں کی ہڈیاں تک کچی چبا جاتے ہیں۔

اس آئینہ میں ہمارے حال کے مسلمان حکمرانوں کا چہرہ کیسا نظر آتا ہے۔ الا ماشاءاللہ وہ

☆ لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے وقت خوف خدا نہیں کھاتے ہیں۔

☆ مخالفوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔

☆ حرام مال اکٹھا کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

☆ عوام الناس کو کیڑوں مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

☆ اپنی نااہلیت سے مختلف بحران پیدا کرتے ہیں اور ان کی قیمت عوام سے وصول کرتے ہیں۔

☆ قومی مجرموں، اخلاق باختہ لوگوں اور فساد برپا کرنے والوں کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرتے ہیں۔

☆ بنکوں میں رکھی ہوئی لوگوں کی رقوم پر گل چھرے اڑاتے اور اربوں کے قرضے معاف کر لیتے ہیں۔

☆ کافر دہشتگرد افراد کو باعزت ان کے ملک بھجوا دیتے ہیں اور وطن کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں۔

☆ ظلم کرنے والے کا ہاتھ نہیں روکتے ہیں۔

☆ غریبوں پر اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے بند رکھتے ہیں۔

☆ مظلوموں کی دادرسی کے بجائے ان پر اور ظلم ڈھاتے ہیں۔

☆ چوروں، ڈاکوؤں، اچکوں اور بدمعاشوں کے خود سرخیل ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

ہم پر جس قسم کے حکمران مسلط ہیں' ان کے کافی حد تک طور طریقے رعیت بھی اپنا لیتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر اوپر سے صاف اور مصفا پانی آ رہا ہو تو نیچے کا پانی اگر گدلا بھی ہو تو صاف ہو جاتا ہے اور اگر اوپر سے آنے والا پانی گدلا اور گندہ ہو تو نیچے کا پانی اگر صاف و شفاف بھی ہو تو وہ بھی گدلا اور گندہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے حال کے مسلمان حکمران کن قبیح اوصاف و خصائل کے حامل ہیں ان کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے کہ ہمارے اندر ان کی کیا کیا برائیاں داخل ہو چکی ہیں۔

زندگی کے موجودہ لمحات کو ضائع کئے بغیر ان سے گلوخلاصی کے لئے کمر ہمت باندھ لینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے دامن میں سمیٹ لے گی۔

بیوی ہو تو ایسی

حضرت رمیضہ اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کی عدم موجودگی میں ہمارا بیمار چھوٹا بیٹا وفات پا گیا۔ میں نے اس کے منہ پر کپڑا ڈال دیا۔ جب میرا شوہر واپس آیا تو اس نے پوچھا:

''بچے کا کیا حال ہے''۔

میں نے کہا:

''جتنی آج رات اس کی حالت اچھی ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی''۔

یہ کہہ کر میں کھانا لے آئی۔ میرے شوہر نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ پھر میں نے معمول سے کچھ زیادہ ہی بناؤ سنگھار کیا۔ یہاں تک کہ میرے شوہر نے اپنی حاجت بھی پوری کر لی۔ پھر میں نے اسے کہا:

''آج میں نے اپنے فلاں ہمسایہ کو جو چیز مستعار دی تھی' واپس مانگی تو اس نے واویلا مچانا اور رونا شروع کر دیا''۔

میرے شوہر نے سنا تو کہا:

''عجیب احمق آدمی ہے۔ جو چیز اس کی اپنی تھی ہی نہیں' اس نے واپس کرنے پر واویلا کیا''۔

تب میں نے کہا:

''تمہارا وہ چھوٹا بیمار بچہ جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک ہدیہ تھا اور تمہیں مستعار دیا تھا اسے اس نے واپس لے لیا ہے''۔

میرے شوہر نے بکمال صبر و ضبط کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

صبح کے وقت یہ تمام ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بیان کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہ کل والی رات تجھے مبارک کرے۔ کیا ہی شاندار رات تھی''۔

اور پھر فرمایا:

''میں نے ابھی ابھی بہشت میں دیکھا اور رمیصہ اہلیہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں موجود پایا''۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۸۸۴)

صاحبو! بیوی ہو تو ایسی جو

۱- اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہتی ہو۔
۲- مصیبت کے وقت بھی اپنے خاوند کی خدمت و آرام کا خیال رکھتی ہو۔
۳- خاوند کے باہر سے گھر آنے پر فوراً کوئی ناخوشگوار بات نہ بتاتی ہو۔
۴- افسوسناک واقعہ بتاتے کے لئے خوبصورت اسلوب اختیار کرتی ہو جس کو سن کر اس کے خاوند کو صدمہ پہنچنے کے بجائے اس کے صبر و حوصلہ کو تقویت ملتی ہو۔
۵- بناؤ سنگھار صرف خاوند کو خوش کرنے کے لئے کرتی ہو۔
۶- خاوند کی خواہش پوری کرنے کے احترام میں بن سنور کر خود کو اس کے سامنے پیش کرتی ہو۔
۷- بچوں اور ان کی بیماری کی طرف سے غافل نہ ہو۔
۸- عائلی زندگی کو خوبصورت سے خوبصورت بنانا اپنا فرض عین سمجھتی ہو۔

اسلامی ادب کی کتب میں متعدد خوبصورت واقعات بکھرے پڑے ہیں۔ کہتے ہیں۔

حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک بیٹی تھی۔ جس کے رشتہ کے لئے کرمان کے بادشاہ نے پیغام بھیجا۔ آپ نے تین دن کی مہلت طلب کی اور ان دنوں مساجد میں کسی درویش کو تلاش کرتے رہے جس سے وہ اپنی بیٹی کی شادی کر دیں۔ تیسرے دن ایک درویش کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس سے شادی کے بارے میں سوال کیا۔ وہ بولا:

''مجھ جیسے مفلس کی شادی کہاں؟''

حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''اگر تیرے پاس تین درہم ہیں تو میں اپنی بیٹی تیرے عقد میں دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک درہم خوشبو میں صرف کرنا' ایک درہم کی شیرینی اور ایک درہم مہر کے لئے ہوگا''۔

الغرض ان کی شادی ہوگئی اور دلہن درویش کی جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ وہاں اس نے ایک خشک روٹی پیالے میں پڑی دیکھ کر پوچھا:

''یہ روٹی کیسی ہے؟''

درویش خاوند نے جواب دیا۔

''یہ روٹی کل کی بچی ہوئی ہے اور آج رات کے لئے رکھی ہے''۔

نئی نویلی دلہن نے سنا تو گھبرا گئی اور اپنے باپ کے گھر جانے کے لئے کہا۔ درویش نے اپنی بیوی سے کہا:

''میں پہلے ہی جانتا تھا کہ بادشاہ کی بیٹی مجھ جیسے بے نوا کی شریک حال نہ ہوگی''۔

یہ سن کر اس نے جواب دیا۔

''اے میرے سرتاج! میں آپ کی مفلسی سے گھبرا کر اپنے باپ کے گھر نہیں جا رہی بلکہ آپ کے ضعف ایمان اور یقین کی کمزوری کے باعث جاتی ہوں کیونکہ آپ نے کل کی روٹی آج کے لئے رکھ چھوڑی ہے۔ مجھے اپنے بزرگ باپ پر تعجب ہے جس نے بیس سال کی عمر تک میری شادی اس لئے نہیں کی کہ میں کسی پرہیزگار شخص کے ساتھ منسوب ہوں گی لیکن جب میری شادی ہوئی بھی تو آپ جیسے شخص کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ پر اپنے رزق کا بھی اعتماد نہیں رکھتا ہے''۔

درویش اپنی متوکلہ وصابرہ بیوی کی بات سن کر ششدر رہ گیا اور پوچھا:

''اب اس گناہ کا کفارہ بھی ہو سکتا ہے''۔

بیوی نے کہا:

''یا تو آپ مجھے رکھیں یا اس خشک روٹی کو''۔

چنانچہ وہ درویش ہمیشہ کے لئے اس معاملہ میں اپنی بیوی کا ہم خیال ہوگیا۔

(اعمال الصالحین' ص ۱۵۴)

بیوی ہو تو ایسی جو

۱- متقی و پرہیزگار ہو۔

٢- امیر ہونے کے باوجود کسی نیک و پارسا درویش کی زوجیت میں آنا پسند کرتی ہو۔

٣- خاوند کی مفلسی کو نہیں بلکہ اس کے ضعف ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر بھروسہ میں کمزوری کو ناپسند کرتی ہو۔

٤- خاوند کی دین کے معاملات میں مددگار ثابت ہو۔

٥- خود صابرہ و متوکلہ ہو اور خاوند کو بھی ان صفات سے متصف دیکھنے کی آرزومند ہو۔

٦- خاوند کی خدمت گزار ہو۔

٧- دنیا کے بجائے آخرت سنوارنے کی دلدادہ ہو۔

٨- خاوند کو ہی کل کائنات سمجھتی ہو۔

کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی تمام مال درویشوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک دن مہمان کی آمد پر آپ کے پاس جو کچھ تھا' اس کی تواضع پر خرچ کر دیا اور کہا:

''مہمان اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس کی خدمت کرنی چاہئے''۔

آپ کی بیوی اس سلسلہ میں آپ سے جھگڑنے لگی۔ آپ نے فرمایا:

''ایسی عورت جو نیک کام میں مجھ سے جھگڑا کرے اسے گھر میں نہیں رکھنا چاہئے''۔

لہٰذا آپ نے اسے طلاق دے دی۔

ایک سردار کی لڑکی آپ کی مجلس وعظ میں آئی۔ اس کو آپ کی باتیں ایسی اچھی معلوم ہوئیں کہ گھر آ کر اس نے اپنے باپ سے کہا۔

''میرا نکاح حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کر دیا جائے''۔

باپ نے اپنی بیٹی کو پچاس ہزار دینار دے کر اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر آپ نے خواب میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تم نے عورت کو ہمارے لئے طلاق دی۔ اب یہ عورت تم کو اس کے عوض میں عطا کی گئی ہے تاکہ تم جان لو کہ کسی کو ہمارے ساتھ معاملہ کرنے میں زیاں نہیں ہوتا''۔ (اعمال الصالحین' ص ١٤٨)

بیوی ہو تو ایسی جو

١- بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کی محفل میں بیٹھنا پسند کرتی ہو۔

٢- ایسا شریک حیات پسند کرتی ہو جو دین کی راہ میں حائل دنیا کو خود سے جدا کر دیتا ہو۔

٣- کسی امیر گھرانے میں بیاہی جانے کے بجائے کسی ولی اللہ سے شادی کرنے کو فوقیت دیتی ہو۔

٤- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننا اور ان پر عمل کرنے میں خوشی محسوس کرتی ہو۔

٥- ایسے گھر میں رہنا چاہتی ہو جو قرآن و حدیث کے روپہلی چراغوں سے روشن و منور اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر و محبت کی خوشبوؤں سے معمور ہو۔

٦- نیک طینت و پاکباز ہو۔

کہتے ہیں بنی اسرائیل میں ایک عابد مدت دراز تک مجاہدہ و ریاضت اور عبادات میں مشغول رہا۔

ایک رات خواب دیکھا کہ بہشت میں فلاں عورت اس کی رفیق و ہم نشین ہو گی۔ عابد نے بڑی جستجو کے بعد اسے ڈھونڈ لیا تاکہ معلوم کرے کہ اس کی عبادت و ریاضت کس درجے کی ہے لیکن اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ نہ تو نماز تہجد ادا کرتی ہے اور نہ کوئی نفلی روزہ رکھتی ہے۔ البتہ فرائض کی پابند ضرور ہے۔ عابد نے پوچھا:

''مجھے اتنا بتا دو کہ تمہارا خاص عمل کون سا ہے''۔

اس نے کہا:

''بس یہی کچھ ہے جو تم دیکھ رہے ہو''۔

عابد نے بہت اصرار کیا تو عورت نے کہا:

''عمل کا تو مجھے علم نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب بیماری میں مبتلا ہوتی ہوں تو شفا وصحت کی خواہش نہیں کرتی۔ دھوپ میں ہوں تو سایہ کی آرزو نہیں ہوتی اور اگر تکلیف دہ سایہ ہو تو دھوپ کی تمنا نہیں کرتی ہوں''۔

عابد نے سنا تو اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے بولا:

''یہی تو عظیم الشان بات ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ تم راضی برضا رہتی ہو''۔ (نسخہ کیمیاء' ص ١١٤٨)

بیوی ہو تو ایسی جو

۱-اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہتی ہو۔

۲-اللہ تعالیٰ کی طلبگار ہو۔

۳-اپنی کوئی خواہش نہ رکھتی ہو۔

۴-فرائض کی پابند ہو۔

۵-دکھ سکھ، غمی خوشی، بیماری صحت وغیرہ میں پرسکون اور صابر و شاکر رہتی ہو۔

۶-آخرت کی بیٹی ہو۔

وہ گھرانے جن میں عورتیں امہات المومنین ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن اور ان کے خاوند رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر اپنی زندگی استوار کر لیتے ہیں تو وہاں

۱- زوجین میں ذہنی و جذباتی ہم آہنگی کے گلاب خوشبو بکھیرتے رہتے ہیں۔

۲- جنت محو خرام رہتی ہے۔

۳- طمانیت و سکینہ کا بسیرا ہوتا ہے۔

۴- غربت و افلاس کے باوجود میاں بیوی میں ایثار و قربانی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

۵- ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں۔

۶- محبت و یگانگت کی خنک و روح پرور ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔

۷- صبر و شکر و قناعت کے عود و عنبر مہکتے رہتے ہیں۔

۸- عورتیں حوران خلد سے بڑھ کر اور ان کے خاوند مقربین خالق کون و مکاں ہوتے ہیں۔

۹- چلتے پھرتے جنتی ہوتے ہیں۔

۱۰- طمع، لالچ اور حرص کا گزر نہیں ہوتا ہے۔

۱۱- فضا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور صلوٰۃ والسلام سے معمور رہتی ہے۔

۱۲- محبت الٰہیہ اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روپہلی قندیلیں روشنی بکھیرتی رہتی ہیں۔

۱۳- عبادت و ریاضت اور تسبیح و تہلیل سے ہر گوشہ آباد ہوتا ہے۔

۱۴- میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے دینی امور میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

۱۵- کسی کے لب پر حرف شکایت نہیں آتا ہے۔

۱۶- میاں بیوی ہر حال میں خوش، راضی برضا اور خواہشات سے پاک ہوتے ہیں۔

۱۷- ہر کام قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سرانجام دیا جاتا ہے۔

۱۸- میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔

۱۹- ماسوا اور دنیا کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔

۲۰- ہر آن خوف خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔

۲۱- عورتیں اگر دامن نچوڑ دیں تو حوریں اور مرد اگر دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کرتے ہیں۔

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے قبل بیوی کے انتخاب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد عالیہ کو مدنظر رکھنا چاہیئے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

وقت نکاح عورت کی چار باتیں دیکھی جاتی ہیں۔

☆ مال

☆ نسب

☆ خوبصورتی

☆ دین

''تجھے دیندار کو حاصل کرنا چاہیئے۔ (اگر تم نہ مانو) تو تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں''۔ (صحیح بخاری ج ۳، حدیث ۸۱)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے اس حدیث مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں ابو الاسود نامی ایک مشہور عرب نے اپنے بیٹوں سے کہا:

''میں نے تم لوگوں پر کئی طرح کے احسانات کئے ہیں۔ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے اور تمہارے پیدا ہونے کے بعد سے لے کر اب تک''۔

بیٹوں نے پوچھا:

''پیدا ہونے سے لے کر اب تک کے احسانات تو سمجھ میں آتے ہیں۔ لیکن جب ہم

لوگ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو آپ نے ہم پر کیسے اور کون سے احسانات کئے تھے‘‘۔

ابوالاسود نے کہا:

’’پیدا ہونے سے پہلے احسان اس طرح کہ ہم نے تمہارے لئے ایسی مائیں منتخب کیں جن کی عفت و پاکیزگی‘ پارسائی وحیا اور اخلاق وکردار کی لوگوں میں شہرت تھی‘‘۔ (حضرت انسان‘ ص ۴۹۳)

یہ واقعہ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ اپنی اولاد پر اس سے بڑا احسان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس کی ماں عفت مآب‘ نیک‘ متقی اور پرہیزگار ہو۔ ایسی ماں کا دودھ پینے والی اولاد پر مرتب ہونے والے مثبت اثرات‘ اسلام سے محبت اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی لگن آخری دم تک برقرار رہتی ہے۔ اس ضمن میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ محترمہ جن کا اسم گرامی فاطمہ‘ کنیت ام الجبار‘ لقب ام الخیر بنت شیخ زاہد ابوعبداللہ صومعی کی زندہ جاوید مثال ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔

اور یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ جب انسان اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس فرمان اور ارشاد کے برعکس کام کرتا ہے تو اسی دروازہ سے مصائب وآلام داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جب وہ ایسے بہت سے دروازے کھول دیتا ہے تو اس کی زندگی پریشانیوں‘ غموں‘ فکروں‘ مایوسیوں اور مصیبتوں کی شکارگاہ بن جاتی ہے۔

سورہ روم کی آیت ۳۶ میں ارشاد خداوندی ہے۔

اور جب انہیں ان کے اپنے ہی پہلے اعمال کے باعث کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

اور اسی سورہ مبارک کی آیت ۴۱ میں ہے۔

لوگ جو کچھ کر چکے ہیں اس کے سبب خشکی اور تری میں خرابیاں پھیل گئی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کچھ اعمال کا مزہ چکھائے۔ شاید وہ اسی طرح لوٹ آئیں۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب کوئی گھرانہ اسلامی تعلیمات سے دور اور احکامات الٰہیہ اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فراموش کر دیتا ہے اور برے اعمال کی فصلیں اگانے لگتا ہے تو اہل خانہ شیطان ونفس کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں خواہشات کی ایسی خوش رنگ تصاویر دکھاتا ہے جنہیں دیکھ کر وہ مدہوش ہو جاتے ہیں اور

پھر وہ ان کی تکمیل میں ہر وہ حد پار کر جاتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہوتا ہے۔ ایسے گھرانے حقیقت میں جہنم کدے ہیں جو ہمارے معاشرے میں حد نظر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ان گھرانوں کے اندر اگر جھانک کر دیکھا جائے تو اہل خانہ توں تکار‘ کشیدگی‘ بیزاری‘ بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف سے مجرمانہ غفلت‘ بدمزگی‘ عدم سکونی‘ کھینچا تانی‘ ذہنی وجذباتی تناؤ‘ خانگی معاملات میں عدم دلچسپی‘ بے صبری وناشکری اور باہمی محبت واحترام وعزت کے فقدان کے شعلوں میں جل رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی خواہشات کی یہ زنجیر اس ستر گز زنجیر سے کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہے جس میں جکڑ کر جہنمیوں کو دوزخ میں پھینکا جائے گا اور اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

خواہشات کی جونکیں جب کسی انسان کے جسم‘ قلب اور روح سے چمٹ جاتی ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ کی طلب میں مبتلا رہتا ہے۔ لہٰذا وہ دنیا کی تمام تر آسائشوں‘ راحتوں اور سہولتوں کے حصول اور عشرتوں اور رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے شبانہ روز پا در رکاب رہتا ہے۔ آخرت کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور دنیا کے حصول ومحبت میں ہی ساری عمر تمام کر دیتا ہے۔

خواہشات کے بارے میں قرآن حکیم جو کہتا ہے اسے پڑھ کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

سورہ اعراف آیت ۱۷۶ میں ہے۔

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے ان کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے اور چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

سورہ الفرقان‘ آیت ۴۳-۴۴ میں ہے۔

کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں۔ نہیں! یہ تو چوپائیوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

سورہ القصص‘ آیت ۵۰ میں ہے۔

اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اپنی خواہشات کی پیروی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کے بغیر کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورہ الجاثیہ، آیت ۲۳ میں ہے۔

ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنالیا ہے اپنا خدا، اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگادی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد کیا تم غور نہیں کرتے۔

سورہ محمد، آیت ۱۴ میں ہے۔

کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے اس بدبخت کی مانند ہے کہ آراستہ کر دیئے گئے اس کے برے اعمال اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہے۔

تفسیر فاضلی میں خواہشات نفسانی کے بارے میں مختلف آیات مبارکہ کی تفسیر میں ایسی بھیانک تصویر کشی کی گئی ہے کہ جن کو پڑھ کر انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً

☆ خواہشات کو معبود ٹھہرانے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس کا دل غیر کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ غیر کی ہی سنتا ہے۔ خیر سے دور ہو جاتا ہے۔ حال پر خوف وحزن میں گھرا رہتا ہے۔

☆ فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والے بظاہر انسان بھی ہوں تو اپنی خواہشات کے مطابق جانور صفت ہی ہوتے ہیں۔

☆ جو کان خواہش نفس سے لگے ہوں، وہ بہرے ہیں۔ جو زبان خواہش نفس کے تابع ہو، وہ گونگی ہے اور جو آنکھیں خواہشات نفس کے تحت دیکھیں، وہ اندھی ہیں۔

☆ شیطان ہمیشہ لوگوں کو خواہشات میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ جو خواہشات کو معبود بنالیتا ہے وہ ظلمات میں ہے۔

☆ حق کے مقابل خواہشات کو اہمیت دینا وہ برا کام ہے جس سے سب برائیاں جنم لیتی ہیں۔

حضرت فضل شاہ نوروالے قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

شیطان لوگوں کے سامنے ان کی خواہشات بکھیر دیتا ہے اور وہ اس میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ انہیں پکڑ پکڑ کر ذبح کرنا شروع کر دیتا ہے اس لئے چاہ نچن کی نچ ہے۔ اس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور پھینک دیا ہے۔

خواہشات کے بندے کو اخروی زندگی کا یقین نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ضرورت مند

اور خواہشات کا غلام چور اور ڈاکو ہے خواہ اس نے کوئی لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ چاہت، ندامت اور خوشامد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی شے کی چاہت کی جائے تو انسان شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان جب تک خواہش اور غرض وغایت سے پاک نہ ہو، انعام یافتہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خواہشات کی اتباع نہ کرو۔ یہ تمہیں بے راہ کر دیں گی۔ دنیا میں جتنے بھی گھر اور گھر سے باہر معاشرے میں فسادات اور جھگڑے سر اٹھاتے ہیں۔ ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ خواہشات کا شاخسانہ ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے اور سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

۱- ہمارا گھر جہنم کدہ ہے یا جنت بداماں۔
۲- بچوں اور بچیوں کا رشتہ تلاش کرتے وقت ہم دینداری کو اہمیت دیتے ہیں یا دنیا کو۔
۳- کیا ہم نیکی کی راہ میں حائل برائی کو ہٹاتے ہیں یا اس کے الٹ کرتے ہیں۔
۴- کیا ہم خواہشات کے غلام ہیں یا نہیں۔
۵- کیا ہم اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت تعلیمات اسلامیہ کے مطابق کرتے ہیں یا نہیں۔
۶- کیا ہم صابر وشاکر ہیں یا نہیں۔
۷- کیا ہم میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق بطریق احسن ادا کرتے ہیں یا نہیں۔
۸- کیا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں یا دنیا کو۔
۹- کیا ہم علماء حق اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور ولیوں کی محفل میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔
۱۰- کیا ہم راضی برضا رہتے ہیں یا نہیں۔
۱۱- کیا ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر ذکر ہوتا ہے یا دنیا کا۔

ان سوالات کے جوابات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم کس راہ کے مسافر ہیں اور ہمارا رخ کس طرف ہے۔ وقت کا دھارا بڑی تیزی سے بہہ رہا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو دنیا کا یہ جہنم کدہ آخرت کی جہنم میں تبدیل ہو جائے گا جہاں کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

کسی کو حقیر نہ سمجھو

ایک شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

''تمہاری حاجت پوری کردی گئی''۔

عرض کیا گیا:

''اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس کا رقعہ تو پڑھتے اور پھر اس کے مطابق جواب دیتے''۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''وہ میرے سامنے ذلت کے ساتھ کھڑا رہتا تو پھر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھتا''۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۵۵۵)

صاحبو! بحیثیت انسان سب لوگ برابر ہیں۔ نظام دنیا کو چلانے کے لئے انسان مختلف پیشوں سے منسلک ہوتا ہے اور ہر پیشہ اپنی جگہ اہم ہے۔ اگر کسی ایک پیشہ کو یکسر ختم کردیا جائے تو نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر جفت سازی کو ختم کردیا جائے تو سب لوگ ننگے پاؤں پھریں۔ اس لئے پیشے کے لحاظ سے کسی کو کہتر و اعلیٰ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ سب کی عزت نفس ہوتی ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کو مجروح کیا جائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ پھلدار درخت ہمیشہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ بعینہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کی عظمت و برتری تقاضا کرتی ہے کہ عجز و انکساری کا مرقع ہو تو خود کو سب سے ادنیٰ خیال کرے کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کسی کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے ارشاد فرمایا:

بخدا تم میں سے کوئی شخص دوزخیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے اور کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے۔ (شرح مسلم، ج ۱، ص ۲۹۲)

نواسۂ رسول حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرز عمل سے بخوبی آشکارا ہوجاتا ہے کہ ان کی نظر میں انسان کی کیا قدر و منزلت ہے۔ انہوں نے حاضر ہونے والے شخص کو اپنے سامنے اتنی دیر بھی کھڑا کرنا گوارا نہ کیا کہ اس کی درخواست پڑھ کر جواب دیتے۔ ان کا یہ فرمانا آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

''وہ میرے سامنے ذلت سے کھڑا رہتا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھتا''۔

بزرگانِ دین اور اولیاء کاملین اپنے اسلاف کے نقش پا پر ہوتے ہیں۔ ان کے آستانوں پر ہر شخص کو احترام و عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کسی کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اس سے جداگانہ سلوک روا نہیں رکھا جاتا ہے۔ ہر آنے والے کو خدائی مہمان سمجھ کر اس سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ وہ آنے والے کو نہیں، بھیجنے والے کو دیکھتے ہیں۔ یہ عجز و انکساری کا پیکر ہوتے ہیں جو

☆ صفت انبیاء ہے۔
☆ زیور انسانیت ہے۔
☆ مومن کی شان ہے۔
☆ اخلاق کی روح رواں ہے۔
☆ بے خزاں بہار ہے۔
☆ اثمار شیریں کا شجر لازوال ہے۔
☆ محبت کا نور ہے۔
☆ نغمہ کیف و سرور ہے۔
☆ رنگ سرمدی ہے۔

☆ حسن بے پایاں ہے۔
☆ سر دلبراں ہے۔
☆ مژدۂ جنت الفردوس ہے۔
☆ شیوۂ اولیاء اللہ ہے۔ اور
☆ تحفۂ خداوندی ہے۔

کہتے ہیں ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ چند کتے ان کے سامنے آ گئے۔ ان کو دیکھ کر مریدوں نے اپنے دامن اٹھا لئے۔ پیر صاحب نے بھی اپنا دامن کھینچ لیا۔

پھر انہوں نے مریدوں سے پوچھا:

''دامن اٹھانے سے تمہارا کیا مقصد تھا''۔

بولے:

''تاکہ ہمارے کپڑے گندے نہ ہو جائیں اور نماز کے قابل نہ رہیں''۔

پیر صاحب نے فرمایا:

''میری غرض یہ تھی کہ کہیں میرے دامن سے وہ کتا ناپاک نہ ہو جائے''۔

(مکتوبات صدی' ص ۳۴۵)

خود کو حقیر سمجھنے کی یہ انتہائی مثال ہے۔ یہ اللہ والے جانتے ہیں کہ جو شخص فروتنی و عاجزی اختیار کرتا ہے تو دنیا و آخرت میں رحمتیں' برکتیں' آسانیاں' خوبیاں اور محبوبیاں اس کے ہمرکاب ہو جاتی ہیں۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ دو مثالیں رہتی ہیں۔ ایک وہ جب جد امجد سیدنا حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو انہیں جنت سے اس دنیا میں بھیج دیا گیا۔ کئی سال وہ عجز و انکساری اور رو رو کر توبہ استغفار کرتے رہے تو رحمت خداوندی سے در توبہ کھول دیا گیا اور دوسری جب ختم المرسلین رحمۃ العالمین' نور مجسم محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا:

''اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے لئے کیا لائے ہو''۔

عرض کی:

''اے بار الٰہ! وہ چیز لایا ہوں جو تیرے پاس نہیں ہے''۔

فرمایا:

''وہ کیا؟''

عرض کی:

''عاجزی''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''میں تم کو جنت والوں کی خبر نہ دوں۔ وہ ضعیف ہیں جن کو لوگ ضعیف حقیر جانتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دے۔ اور کیا میں جہنم والوں کی خبر نہ دوں۔ وہ سخت گو اور سخت خو تکبر کرنے والے ہیں''۔

(بہار شریعت' ج ۱۶' صحیح بخاری)

ان نفوس قدسیہ کی یہ شان ہوتی ہے کہ مخلوق خدا میں سے کسی کے ساتھ بھی نیکی کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔

حضرت عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جا رہے تھے۔ میں نے عورت کی جگہ لے لی۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ میں نے اس عورت سے پوچھا:

''تیرا اس میت سے کیا رشتہ ہے''۔

وہ بولی:

''یہ میرا بیٹا ہے''۔

میں نے حیرانگی سے پوچھا:

''کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں''۔

وہ کہنے لگی:

''ہیں۔ مگر انہوں نے اسے حقیر سمجھا''۔

میں نے سنا تو کہا:

''یہ لڑکا کیا تھا؟''۔

عورت نے جواب دیا:

''یہ مخنث تھا''۔

یہ سن کر مجھے اس عورت پر رحم آیا۔ میں اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا اور اسے پیسے' گندم

اور کپڑے دیئے۔

جب رات کو سویا تو خواب میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ اس نے سفید کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔

میں نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''۔

اس نے جواب دیا:

''میں وہی مخنث ہوں جسے تم نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بخش دیا ہے کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے''۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۷)

کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ کے ولیوں کی تو شان یہ ہے کہ وہ کسی سے حقارت نہیں کرتے ہیں۔ وہ غرور و تکبر اور انا و نخوت کے قریب سے نہیں گزرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اردگرد پھیلے ہوئے معاشرے کا بغور مطالعہ کریں وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ بجز الا ماشاء اللہ اکثریت کا حال یہ ہے کہ اپنے سے کمتر کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ بڑے زمینداروں کے سامنے ان کے مزارع اور کارندے دست بستہ سر جھکائے پہروں کھڑے رہتے ہیں۔ افسران بالا، امراء اور وزراء کے سامنے ان کا ماتحت عملہ ذلت کی تصویر بنا کھڑا ہوتا ہے۔ انہیں بیٹھنے تک کہا نہیں جاتا ہے۔ ان کی تضحیک و تذلیل کے علاوہ انہیں غیر ضروری طور پر دیر تک بٹھائے رکھتے ہیں اور احساس تک نہیں کرتے کہ ان کی بھی کوئی زندگی ہے۔ بال بچوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان کا حق بھی دیتے وقت ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ان پر احسان کر رہے ہوں۔ یہی تکبر ہے لیکن جب یہ زمیندار، اعلیٰ افسران، امراء اور وزراء وغیرہ باتیں کرتے ہیں تو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان جیسا انسان دوست اور کوئی نہیں ہے۔

تکبر منافقانہ و ظالمانہ صفت ہے۔ بظاہر شیریں اور باطن میں ایلوا سے زیادہ کڑوی ہے۔ اس سے انسان کے اندر انگنت خباثتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں لیکن متکبرین کو اس کا ادراک تک نہیں ہوتا کہ وہ کس جال میں پھنس گئے ہیں۔

قدرت متکبر پر خندہ زن ہوتی ہے۔ سنبھلنے کے لئے ڈھیل اور مہلت عطا کرتی ہے۔ ہدایت کی راہ دکھاتی ہے۔ خیر کی طرف رخ موڑنے کا موقع فراہم کرتی ہے لیکن اس کے باوجود جب وہ اپنی روش پر گامزن رہتا ہے تو اس کے غرور کا سر نیچا کر دیا جاتا ہے۔ اگر

☆ کوئی ولی اللہ متکبر ہو تو اس کی ولایت چھن جاتی ہے۔

☆ کوئی صاحب علم متکبر ہو تو اس سے علم کی روح سلب کر لی جاتی ہے۔

☆ کوئی عالم اور واعظ متکبر ہو تو اس کی عزت خاک میں ملا دی جاتی ہے۔

☆ کوئی عابد و زاہد متکبر ہو تو اس کی عبادت اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔

☆ کوئی حسب و نسب پر متکبر ہو تو اس کی زبان بے لگام کر دی جاتی ہے۔

☆ کوئی مالدار متکبر ہو تو اس کو ہوئی و ہوس و لالچ کے بچھوؤں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

☆ کوئی شہزور متکبر ہو تو اسے ظلم کا لبادہ اوڑھا دیا جاتا ہے۔

☆ اگر حاسد و اہل تفاخر متکبر ہو تو اسے حسرتوں کے مرض میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

☆ کوئی خواجہ و پیر متکبر ہو تو مریدوں کو ان کا نجات دہندہ باور کرانے کے خبط میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

☆ کوئی حکمران متکبر ہو تو دنیا و آخرت میں مختلف عذابوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ فی زمانہ جگہ بہ جگہ مختلف انداز، رنگ اور روپ میں تکبر کی نمائش و حکمرانی ہے۔ لاریب تکبر اور بھلائی کے درمیان کوئی تال میل نہیں ہے۔ یہ تو بربادی تک پہنچنے کی برق رفتار سواری ہے۔ سینکڑوں بلاؤں اور آفتوں کا تنہا آسیب ہے۔ ایسا سحر سامری ہے جو لمحوں میں نیکیوں کا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔ انسانی وجود میں یہ فتنہ عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر تکبر کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ سورہ النساء آیت ۳۶ میں ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں اور شیخیاں بگھارتے ہوں۔

۲۔ سورہ النساء آیت ۱۷۳ میں ہے۔

اور جنہوں نے بندگی سے گریز کیا اور تکبر کیا وہ انہیں دردناک عذاب دے گا۔

۳۔ سورہ اعراف آیت ۱۴۶ میں ہے۔

میں عنقریب اپنی آیات کے فہم سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق تکبر کرتے ہیں۔

۴۔ سورہ نحل آیت ۲۳ میں ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الف: متکبر حق سے محروم ہوجاتا ہے۔اس کا دل اللہ تعالیٰ کی آیات معرفت سے اندھا ہوجاتا ہے اور احکام خداوندی کے فہم کے متعلق اس کا ذہن کند ہوجاتا ہے۔

ب: اللہ تعالیٰ متکبر پر غصہ اور ناراض ہوتا ہے۔

ج: دنیا و آخرت میں متکبر کے لئے ذلت و خواری ہے۔

د: متکبر پر آفت و مصیبت یہ ٹوٹتی ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا۔

عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ تکبر کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے۔ عجز و انکساری کی راہ اختیار کی جائے اور کسی کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ اگر کسی عابد و زاہد میں بھی تکبر کا مرض ہے اور وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو پھر بربادی اس کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص اپنے زمانے کا سب سے بڑا عابد تھا اور اس کے برعکس ایک دوسرا شخص اپنے وقت کا بدترین فاسق تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ عابد شخص دھوپ میں بیٹھا ہے اور بادل کے ایک ٹکڑے نے اس پر سایہ کر رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں جذبہ استغفار بیدار ہوا اور سوچا۔

''میں کیوں نہ اس عابد شخص کے ساتھ ہی جا بیٹھوں۔ کیا عجب کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے''۔

چنانچہ وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ عابد شخص نے کہا:

''یہ میرے ساتھ آ بیٹھا ہے کہ اس جیسا نابکار و نابنجار آدمی اس زمانے میں ملنا دشوار ہے''۔

لہٰذا اسے اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ لیکن جب وہ چلا تو بادل کا ٹکڑا اس فاسق کے سر پر سایہ فگن ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی۔

''ان دونوں سے کہہ دیں کہ اپنے اپنے اعمال کا از سر نو آغاز کریں۔ فاسق نے

جو کچھ کیا ہم نے اسے اس کے ایمان کی نیکی قرار دیتے ہوئے بخش دیا ہے اور اس عابد کی عبادت اس کے تکبر کی وجہ سے اس سے چھین لی ہے''۔

(نسخۂ کیمیا' ص ۴۹۲)

ہمارا حال کیا ہے۔

☆ کیا ہم عجز و انکساری کی دولت سے مالا مال ہیں۔
☆ کیا ہم اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہیں کہ احترام آدمیت کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم اپنے قول و فعل اور طرز عمل سے لوگوں کو ذلیل و خوار اور بے عزت تو نہیں کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم لوگوں سے حقارت تو نہیں کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم کسی نوع غرور و تکبر کا شکار تو نہیں ہیں۔

ان سوالات کے جوابات آپ کے اندر ہی موجود ہیں۔ فیصلہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جنت اور دوزخ کے دونوں دروازے بھی آپ کے سامنے کھلے پڑے ہیں جس میں چاہیں داخل ہوجائیں۔

موت خرید و موت

ایک دن حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''انسان کا حال کیا ہے؟''

آپ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا:

''ایک شخص جنگل میں جا رہا ہو تو اس کے پیچھے اگر شیر آ رہا ہو تو مارے خوف کے بھاگنے لگتا ہے۔ بھاگتے بھاگتے تھک جاتا ہے تو سامنے ایک گڑھا دکھائی دیتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اس میں چھلانگ لگا کر شیر سے جان بچا لوں لیکن گڑھے میں ایک اژدھا نظر آتا ہے تو بدحواس ہو جاتا ہے۔ پیچھے شیر اور آگے اژدھا کا خوف دامنگیر ہو جاتا ہے کہ ایک درخت پر نظر پڑتی ہے۔ وہ جلدی سے اس پر چڑھنے لگتا ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ درخت کی جڑ کو سپید اور سیاہ رنگ کے دو چوہے کاٹ رہے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ درخت کے گرنے سے وہ شیر کا نوالہ بن جائے گا۔ معاً اس کی نظر درخت پر لگے ہوئے شہد کے چھتے پر پڑتی ہے تو وہ اس کے کھانے میں اس قدر مشغول و محو ہو جاتا ہے کہ تمام خوف و خدشات کو فراموش کر دیتا ہے۔ اسی اثناء میں درخت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ وہ شخص نیچے گر پڑتا ہے۔ شیر اسے چیر پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیتا ہے اور اژدھے کی خوراک بن جاتا ہے۔

اس مثال کو انسان اپنے حال پر چسپاں کر لے۔ جنگل سے مراد دنیا ہے اور شیر موت ہے جو ہر لحظہ انسان کے تعاقب میں ہے۔ گڑھا قبر ہے اور اس میں بیٹھا اژدھا اس کے اعمال بد ہیں۔ چوہے دن رات اور درخت عمر ہے اور شہد کا چھتہ دنیا کی لذات و شہوات ہیں جو اسے آخرت سے غافل کر دیتی ہیں اور پھر اچانک اسے موت آ دبوچتی ہے۔

صاحبو! دنیا کی لذات و شہوات جو بظاہر شہد کی مانند شیریں ہیں' انسان ان کی حلاوت میں اس طرح مگن ہو جاتا ہے کہ اسے ان کے اندر نہاں ایلوا سے کہیں زیادہ کڑواہٹ کا احساس و

ادراک تک نہیں ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی دلفریبیوں میں سرتاپا اس قدر غرق ہوتا ہے کہ اسے اس کی گردن میں پڑے ہوئے لحات کی فولادی زنجیریں جو اسے موت کی وادی کی طرف بڑی آہستگی سے گھسیٹ رہی ہوتی ہیں۔ محسوس تک نہیں کرتا کہ وہ کس منزل کا مسافر ہے۔ اس کا حال اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو عالم بیداری میں سو رہا ہو۔ اس خواب غفلت سے وہ اس وقت جاگتا ہے جب سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے۔ لیکن اس ہنگام وہ کف افسوس ملتا ہوا صرف یہی کہتا ہے۔

''کاش میں نے دنیا کو دنیا کے مقام پر رکھا ہوتا اور اس کے بطن سے صرف آخرت کو سنوارنے کے لئے توشہ اکٹھا کرتا''۔

لیکن چڑیوں کے کھیت چگنے کے بعد واویلا چہ معنی دارد۔

بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ پہلے لوگ موت کو سامنے اور تمناؤں کو پیچھے رکھتے تھے جس سے وہ بارگاہ خداوندی میں جوابدہی کے خوف سے لرزاں رہتے تھے اور ان کے افکار و خیالات اور افعال و اعمال کا محور آخرت تھی اور پھر ایسا وقت آیا کہ لوگوں نے موت کو پیچھے اور تمناؤں کو آگے کر لیا جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خواہشات کے آسیب میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ موت سے خوفزدہ رہنے لگے ہیں۔

ایک دن خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک جب مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو بہت بڑے عالم دین تھے بلوا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو خلیفہ نے پوچھا۔

''آخر یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے بے حد درجہ ناخوش ہوتے ہیں''۔

انہوں نے جواب دیا:

''اس لئے کہ تم نے دنیا کو (بڑے چاؤ اور رغبت سے) آباد کر رکھا ہوتا ہے۔ اور عاقبت کو (غفلت و تساہل) سے اجاڑ دیا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص آبادی سے ویران و سنسان جگہ پر جائے تو وہ ناخوش ہوا کرتا ہے''۔ (نسخۂ کیمیا ص ۳۸۹)

اگر ایک ہاتھ میں خزف ریزے اور دوسرے میں زر و جواہر ہوں تو اس کے باوجود اگر کوئی خزف ریزوں کو ترجیح دے تو یہ ماورائے عقل و دانش ہے۔ دنیا سے محبت کرنے والے لوگ ہر آن آخرت کو ویران کر رہے ہیں کیونکہ ان کی دانست میں دنیا آباد اور آخرت ویران ہے۔ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے تو دنیا سے محبت کیوں کرتے لہٰذا آبادی سے ویرانے کی طرف جانے کو

کوئی پاگل ہی پسند کرتا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو موت کو سامنے رکھتے ہیں وہ اس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ

☆ وصل کا دروازہ ہے۔

☆ بداعمالیوں سے دور رکھتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے چراغ سینوں میں روشن کرنے میں مدد دیتی ہے۔

☆ علائق دنیا سے محفوظ رکھتی ہے۔

☆ دنیا کے فریبوں میں مبتلا ہونے سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔

☆ خواہشات، نفس اور شیطان کی زنجیروں کو توڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

☆ آخرت کے لئے توشہ اکٹھا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

☆ مال و زر کی حرص وطمع سے پاک رکھتی ہے۔

☆ قرآن وحدیث کے سیدھے راستوں پر چلنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

☆ اولیاء اللہ، بزرگانِ دین اور علماء حق کے قریب کر دیتی ہے۔

☆ آخرت کو سنوارنے کے لئے راہیں ہموار کرتی ہے۔

☆ سانسوں کے زرنقد سے نیکیوں کے بیوپار میں رہنمائی کرتی ہے اور

☆ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو اس سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والے معنوی لحاظ سے تو موت سے پہلے مر چکے ہوتے ہیں لیکن ظاہری موت کے منتظر رہتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ان کی روح شہر پناہ کے باہر شاہی قاصد کا انتظار کرتی ہے کہ آئے اور لے جائے اور اگر انہیں کبھی راہ خدا میں جان دے کر موت خریدنا پڑے تو بخوشی خرید لیتے ہیں۔

سیر و مغازی کی کتابوں میں ایسے واقعات موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں کہ مجاہدین اسلام خطرناک سے خطرناک محاذ پر سرپٹ بھاگ کر جاتے تھے جہاں موت چھپی ہوتی تھی۔ وہ اس سے آنکھیں چار کر کے خنداں بہ لب اس سے ملاقات کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن سے وہ محبت کرتے ہیں ان کو راضی اور

خوش کرنے کا فقط یہی ایک راستہ ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

''موت وصال کا دروازہ ہے۔ موت موت کے لئے ہے، زندگی کے لئے نہیں۔

جو شخص رب ودود اور اس کے محبوب رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے وہ در حقیقت زندہ ہے اور جوان سے محبت نہیں کرتا وہ مردہ ہے''۔

(اخص الخواص، ص ۱۹۰)

دوستو! لاریب موت سے خوف نہ کھانے والے ہی

☆ سربلندی اسلام کے پھریرے لہراتے ہیں۔

☆ ہر سو توحید کا ڈنکا بجاتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں اور

☆ بڑے بڑے معرکے سرانجام دیتے ہیں۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعشق کرتے ہیں۔

محبت کرنے والوں کے انداز دنیا جہان سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ حضرت محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں۔

میں نے ایک عبادت گزار عورت کو دیکھا وہ رو رہی تھی۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے شوق اور اس سے ملاقات کی چاہت میں کہہ رہی تھی۔

''اللہ تعالیٰ کی قسم میں دنیا سے تنگ آ چکی ہوں۔ اگر موت مجھے خریدنے سے ملے تو میں اسے خرید لوں''۔

حضرت محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا:

''کیا تجھے اپنے عمل پر اطمینان ہے''۔

اس نے کہا:

''نہیں...... لیکن میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے بارے میں حسن ظن کی وجہ سے ایسا کہتی ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے وہ مجھے اس سے محبت کے باوجود عذاب دے گا''۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۴، ص ۸۰۵)

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے لوگ دار آخرت کو سدھارتے ہیں اور وہاں کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور انعام واکرام سے جھولیاں بھرتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

''دنیا میں رہ کر ہم نے وقت ضائع کیا ہے۔ یہاں تو بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا۔ آخرت کی راحتوں کے مقابل دنیا کی خوشیوں' لذتوں اور رنگینیوں کی تو پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں ہے''۔

ایک مرتبہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالمالک نے حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا:

''لوگ جب حق تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا''۔

انہوں نے فرمایا:

''نیک لوگوں کا وہاں جانا تو ایسے ہوگا جیسے سفر سے آنے والے کا اپنے عزیزوں کے ہاں جانا ہوتا ہے اور بدکار شخص وہاں ایسے جائے گا جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام ہو اور اسے زبردستی پکڑ کر مالک کے پاس لے جایا جا رہا ہو''۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۳۸۹)

ہر کہانی اور واقعہ اپنے اندر ایک سبق اور درس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے استفادہ صرف وہی کرتا ہے جس کے اندر طلب صادق ہو۔

ہمارا حال کیا ہے۔

☆ ایسا جیسے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے یا نافرمان بھاگے ہوئے غلام کی طرح جسے پکڑ کر مالک کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔
☆ کیا ہم موت کو یاد رکھتے ہیں۔
☆ کیا ہم بداعمالیوں سے دور رہنے کی سعی کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم دنیا کی گہما گہمی میں غفلت کا شکار ہیں۔
☆ کیا ہم نے موت کو سامنے رکھا ہوا ہے یا پیچھے۔
☆ کیا ہم مرنے سے پہلے مر گئے ہیں۔
☆ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔
☆ کیا ہم موت کے خریدار ہیں۔

ان سوالات کے جوابات اپنے اندر رہنمائی کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان سے رہنمائی حاصل کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔

اے مصیبتو! کہاں ہو؟

جب حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا تو ان سے ملاقات کے لئے کچھ لوگ آ گئے۔ انہوں نے پوچھا:

''تم کون ہو''

آنے والوں نے کہا:

''ہم تمہارے دوست ہیں اور آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں''۔

جب یہ سنا تو حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ لہٰذا زیارت کے لئے آنے والے لوگ بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''اے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے تو میرے آزمانے پر صبر کرتے''۔

(رسالہ قشیریہ' ص ۳۸۳)

صاحبو! دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو مصائب وآلام سے دوچار نہ ہوتا ہو۔ زندگی ان سے عبارت ہے۔ ان سے کسی نوع مفر نہیں ہے۔

بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

مصائب انسان پر اس کی اپنی ذات کی طرف سے بھی وارد ہوتے ہی۔ اور اس کی وجہ اس کا شرک اور ناقص اعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ بات بھی اس کی جبلت میں شامل ہے کہ وہ دوسروں کی بات شک وشبہات سے سنتا اور اپنی بات کو خواہشات کے تحت کرتا ہے۔ اور مصائب وآلام کو سبب کے ساتھ منسلک کر دیتا ہے۔ اور جب مصائب اور دکھ دوسروں کی طرف سے اس کی طرف آتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے اور انتقام پر اتر آتا ہے۔ لیکن ان کو وہ منجانب اللہ نہیں سمجھتا ہے۔ اگر سمجھتا تو دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات منقطع نہ ہوتے۔ یہ

لوگوں کی اکثریت کا حال ہے۔

مصائب جب خاص لوگوں کو گھیرتے ہیں تو اس کی وجہ بھی ان کے ناقص اعمال ہی ہوتے ہیں۔ وہ فوراً محتاط ہو جاتے ہیں۔ توبہ استغفار کرتے ہیں جس سے مصائب دور ہو جاتے ہیں۔

لیکن جب مصائب و آلام خاص الخاص افراد کا رخ کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی کوئی ناپسندیہ اور ناقص بات نہیں ہوتی بلکہ ان کی آڑ میں ان کو مزید انعام و اکرام اور مقامات و درجات عطا کرنے ہوتے ہیں جس پر وہ صبر و شکر کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں کا اس بات پر پختہ یقین و ایقان ہوتا ہے کہ ان پر نازل ہونے والے مصائب رب کریم کی طرف سے ہیں۔ ان کا یہ بھی ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے لہٰذا ان کا حال وہی ہوتا ہے جو محبوب کو سامنے پا کر کسی محبّ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا محبوب کی موجودگی میں کسی تکلیف و مصیبت کا احساس تک نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ان کے لئے تحفہ ہوتی ہے اور خوش ہوتے ہیں لہٰذا ان کی روح مستانہ وار جھوم اٹھتی ہے۔

کہتے ہیں ایک شخص کو عاشقی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا۔ پھر اسے پانچ سو کوڑے لگائے گئے۔ وہ کوڑے کھاتا تھا اور مسکراتا تھا۔ لوگوں نے کہا:

''یہ عجیب طرح کا آدمی ہے۔ کوڑے کھاتا ہے پھر بھی مسکراتا ہے''۔

اس نے جواب دیا:

''تمہیں کیا خبر، جس وقت مجھ پر کوڑے برس رہے تھے میرا معشوق میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ میں جمال یار میں اس قدر منہمک تھا کہ مجھے کوڑے لگنے کی خبر تھی نہ ان کے چوٹ کی تکلیف کا احساس تھا''۔ (مکتوبات صدی، ص:۲۳۶)

یہ واقعہ ایک دنیادار عاشق کا ہے جسے اس کی محبوبہ کی موجودگی کے احساس سے اس پر برسنے والے کوڑوں کی ذرہ برابر تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن اولیاء اللہ کا بہت بلند و بالا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔ وہ رب ودود سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ اس کی موجودگی میں وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو خندہ پیشانی سے اس طرح برداشت کرتے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی ہے۔ وہ دوست کی طرف سے بھیجی گئی تکلیف کو دوست کا تحفہ سمجھ کر سینے سے لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا اپنا مقام ہوتا ہے

اور وہ اسی لحاظ سے مصائب و تکالیف کا استقبال کرتے ہیں۔ مثلاً

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں جو تکلیف پر صبر نہ کرے۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وہ عشق کے راستہ کے قابل نہیں جو تکلیف پر شکر نہ کرے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص دوست کی دی ہوئی تکلیف پر لذت نہ پائے اس کا دعویٰ محبت صحیح نہیں ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جو شخص محبوب کے مشاہدے میں درد کو نہ بھول جائے اسے محبت کا دعویٰ کرنا روا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی عیادت کو آئے اور کہا:

''کچھ دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے مرض کی تکلیف آسان کر دے''۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا نے جواب دیا:

''کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ بیماری محبوب کی طرف سے آتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کے رفع ہونے کی درخواست کرنی مسلک رضا کے خلاف ہے''۔

(سوانح حضرت رابعہ بصری، ص ۱۵-۱۶)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا کا یہ قول بڑا مشہور ہے کہ جس روز ان پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی تھی تو کہتی تھیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔

ایک ولی اللہ تکلیف کی وجہ سے آہ وزاری کر رہا تھا۔ دوسرے نے کہا:

''یہ کیا کر رہے ہو''۔

بولا:

''اللہ تعالیٰ کی مار سے لطف اٹھا رہا ہوں''۔

ایک مرتبہ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اہلیہ محترمہ کو چوٹ لگنے سے ان کا ناخن ٹوٹ گیا۔ لیکن وہ ہنسنے لگیں۔ لوگوں نے پوچھا:

''کیا آپ کو درد نہیں ہو رہا''۔

انہوں نے جواب دیا:

''ثواب کی خوشی میں مجھے درد کا احساس نہ رہا''۔

اللہ کے نیک بندے نیکیوں پر حریص ہوتے ہیں۔ نیکی انہیں جس رنگ، روپ اور انداز سے ملے وہ خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے ہیں اور تکلیف میں بھی راحت محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طرف نیکیوں کی لوٹ سیل لگا رکھی ہے۔ قدم قدم پر نیکیاں بکھری پڑی ہیں لیکن ان کو سمیٹنا انسان کا اپنا کام ہے۔ مثلاً

☆ راستے میں پڑے ہوئے پتھر کو ہٹانا۔

☆ کسی بوڑھے اندھے کو سڑک پار کرانا۔

☆ کسی کو سلام کرنا۔

☆ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

☆ کسی کی مصیبت میں مدد کرنا۔

ہر شخص دنیا میں دوست بناتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے نقش قدم پر چلے تا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے۔ لیکن بجز الا ماشاء اللہ اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ متاع دنیا، تکمیل خواہشات کے لئے کوشاں و سرگرداں ہے اور راستے میں بکھری نیکیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی ہے۔ جیسے ان کی طرف سے اندھی ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

چاہ چوہڑی چاہ چماری چاہ نیچن کی نیچ
تم تو ہوتے برہمنی گر چاہ نہ ہوتی بیچ

اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبت کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف سے بھیجی ہوئی مصیبت کو مصیبت نہ سمجھا جائے بلکہ تحفۂ یار سمجھا جائے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ رب کریم سے محبت کا اس سے ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ اس نے سورہ ال عمران کی آیت ۳۱ میں فرمایا ہے۔

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ سچا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

کہتے ہیں ایک شخص فقیروں کی جماعت میں پہنچ گیا اور السلام علیکم کہا۔ فقراء نے پوچھا:

''تم کون ہو''۔

اس نے جواب دیا:

''فقیروں کا غلام ہوں''۔

ان فقیروں میں سے ایک نے ایک فقیر کو حکم دیا۔

''اس غلام کو بازار میں بیچ آؤ''۔

وہ اسے بازار لے گیا اور فروخت کر دیا۔

خریدار نے جب غلام کی خدمت گزاری اور دیگر احوال کا مشاہدہ کیا تو پوچھا:

''تم جیسا آدمی غلام کیسے بن گیا''۔

اس نے کہا:

''میں نے فقیروں کے گروہ کے سامنے ان کی غلامی کا دعویٰ کیا تھا۔ انہوں نے دعوے کی دلیل طلب کی اور اس کی دلیل یہی ہو سکتی تھی جو آپ نے دیکھا''۔

خریدار نے سنا تو اسے آزاد کر دیا۔ (مکتوبات دوصدی، ص ۳۰۰)

لاریب دعویٰ محبت الٰہیہ کو اتباع محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور جب کوئی اس پر پورا اترتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور محبوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر جب اس کی طرف سے کوئی تکلیف یا مصیبت آتی ہے تو یہ اس کی طرف سے آزمائش نہیں بلکہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی بلندی درجات کی نوید ہوتی ہے۔ انگنت انعام و اکرام کی عطا ہوتی ہے اور جس کی طرف بھیجی گئی ہوتی ہے تو وہ اس کا پہلے سے منتظر بیٹھا ہوتا ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے۔

''اے مصیبتو کہاں ہو''۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ مصائب و آلام میں ہمارا رویہ کیا ہوتا ہے۔

☆ مصائب و آلام میں، ہم عام لوگوں کی طرح چیختے چلاتے، واویلا کرتے ہیں یا خاص لوگوں

کی طرح اپنے اعمال کا رخ درست کرتے اور توبہ واستغفار کرتے ہیں یا خاص الخاص لوگوں کی طرح خنداں بہ لب صابر وشاکر رہتے ہیں۔

☆ محبت الٰہیہ کے ثبوت میں کیا ہمارے پاس اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل موجود ہے۔

سوچ لیں۔

ہوش کے ناخن لو

ایک دن حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور عرض کی:

"یا حضرت! مجھے نصیحت فرمائیں جس سے پاکیزہ زندگی اختیار کر سکوں"۔

سماعت فرمایا تو کہا:

"اگر منظور کرو تو چھ نصیحتیں کرتا ہوں"۔

"فرمائیں"

اس شخص نے کہا اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ آپ نے اپنی زبان درفشاں سے فرمایا:

"پہلی نصیحت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو اس کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ"۔

"پھر کھاؤں کہاں سے"۔

وہ شخص بولا۔ آپ نے کہا:

"یہ زیبا نہیں دیتا کہ جس کی روزی کھاؤ' اس کی نافرمانی بھی کرو"۔

وہ شخص سوچنے لگا۔ آپ پھر گویا ہوئے۔

"دوسری نصیحت یہ ہے کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت سے باہر نکل کر گناہ کرو"۔

اس نے عرض کیا:

"ساری کائنات اسی کی ہے' کوئی کہاں جائے"۔

اس کی بات سن کر آپ نے کہا:

"یہ نامناسب ہے کہ اللہ کی بادشاہت میں بھی رہے اور گناہ بھی کرے"۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے فرمایا:

"تیری نصیحت یہ ہے کہ اگر گناہ کرو تو ایسی جگہ کرو جہاں کوئی دیکھ نہ رہا ہو"۔
اس شخص نے عرض کیا:
"اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے اور وہ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے"۔
اس کا جواب سن کر آپ نے فرمایا:
"جب رزق اس کا کھاتے ہو۔ رہتے اس کی زمین پر ہو۔ تو اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں کا انصاف ہے"۔
وہ شخص سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا۔ آپ نے پھر اپنے لبوں کو جنبش دی۔
"چوتھی نصیحت یہ ہے کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہنا کہ ذرا توبہ کرنے کی مہلت دے دے"۔
یہ سنا تو وہ شخص جھٹ سے بولا:
"یا ناممکن ہے وہ میرا کہا کب مانے گا"۔
"جب یہ حالت ہے تو اس کے آنے سے قبل توبہ کر لینی چاہئے"۔
آپ نے کہا تو وہ لرز اٹھا۔ آپ پھر گویا ہوئے۔
"پانچویں نصیحت یہ ہے کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو انہیں وہاں سے باہر نکال دینا"۔
سنا تو وہ بے اختیار بول اٹھا:
"یہ میں کیسے کر سکتا ہوں"۔
فرمایا:
"پھر ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار رہو"۔
آپ نے اس کے سراپا پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور کہا:
"چھٹی نصیحت یہ ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جب گنہگاروں کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا تو اس وقت تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا"۔
"ناممکن...... ناممکن"
وہ شخص چلا اٹھا۔ آپ نے فرمایا:
"پھر گناہ مت کرو"۔ (سنہری دور، ص ۹۲)

صاحبو! آج کے مادہ پرستی کے دور میں انسان حصول دنیا میں آخرت کو بھول کر اندھا ہو چکا ہے۔ اس نے نام نہاد ترقی کے نام پر اپنے لئے کئی بت تراش لئے ہیں اور صبح و شام انہیں کے طواف میں مگن ہے۔ تسخیر کائنات کے منصوبوں اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے پر اکڑتا پھرتا ہے اور آخرت کو ایک خواب سمجھ بیٹھا ہے۔ اس نے اپنے خالق و مالک اور اس کے محبوب رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین و ارشادات کو محض اس لئے پس پشت ڈال دیا ہے تاکہ دنیا کے پرستار اور مصنوعی ترقی کے علمبردار اس پر قدامت پسند، قنوطی اور غیر ترقی یافتہ ہونے کی مہر نہ ثبت کر دیں۔ اس طرح وہ ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائے گا۔

آج کا انسان بجز الا ماشاء اللہ نادان ہے اور اس کی عقل پر رونا آتا ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ دین اسلام بذات خود اتنا ترقی یافتہ ہے کہ تا قیام قیامت یہ سیادت و قیادت و رہنمائی اور زندگی کے ہر شعبے میں مسائل و مصائب کا حل بتانے کا شرف رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے سایہ میں رہ کر اور اس پر عمل کر کے حضرت انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے راستوں سے دنیا کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے بلکہ دار آخرت میں بھی جنت الفردوس کے بلند و بالا خوبصورت محلات کا مالک بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا اللہ ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں۔ وہ ہمارا مالک ہم اس کے غلام ہیں اور غلام کا کام صرف مالک کی فرمانبرداری ہے، حکم عدولی نہیں۔ مالک غلام کو جو کھلائے، کھاتا ہے۔ جو پلائے، پیتا ہے۔ جو پہنائے، پہنتا ہے۔ جہاں بٹھائے، بیٹھتا ہے۔ جہاں رکھے، رہتا ہے۔ جو کہے، کرتا ہے۔ جس سے روکے، رکتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی ہے۔ مگر آج کا انسان کیسا انسان ہے کہ

۱۔ اللہ تعالیٰ کی روزی و رزق کھاتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کے ملک میں رہتا ہے اور گناہ کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی بداعمالیوں اور کرتوتوں پر شرمسار نہیں ہوتا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے لیکن وہ اپنا رخ خیر کی طرف نہیں کرتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ منکر نکیر قبر میں اس کا انٹرویو کریں گے لیکن غافل ہے اور نہ ہی

انہیں باہر نکالنے پر قادر ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ نے روز جزا حساب کتاب لینا ہے لیکن اس کے لئے تیاری نہیں کرتا ہے اور نہ ہی جہنم میں جانے سے انکار کر سکے گا۔

اگر انسان حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ پند و نصائح کو پلّے باندھ لے تو گناہوں اور گمراہیوں کے دلدل سے نکل سکتا ہے۔

☆ نفس و شیطان کی پہنائی ہوئی خواہشات کی زنجیروں کو توڑ سکتا ہے۔

☆ برے اعمال کی وجہ سے زندگی میں جو نت نئی بلائیں پھیرا لگاتی رہتی ہیں ان سے خود کو بچا جا سکتا ہے۔

☆ اپنے روٹھے ہوئے رب کو منا سکتا ہے۔

☆ فنا کے ریگزاروں اور ویرانوں سے بقا کی حسین وادیوں، مرغزاروں اور دیدہ زیب قصور کی طرف جا سکتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

دوستو! فانی دنیا کے بطن میں جنت اور دوزخ دونوں موجود ہیں۔ اس میں سے اگر جنت الفردوس کو نکالنا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع اور محبت و عشق کا راستہ اختیار کرو اور اگر جہنم کو نکالنا ہے تو نفس و شیطان اور خواہشات کی غلامی کا طوق گلے میں پہنے رکھو۔ وقت کا ہر لمحہ بآواز بلند کہہ رہا ہے۔

''ہوش کے ناخن لو''۔

اور اس کا انحصار آپ پر ہے۔

دعا قبول نہیں ہوتی

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے اور بھی بہت سے لوگ حاضر تھے۔ عارفانہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اسی اثناء میں ایک شخص محفل میں آیا۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھنے کے بعد وہ عرض گزار ہوا:

''یا حضرت! کیا سبب ہے کہ ہماری دعائیں اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا''۔

قدرے سکوت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''تم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے ہو مگر ان کی مطابعت نہیں کرتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہو مگر اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ گنہگاروں کے لئے دوزخ ہے مگر اس سے ذرا نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے بچتے نہیں ہو۔ موت کو برحق سمجھتے ہو مگر آخرت کا کوئی سامان نہیں کرتے۔ اپنے خویش و اقارب کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ لہٰذا تمہاری دعا کس طرح قبول ہو سکتی ہے۔

(سنہری دور، ص ۹۳)

صاحبو! اس سوال کے جواب میں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن عوامل کی نشاندہی فرمائی ہے، انتہائی تلخ حقیقت ہے۔ فی زمانہ اکثریت کا حال یہی ہے کہ اس کے قول و فعل میں بعد المشرقین ہے۔

اس واقعہ میں متذکرہ تمام باتوں کا تعلق ایمان سے ہے اور ایمان کی حقیقت عمل ہے۔ قول کے ساتھ عمل نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (درمنثور، ج ۱، ص ۲۵۶، تفسیر طبری، ج ۲، ص ۱۲۳)

اور جب عملاً اس کی نفی و تکذیب کی جاتی ہے تو پھر ایمان ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ شکایت بہ لب ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا نہیں

ہے۔ہمیں شرم آنی چاہئے کہ کس منہ سے اپنے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں جبکہ ہم اس کا اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا تو مانتے نہیں ہیں۔

یہ لوگ ''من مانی'' کے خطرناک مرض میں مبتلا ہیں۔ایسے لوگ صرف اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں اور خواہشات شیطان کے ہاتھ میں ایسا تیز دھار ہتھیار ہے جس سے وہ لوگوں کو اس طرح ذبح کرتا ہے کہ انہیں خبر تک نہیں ہوتی ہے۔بالفاظ دیگر وہ شیطان کے مرید اور پیروکار ہیں۔

دعا عبادت ہے۔حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دعا عین عبادت ہے''۔

(تعلیمات نبوی، ج ۳، ص ۹/صحیح ابن حبان، ج ۳، ص ۱۷۲، جامع الاصول، ج ۲، ص ۲۴)

اس کی قبولیت کے لئے زبان، قلب اور جسم کے پاک ہونے کے علاوہ رزق حلال بھی شرط اول ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع نہیں کرتا۔ قرآن حکیم کو قابل عمل نہیں سمجھتا۔اللہ کریم کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔شیطان مردود کو دشمن خیال نہیں کرتا۔عذاب دوزخ سے خائف نہیں۔مرنا یاد نہیں۔اور نہ ہی مرنے والوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہے کہ ایک دن اس نے بھی دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کر جانا ہے تو وہ خود پاک ہے نہ اس کا رزق حلال ہے۔اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کی عملاً نافرمانی کرتا ہے اسی کی شکایت بھی کرتا ہے کہ میری دعائیں قبول نہیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کچھ نہیں بنایا سب کچھ اپنے بندوں کے لئے تخلیق کیا ہے۔اور وہ صبح و شام ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔رب کریم نے ہر انسان کو جو عقل، اعضاء اور جسم کی صورت میں نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ان کی قدر و قیمت کا اس وقت احساس و ادراک ہوتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک ناکارہ یا تلف ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کے سجدوں اور توصیف و تعریف کی حاجت نہیں ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ

اور آسمانی و خلائی و سمندری مخلوق اس کی حمد و ثنا اور سجدے کرتی ہے۔حضرت انسان نے جو کچھ کرنا ہے اپنے لئے کرنا ہوتا ہے۔دنیا کے ساتھ آخرت کی نعمتوں سے اپنے بندوں کو نوازنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام حکیم اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں احسان عظیم فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے قرآن پاک اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر آخرت میں بھی مزے لوٹیں۔لیکن اگر وہ قرآن و حدیث کو تو پس پشت ڈال دیں۔عملاً ان کی مخالفت کریں۔ناشکری کا ارتکاب کریں۔سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ لیں تو پھر وہ اس سے مانگیں جو دنیا کا حکمران ہے اور وہ شیطان ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔

ہم بھی تو کہیں اس صف میں شامل نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے اور شکوہ بھی کرتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول نہیں کرتا ہے۔سوچ لیں۔

غیبت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دعوت میں مدعو تھے۔ وہاں ایک ایسے شخص کا ذکر لوگوں نے چھیڑ دیا جو ابھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق کہا:

"وہ بھاری یعنی موٹا ہے"۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا:

"مجھ سے جو کچھ کیا ہے میرے نفس نے کیا ہے کیونکہ میں ایسی جگہ آ گیا ہوں جہاں لوگ ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا"۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۳۳۹)

صاحبو! غیبت ایسی دیمک ہے جو نیکیوں کو آ کاس بیل کی طرح آہستہ آہستہ چٹ کر جاتی ہے۔ غیبت کیا ہے۔ یہ

☆ زبان کا چٹکارہ ہے۔

اس سے دوسرے شخص کا کوئی عیب' عادت' خاندان' حسب ونسب' چال ڈھال' نین نقشہ وغیرہ کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے جس سے اس کی تحقیر مقصود ہوتی ہے۔

☆ نشہ ہے۔

اس کا کیف وسرور غیبت گو کو مدہوش رکھتا ہے۔

☆ لذت ہے۔

اس سے کبھی دل نہیں بھرتا ہے۔

دن میں انسان متعدد بار دوسروں کی غیبت سے اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ کر لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیبت کا گناہ اتنا شیریں اور میٹھا ہوتا ہے کہ اسے چھوڑنے کو دل چاہتا ہے اور نہ اس میں کوئی عیب محسوس کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات یہ کہہ کر خود کو انسان تسلی دے لیتا

ہے۔

"جو بات میں نے کہی ہے یہ اس شخص میں موجود ہے"۔

غیبت کرنے سے قبل اگر غور کر لیا جائے کہ اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا فرماتے ہیں تو اس فعل قبیح سے اپنے دامن اور عاقبت کو بچایا جا سکتا ہے۔

سورہ حجرات' آیت ۱۲ میں ارشاد خداوندی ہے اور تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے لگے۔ تمہیں یقیناً یہ بات ناپسند ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مگر اٹھ کھڑا ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا:

"یہ شخص کس قدر کمزور ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم نے اپنے بھائی کو کھایا ہے اور اس کی غیبت کی ہے"۔

کہتے ہیں قیامت کے دن بندے کا اعمالنامہ جب لایا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا تو کہے گا۔

"میری نماز' میرا روزہ اور عبادت کہاں گئی"۔

جواب ملے گا۔

"لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے تمام اعمال رائیگاں گئے"۔

کہتے ہیں ایک آدمی کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا اور وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جو اس نے کبھی نہ کی تھیں۔ اسے کہا جائے گا۔

"یہ ان غیبتوں کے عوض میں ہیں جو لوگوں نے تیری کیں اور تجھے معلوم بھی نہ تھا"۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے لوگوں کو جو پلے ہوئے اور موٹے ہیں' ناپسند کرتا ہے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موجودگی میں غیبت کا ذکر آیا تو فرمایا:

''اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنے والدین کی کرتا کیونکہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار ہیں''۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زاروقطار رونے لگا اور عرض کیا:

''میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے کہ میں اسے شرم کے مارے بیان نہیں کرسکتا''۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''بتاؤ تو سہی آخر تم نے کیا کیا ہے''۔

اس نے کہا:

''زنا''

آپ نے سنا تو ارشاد فرمایا:

''میں ڈر گیا تھا کہ شاید تم نے کسی کی غیبت کی ہے'' (اعمال الصالحین، ص ۱۴۸) آپ کی نظر میں غیبت زنا سے زیادہ برا فعل ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔

آیئے ذرا اپنی زبان سے دریافت کرتے ہیں۔ معنوی لحاظ سے پلے ہوئے موٹے جسم سے پوچھتے ہیں۔ اپنی زندگی کے نامہ اعمال پر نظر ڈالتے ہیں۔ اپنے گردوپیش کے ماحول کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے حلقہ احباب کا تجزیہ کرتے ہیں کہ غیبت سے کس قدر پاک ہیں تو یہی جواب ملے گا۔

''تمہاری زبان، تمہارا جسم، تمہارا نامہ اعمال، تمہارا ماحول اور تمہارے دوست احباب سب غیبت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں''۔

غیبت ایسی بلا ہے جس سے نیکیاں کوئی کرتا ہے اور وہ کسی دوسرے کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اگر آپ اتنے ہی سخی اور حاتم طائی ہیں کہ نیکیاں خود کریں اور بذریعہ غیبت دوسرے کے نامہ اعمال میں منتقل کریں تو اس نیک کام کے لئے آغاز میری ذات یعنی نواز رومانی سے کریں۔ میری غیبت کریں کیونکہ میں نیکیوں کے لئے بڑا حریص، بھوکا اور پیاسا ہوں۔

حلال وحرام

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر ایک کفن چور نے توبہ کی۔ آپ نے اس کے حالات دریافت فرمائے۔ اس نے عرض کیا:

''میں نے ہزاروں قبروں کو کھولا۔ ان میں سے کسی مردے کا رخ قبلہ کی طرف نہیں دیکھا سوائے دو اشخاص کے''۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''ان کا رخ قبلہ سے اس لئے پھیر دیا گیا کیونکہ رزق کے معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے تھے نہ حلال وحرام میں تمیز کرتے تھے''۔

(سنہری دور، ص ۸۸)

صاحبو! ہر شخص کے مقدر کا رزق اس کی ماں کے رحم میں لکھ دیا ہے۔ وہ اسے بہر صورت مل کر رہے گا لیکن اس رزق کو وہ حلال طریقے سے لیتا ہے یا حرام یا مشتبہ یہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تم نے اس وقت تک نہیں مرنا جب تک اپنا رزق پورا نہ حاصل کر لوگے۔ پس رزق میں بے صبری کا مظاہرہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمدہ طریقہ طلب اپناؤ، جو حلال ہو لے لو اور جو حرام ہو اسے چھوڑ دو''۔

(رزق حلال کی اہمیت، ص ۱۳)

بیان کردہ واقعہ صدیوں پرانا ہے جس میں ان لوگوں کا حال مذکور ہے جنہیں

الف: رزق کے معاملے میں اپنے اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں تھا اور

ب: وہ حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے تھے۔

آج کے دور کے انسان کا حال بھی ان سے مختلف نہیں ہے۔ کوئی شخص بجز الا ماشاء اللہ سینے پر ہاتھ مار کر بالیقین نہیں کہہ سکتا کہ وہ حرام یا مشتبہ رزق سے کلیتاً پاک ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ آج کوئی علاقہ گلی محلہ ایسا نہیں جہاں حرام کا دریا زوروشور سے نہ بہہ رہا ہو اور خواہشات کے مارے لوگوں اور دنیا کے پرستاروں کا اس پر اژدہام دھمکھلا لگا ہے۔ اس کے برعکس دریائے حلال کے کنارے اجاڑ ویران اور سنسان پڑے ہیں۔ یہاں بہت کم لوگ ہیں۔ ان دونوں کے مابین مشتبہ کی نہریں جاری وساری ہیں۔ بہت سے لوگ یہاں بھی موجود ہیں جو کسی وقت بھی دریائے حرام کا رخ کر سکتے ہیں۔

مال وزر بذات خود برا نہیں بشرطیکہ حرام ومشتبہ سے بچ کر صرف جائز وحلال ذریعوں سے حاصل کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق خرچ کیا جائے۔ بقول حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو محبوب بنا کر دل میں نہ رکھا جائے لیکن جو لوگ مال وزر کو عزت کا معیار سمجھ لیتے ہیں اور اس کے حصول میں وہ ہر شرعی واخلاقی حد پار کر جاتے ہیں تو حرام کا دریا ان کے وجود کے اندر موجزن ہو جاتا ہے جو انہیں بہا کر جہنم کی آگ کے دریا کی طرف لے جاتا ہے۔

اگر گردوپیش میں نگاہ دوڑائیں تو لوگوں کی اکثریت مال اکٹھا کرنے میں مگن ہے اور المیہ یہ ہے کہ اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ حرام خوری کے لئے انہوں نے انگنت دروازے کھول رکھے ہیں مثلاً رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، گرانفروشی، ناقص ودنمبر دواشیاء کی فروخت، ملاوٹ، سمگلنگ، منشیات کا کاروبار، جھوٹی گواہی، عورتوں کا دھندہ کرنا، مجرموں کی سرپرستی، زمینوں پر ناجائز قبضہ، غنڈہ گردی، دھونس دھاندلی، لوٹ کھسوٹ، اغوا برائے تاوان وغیرہ۔

حلال وحرام ومشتبہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ کشش سب میں موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے وہ صرف حلال حاصل کرتا ہے اور حرام ومشتبہ کی طرف سے آنکھیں موند لیتا ہے اور جو نفس وشیطان کا غلام ہے وہ حرام کی طرف لپکتا ہے اور جس نے جسم پر ریا کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو وہ مشتبہ کی چراگاہوں میں چلنے لگتا ہے اور پھر حرام کو حلال سمجھ کر کھانے لگتا ہے۔

حلال واضح ہے۔

سورہ البقرہ آیت ۱۶۸ میں ارشاد ربانی ہے۔

اے لوگو! زمین میں جو کچھ بھی حلال اور پاکیزہ ہے اسے کھایا کرو اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو یقین رکھو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ بروایت حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طلب الحلال فریضة علیٰ کل مسلم

طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۲۱۴/ الکامل الابن عدی، ج ۲، ص ۷۷۹)

☆ جو آدمی حلال مال سے اپنے اہل وعیال کے لئے کوشش کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور جو مانگنے سے بچنے کے لئے حلال تلاش کرتا ہے وہ شہداء کے درجے میں ہوتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۲۱۷/ تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۱۶۸)

☆ جو آدمی رزق حلال کی طلب سے تھک کر شام کرے، وہ رات یوں گزارتا ہے کہ اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور صبح یوں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۲۱۹ مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۶۳)

☆ بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو جھوٹ نہ بولیں۔ ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کریں۔ جب وعدہ کریں تو اس کے خلاف نہ کریں۔ جب کسی چیز کو خریدیں تو اس کی برائی نہ کریں۔ جب کوئی چیز بیچیں تو اس کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں۔ انہوں نے کسی کا کچھ دینا ہو تو ڈھیل نہ کریں اور اگر کسی سے کچھ لینا تو سختی نہ کریں۔

(رزق حلال کی اہمیت، ص ۱۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اپنے ہاتھوں کی محنت سے رزق حلال کماتے تھے مثلاً

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت کرتے تھے۔

۲-حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذخر نامی خودرو گھاس جنگل سے کاٹ کر لاتے اور مدینہ منورہ میں بیچنے کے علاوہ مزدوری بھی کرتے تھے اور فتح خیبر کے بعد کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔

۳-حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نانبائی تھے۔

۴-حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چٹائیاں بن کر بیچتے تھے۔

۵-حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصاب تھے۔

۶-حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہار تھے۔

۷-حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ موخر الذکر دودھ کا بھی کاروبار کرتے تھے۔

۸-حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیل اچار اور چٹنی کا کاروبار کرتے تھے۔

۹-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر بنا کر بیچتے تھے۔

(رزق حلال کی اہمیت' ص ۷-۸)

ایک بزرگ کہتے ہیں:

ایک لقمہ جسے بندہ حلال مال سے کھاتا ہے وہ اس کے تمام گزشتہ گناہوں کی مغفرت کا باعث بن جاتا ہے اور جو آدمی طلب حلال کے لئے رسوائی کے مقام پر جاتا ہے' اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں۔ (احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۲۲۲)

حرام واضح ہے۔

سورہ البقرہ' آیت ۱۸۸ میں ارشاد ربانی ہے:

''اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ حاکموں کے پاس اس مقصد سے رجوع کرو کہ تم علم رکھتے ہوئے بھی لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طریقوں سے ہتھیا لو''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ جو آدمی دس درہم کے بدلے ایک کپڑا خریدے اور ان میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک اس پر یہ کپڑا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔

(احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۲۱۸/ مسند امام احمد بن حنبل' ج ۲' ص ۹۸)

☆ جو آدمی گناہ کے ذریعے مال حاصل کر کے اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سب کو جمع کر کے جہنم میں ڈال دے گا۔ (احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۲۱۸/ کنز العمال' ج ۴' ص ۱۵)

☆ بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جو بندہ حرام مال حاصل کرتا ہے تو وہ اگر صدقہ کرے تو قبول نہیں۔ خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں۔ چھوڑ کر مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے۔

(رزق حلال کی اہمیت' ص ۹)

☆ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ یارب! یارب! کہتا ہے حالانکہ اس نے جو کھایا ہے وہ حرام ہے۔ جو پیا ہے' وہ حرام ہے۔ جو پہنا ہے وہ حرام ہے اور اس کی خوراک بھی حرام ہے تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (رزق حلال کی اہمیت' ص ۹-۱۰)

بیہقی نے حضرت ابن محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا:

''ہم حج کے لئے آئے ہیں اور راستے میں ہمارا ایک ساتھی مر گیا۔ اس کے لئے قبر کھودی تو اندر ایک کالا سانپ بیٹھا نظر آیا۔ ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور دوسری جگہ قبر کھودی تو وہاں بھی سانپ موجود تھا۔ جب تیسری جگہ کھودی گئی تو وہاں بھی وہی معاملہ پیش آیا۔ اب آپ کے پاس آئے ہیں کہ کیا کریں''۔

آپ نے فرمایا:

''تم سانپ کے پاس ہی اسے دفن کر دو۔ خدا کی قسم! اگر تم ساری زمین بھی اس کے لئے کھود ڈالو تب بھی وہاں سانپ موجود ہوگا''۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور واپسی پر اس شخص کی بیوی کے پاس گئے اور حالات دریافت کئے۔ وہ بولی:

''میرا خاوند آٹے کا سوداگر تھا اور اس میں لکڑی کا برادہ ملا کر بیچا کرتا تھا''۔

(رزق حلال کی اہمیت' ص ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اگر تم نماز پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزہ رکھتے رکھتے جلد کمان کی تانت کی طرح (کمزور) ہو جائے تو یہ اسی صورت میں قبول ہوگا جب تم پرہیزگار اور حرام سے بچنے والے ہو۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۲۲۱)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص حرام مال میں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتا ہے وہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص پیشاب کے ساتھ ناپاک کپڑے کو دھوتا ہے۔ ناپاک کپڑے کو صرف پانی پاک کر سکتا ہے اور گناہ کو صرف حلال مال زائل کر سکتا ہے۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۲۲۱)

مشتبہ واضح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو آدمی شبہات سے بچا اس نے اپنی عزت اور دین کو محفوظ کر لیا اور جو آدمی مشتبہ امور میں پڑا (گویا) حرام میں پڑ گیا جس طرح چرواہا جو سرکاری (ممنوع) چراگاہ کے گرد چراتا ہے تو قریب ہے کہ وہ اس میں چلا جائے''۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۷۸/ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷۵)

ہمارے اسلاف میں بزرگانِ دین مشتبہ سے بھی کوسوں دور بھاگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی زندوں کی طرح لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں تاکہ لوگ حرام سے محفوظ رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر آٹا گوندھا جا رہا تھا۔ خمیر مایہ ختم ہو چکا تھا چنانچہ جناب صالح کے گھر سے منگوا کر آٹے میں شامل کر دیا گیا۔ کھانا جب حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے رکھا گیا تو روٹیوں کو قدرے مختلف پایا تو وجہ دریافت کی۔ بتایا گیا کہ آٹے میں خمیر مایہ صالح کے گھر سے منگوا کر ڈالا گیا ہے۔ آپ نے وہ روٹیاں نہ کھائیں اور اہل خانہ کو بتایا کہ صالح اصفہان کا جج رہا ہے۔ آپ کے لئے دوبارہ روٹیاں پکائی گئیں اور ان روٹیوں کے بارے میں پوچھا کہ کیا کریں جو انہوں نے نہیں کھائی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ان روٹیوں کو رکھ دیا جائے اور جب کوئی سائل آئے تو اسے دی جائیں لیکن اسے بتا دیا جائے کہ ان میں جج صالح کے گھر سے آیا ہوا خمیر مایہ شامل ہے۔ کئی سائل

آئے لیکن جب انہیں بتایا جاتا کہ ان میں جو خمیر مایہ شامل ہے وہ کہاں سے لایا گیا تھا تو وہ روٹیاں لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ روٹیاں ویسے ہی پڑی رہیں۔ جب ان سے بو آنے لگی تو انہیں دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا۔

ایک دن حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان روٹیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ جب بتایا گیا کہ انہیں دریائے دجلہ میں پھینک دیا تھا تو اس کے بعد آپ نے کبھی دریائے دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی تھی۔ (مواعظہ التبیان، ص ۸۴)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روز کسی باغ میں نہر کے اندر ایک سیب بہتے ہوئے دیکھا اور اٹھا کر کھا لیا۔ بعد ازاں خیال آیا کہ کہیں یہ سیب کھانا ناجائز اور حرام نہ ہو اور قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس نہ ہو۔ چنانچہ آپ باغ کے اندر گئے اور مالک کے مکان پر دستک دی۔ ایک لونڈی باہر نکلی۔ اس سے کہا کہ وہ باغ کے مالک سے ملنا چاہتے ہیں۔ لونڈی نے باغ کی مالکہ کو بتایا، وہ باہر آئی۔ آپ نے سارا قصہ سنایا تو وہ بولی:

''باغ میں آدھا حصہ میرا ہے وہ میں معاف کرتی ہوں اور آدھا حصہ بلخ کے بادشاہ کا ہے۔ اپنا حصہ وہی معاف کر سکتا ہے''۔

آپ نے سنا تو سوئے بلخ چل پڑے اور بقیہ آدھا حصہ اس سے بخشوایا۔

(رزق حلال کی اہمیت، ص ۱۷)

فی زمانہ جس مادہ پرست دنیا دار شخص کو دیکھو وہ درماندہ و پریشان ہے۔ بظاہر دنیا کے بھرے میلے میں خوش و خرم نظر آتا ہے لیکن اندر سے اس کا دل داغ داغ اور فگار ہے۔ وہ خوشی کا نام لیتا ہے۔ خنداں بہ لب نظر آتا ہے لیکن روحانی خوشی کی حلاوت محسوس کرنے سے کوسوں دور غموں کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ وہ بے نام مصائب اور انجانے خوف کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے مگر خود کو رفتار زمانہ کا نباض تصور کرتا ہے۔ وہ نادیدہ حوادثات کی ٹھوکروں سے نڈھال ہوتا ہے لیکن اس کی پیشانی سے پندار و نخوت جھلک رہا ہوتا ہے۔ وہ معمولی سے نامساعد حالات سے شاخ نازک کی طرح بہ باطن لرزتا اور کانپتا رہتا ہے لیکن خود کو قوی خیال کرتا ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے اور کن اعمال کا ثمرہ ہے۔ ان کا ادراک کرنے سے اس کی سوچ مفلوج ہے۔ وہ خود کو دنیا کے بازار کا رائج الوقت سکہ سمجھتا ہے لیکن اندھا ہے کہ اپنی پیشانی پر رقم لفظ ''حرام خور'' پڑھنے سے قاصر ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

آنکھ کا افسردہ ہو جانا دل کے سیاہ ہو جانے کی وجہ سے ہے اور دل کی سیاہی حرام کھانے سے ہے اور حرام کھانا گناہوں کی کثرت سے ہے اور گناہوں کی کثرت موت کو بھلا دینے سے ہے اور موت کو فراموش کرنا دنیا کی محبت سے ہے اور دنیا کی محبت سب خطاؤں کی جڑ ہے اور دنیا کو خیر باد کہہ دینا سب عبادتوں کی اصل ہے۔

یہ آئینہ ایسا ہے جو جھوٹ نہیں بولتا ہے۔ ہمارا حال کیا ہے۔ اس میں اپنا چہرہ دیکھتے ہیں۔

☆ ہماری پیشانی پر کیا لکھا ہے۔ حرام خور یا حلال خور

☆ ہماری آنکھ افسردہ ہے یا پر رونق

☆ ہمارا کھانا حرام ذریعوں سے ہے یا حلال

☆ ہمارا زیادہ تر وقت گناہوں میں بسر ہوتا یا نیکیوں میں

☆ ہمیں موت یاد ہے یا اسے فراموش کر رکھا ہے۔

☆ کیا ہم دنیا سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بغض رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جوابات ہمیں اپنا رخ متعین کرنے میں مددگار ہوں گے کہ کس طرف ہے۔ خیر کی طرف یا غیر کی طرف۔ میرا رزق حلال ہے یا حرام۔ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ عمل آپ نے کرنا ہے۔

دوست بناؤ مگر کس کو؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ساحل شام پر ایک عورت دیکھی تو میں نے پوچھا:

"کہاں سے آئی ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے"۔

جواب دیا۔

"ان لوگوں کے پاس سے آئی ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں"۔

میں نے پھر کہا:

"کہاں کا ارادہ ہے"۔

جواب دیا:

"ایسے لوگوں کا جنہیں نہ تجارت اللہ کے ذکر سے غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید وفروخت"۔

میں نے کہا:

"ان کی صفت بیان کرو"۔

اس نے کہا:

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطلوب خدائے واحد بے نیاز ہے۔ دنیا انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔ وہ فاخرہ و خوبصورت لباس پہننے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نہ ہی سرور حاصل کرنے کے لئے کسی جگہ اترتے ہیں۔ (تعرف ص ۴۵)

صاحبو! یہ تو سب جانتے ہیں کہ دنیا میں آنے سے قبل انسان ایک معدوم چیز تھا۔ وہ اس حالت میں انگنت صدیاں رہا۔ اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص کے تحت اسے وجود بخشا اور اس کا خمیر مٹی سے بنایا گیا۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ مٹی

بھی پہلے نطفے کی شکل میں موجود ہوتی ہے جس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا ہے۔ پھر یہ نطفہ گوشت اور ہڈیوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ یہ انسان کا آغاز ہے۔ اسے کم تر شکل میں پیدا کیا گیا تا کہ وہ یہ بات سمجھ لے کہ اصل فطرت کے اعتبار سے وہ ایک جامد چیز تھی۔ جس میں زندگی کی کوئی حرارت موجود نہیں تھی۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی اصل حقیقت کی بے مائیگی سے آگاہ ہو کر شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اللہ کریم نے اسے کس قدر وافر مقدار میں نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ انسان کی پہلی حالت ہے۔

پھر رب کریم نے انسان کو جو بے جان اور بے نشان معدوم چیز تھا' زندگی عطا فرمائی۔ وہ بہرہ تھا اسے سماعت عطا کی۔ وہ اندھا تھا اسے بینائی عطا کی۔ وہ گونگا تھا اسے گویائی عطا کی۔ وہ کمزور تھا اسے طاقت عطا کی۔ وہ جاہل تھا اسے علم عطا کیا۔ وہ فقیر تھا اسے غنی کیا۔ وہ بھوکا تھا اسے سیر کیا۔ وہ بے لباس تھا' اسے لباس عطا کیا۔ وہ گمراہ تھا اسے ہدایت کی تا کہ پورے یقین کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی نعمتوں سے واقف ہو سکے اور تمام تر آداب کے ہمراہ حقوق زندگی و بندگی ادا کر سکے۔ خود پسندی اور تکبر سے بچا رہے۔ لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا اظہار نہ کرے اور یہ جان لے کہ بڑائی اور عزت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان ایک کمزور مخلوق ہے۔ اس کا اپنے اوپر فخر کرنا اور اترانا نہایت قبیح جرم ہے۔

انسان کو دنیا میں مختلف طرح کی آزمائشوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی کام بھی مکمل طور پر اس کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ سیر ہونے کی خواہش کرے اور بھوکا پیاسا رہ جائے۔ کوئی چیز حاصل کرنا چاہتا ہو وہ حاصل نہ کر پائے۔ کوئی کھانا مرغوب ہو لیکن وہ مزاج کے موافق نہ ہو۔ غم اور پریشانی کے باعث اس کے خیالات منتشر ہو جائیں۔ ہر لمحے اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس کی کوئی قوت ضائع نہ ہو جائے۔ کوئی عضو مفلوج نہ ہو جائے۔ روح جسم سے رخصت نہ ہو جائے۔

انسان تندرستی میں نفسانی خواہشات کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے اور بیماری میں غموں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ نیند کی حالت میں غافل ہو جاتا ہے اور بیداری میں پریشانیاں گھیرے رکھتی ہیں۔ دولت مل جائے تو سرکش ہو جاتا ہے اور تنگدستی میں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بذات خود ایک مکھی یا چیونٹی کو بھی نہیں ہٹا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کمزور مخلوق اور کون ہوگی۔ یہ

انسان کی دوسری حالت ہے۔

انجام کار اسے موت دے کر قبر میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ انسان کے جسم کا انجام یہ ہے کہ اس سے نفس' روح' عقل' سماعت' بصارت' علم' قدرت' حرکت اور تمام جسمانی لوازمات جو بطور امانت دیئے گئے تھے واپس لے لئے جاتے ہیں اور اس کا بے جان وجود پہلے کی طرح جمادات کی مانند ہو جاتا ہے جسے آخر کار مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ وہ جسم جو مختلف طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا تھا اب سانپوں اور کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن جاتا ہے اور پھر کئی ہزار برس تک وہ یونہی مٹی میں بے نشان پڑا رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کوئی کمہار اس مٹی کا پیالہ بنائے اور پھر اسے توڑ کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دے۔

اور پھر روز قیامت اس کے منتشر و متفرق اجزاء کو اکٹھا کر کے جسم کی شکل میں برہنہ اٹھایا جائے گا۔ خوف و ہیبت کی بھیانک بجلیاں چمک رہی ہوں گی اور سر محشر اس کے اعمال کی رسوائی اسے سنائی جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سمندروں کے ایک قطرے کو اس کا مددگار نہ بنائے تو وہ ابدی عذاب کا شکار رہے گا اور پھر کسی کی سفارش اسے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکے گی بلکہ عذاب کی شدت میں لمحے بھر کی تخفیف بھی نہیں کروا سکے گی۔ عذاب کی شدت کے باعث اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ کتے اور خنزیر کو اپنے آپ سے ہزار گنا بہتر تصور کرے گا کیونکہ وہ معدوم ہوں گے اور انہیں کسی حساب کتاب کا خوف نہیں ہوگا۔ یہ انسان کی تیسری حالت ہے۔ (ذخیرۃ الملوک' ص ۳۹۵)

انسان کی دوسری حالت جس میں وہ زندہ ہوتا ہے چند سالوں پر محیط ہوتی ہے اور وہ ہوا کے دوش پر بڑی تیزی سے گزر جاتی ہے اور پھر وہ مٹی کا حصہ بن جاتا ہے۔ زندگی کا یہ دور چار خانوں بچپن' لڑکپن' جوانی اور بڑھاپے میں منقسم ہوتا ہے۔ انسان کے پاس صرف جوانی اور بڑھاپے کے دو دور ایسے ہوتے ہیں جن میں اس نے بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آخرت کے لئے وہ پاکیزگی ساتھ لے کر جانا ہوتی ہے جس کے ساتھ اسے دنیا میں بھیجا گیا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں پوچھ ہوگی کہ وہ کہاں ہے۔

دنیا مزرع آخرت ہے۔ اب یہ انسان پر ہے جسے اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ وہ دنیا کے بازار میں سے جہاں جنت و جہنم دونوں کے سودے بڑی وافر مقدار میں ملتے ہیں۔ اپنے لئے کون سا سودا خرید کر دار آخرت میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

انسان دنیا سے جنتی یا جہنمی بن کر جاتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کے دوست بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے دوست بناتے وقت بے حد سوچ و بچار اور دانشمندی کا ثبوت دینا چاہئے۔ حقیقی معنوں میں دوست کون ہے اس کی ایک خوبصورت مثال دور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ملتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مبارک تھا کہ وہ حضرت حذیفہ اصبہانی' حضرت سلمان فارسی' حضرت ابوالدرداء اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اپنے عیوب کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

"رحم اللہ امرا اھدی عیوبی"

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتا ہے۔

(ذخیرۃ الملوک' ص ۱۱۷)

لیکن اگر کسی کو کوئی ایسا دوست میسر نہیں آتا جو اس کے عیوب کی نشاندہی کرے تو اس کو بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاہئے کہ اگر وہ کسی میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اسے اپنے اندر تلاش کرے اور اگر وہ اس میں موجود ہو تو اس سے خود کو پاک کرنے کی سعی بلیغ کرے چہ جائیکہ وہ اس شخص کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دے جس کے اندر اس نے عیب دیکھا ہوتا ہے۔

وقت کے ہم آہنگ انسانی قدروں میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ نیکیوں اور برائیوں کا پلڑا اوپر نیچے ہوتا رہتا ہے لیکن جب دنیا کی محبت کے سایہ میں مادہ پرستی کی چڑیلیں معاشرے میں ناچنے لگتی ہیں تو دوستی کے قابل صرف انہیں لوگوں کو سمجھا جاتا ہے جو ذاتی مفاد و اغراض اور خواہشات کی تکمیل میں مدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔

فی زمانہ جبکہ مادہ پرستی کی ہر سو آگ لگی ہوئی ہے تو دوست صرف ان کو ہی بنایا جاتا ہے جن کے ساتھ جذباتی مطابقت' ذہنی ہم آہنگی' فکری یگانگت' معاشرتی ہمسری' اقتصادی برابری' منصبی یکسانیت' نظریاتی ہم نوائی اور سیاسی وابستگی ہوتی ہے۔ یہ وہ دوستیاں ہیں جو کاٹھ کی ہنڈیا کی طرح ناپائیدار ہوتی ہیں۔ جب تک ایک دوسرے کے ساتھ مفاد وابستہ ہوتا ہے تو خوب گہری چھنتی ہے اور جب مطلب نکل جاتا ہے تو دوستی نئے آستانے تلاش کر لیتی ہے۔ یہ جھوٹی دوستیاں صرف زندگی تک برقرار و قائم رہتی ہیں اور جب کوئی مر جاتا ہے تو دوستی دوست

کی قبر سے لوٹنے کے بعد اسے حرف غلط کی طرح دل و دماغ سے بھلا دیتی ہے۔ مفاد پرستی کی دوستیاں صرف دنیا تک محدود ہیں۔

دوست بنانا انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن دور حاضر میں پرخلوص دوستوں کا قحط الرجال ہے۔ چراغ لے کر ڈھونڈے سے نہیں ملتے ہیں۔ موجودہ دور کے دوستوں کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یاران ایں زمانہ مثل گل انار ند
در رنگ آشنائی بوئے وفاندارند

آج کل کے دوستوں کی مثال انار کے پھولوں کی مثل ہے جن کا ظاہری رنگ تو ہوتا ہے لیکن ان کے اندر وفا کی خوشبو نہیں ہوتی ہے۔

لاریب آج کے معاشرے میں ایسے لوگ خال خال ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوستی قائم کرتے ہیں۔

ایک دن حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے۔ تشنگان بادہ عرفان الٰہیہ ہالہ کئے بیٹھے تھے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور نہایت مودبانہ انداز میں عرض کی:

''یا حضرت! مجھے وصیت فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بنالو اور باقی سب لوگوں کو نظر انداز کر دو''۔

(دلائل الخیرات' ص ۲۹۳)

اللہ تعالیٰ کو دوست بنانے کے لئے اس کے دوستوں کی طرف رجوع کرنے اور ان کے قرب و معیت سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ وہ ایسی بہت سے خوبیوں اور اوصاف سے متصف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کی خلعت فاخرہ سے نوازے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ولیوں میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتے ہیں۔ جب کوئی عورت رب کریم اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے راستے پر چل پڑتی ہے تو پھر ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوست بن جاتی ہے اور مردان حق میں شمار ہوتی ہے۔

ایک دفعہ کوئی بزرگ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا کی خدمت میں نکاح کی غرض سے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ مشہور حدیث ہے کہ طالب دنیا مخنث۔ طالب عقبیٰ مؤنث

اور طالب مولا مذکر ہے۔ اگر تم طالب دنیا ہو تو تم مخنث اور میں مؤنث۔ مخنث سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اگر تم طالب عقبیٰ ہو تو تم بھی مؤنث اور میں بھی مؤنث ہوں اور عورت کا نکاح عورت سے نہیں ہو سکتا۔ اگر تم طالب حق ہو تو تم بھی مذکر اور میں بھی بوجہ طلب شوق اور عشق حق مذکر ہوں اور مرد کا نکاح مرد سے ناممکن ہے۔ وہ یہ جواب سن کر چلا گیا۔

(سوانح حضرت رابعہ بصری، ص ۱۰)

ہمت زن راہبیں انصاف دہ
ایں چنیں زن از ہزاراں مرد بہ

بیشک اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر دنیا کے کسی کام میں مصروف و مشغول نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد سے لحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے اور جب رات کی تاریکی ہر چیز کو ڈھانپ لیتی اور ماحول پر گہرا سکوت طاری ہو جاتا ہے تو اپنے بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں اور خشیت الٰہی سے لرزہ براندام بچشم تر تصویر عجز و نیاز بنے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں قیام کرتے اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

سورہ الفرقان آیت ۶۴ میں ہے۔

اور وہ جو راتوں کو اپنے پروردگار کے حضور سجدے اور قیام میں مصروف رہتے ہیں۔

سورہ السجدہ، آیت ۱۶ میں ہے۔

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔

سورہ المزمل، آیت ۶ میں ہے۔

بیشک رات کو اٹھنے سے طبیعت پر دباؤ تو شدید پڑتا ہے لیکن بات بڑی درست اور صحیح رہتی ہے۔

محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ وہ دو رکعتیں جو بندہ رات کے درمیان پڑھتا ہے وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو ان پر لازم کر دیتا۔

(احیاء العلوم الدین، ج ا، ص ۸۹۷/ کنز العمال، ج ۶)

☆ رات کو (نماز کے ساتھ) قیام اختیار کرو۔ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے۔

بیشک رات کی عبادت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ گناہوں کا کفارہ، جسمانی لذتوں کے ازالہ اور گناہوں سے رکاوٹ کا باعث ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ا، ص ۸۹۷/ المستدرک للحاکم، ج اول)

☆ فرائض کے بعد بہترین نماز رات کا قیام ہے۔

(احیاء العلوم الدین، ج ا، ص ۸۹۷/ مسند امام احمد بن حنبل، ج دوم)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''نماز تہجد پڑھنے والوں کے چہرے کیوں زیادہ خوبصورت ہوں گے''۔

فرمایا:

''لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے علیحدگی اختیار کی تو اس نے اپنا نور انہیں پہنا دیا''۔

(احیاء العلوم الدین، ج ا، ص ۹۰۰)

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ تھا کہ جب رات چھا جاتی تو وہ اپنے بستر کے پاس آ کر اس پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے۔

''بیشک تو نرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! جنت میں تجھ سے بھی نرم بستر ملے گا''۔

پھر وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے۔

حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی لونڈی کو بیچ دیا۔ جب رات کا درمیان ہوا تو لونڈی کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''اے گھر والو! اٹھو نماز پڑھو''۔

انہوں نے پوچھا:

''کیا فجر طلوع ہو گئی''۔

اس نے کہا:

''کیا تم صرف فرض نماز پڑھتے ہو''۔

انہوں نے کہا:

''ہاں''

چنانچہ وہ حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس چلی گئی اور کہنے لگی۔

''اے میرے مالک! آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے پاس بیچ دیا جو صرف فرض

نماز پڑھتے ہیں۔ مجھے واپس لے لیں''۔

حضرت ابوالجویریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''میں چھ ماہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ رہا اس میں کسی رات بھی انہوں نے اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا''۔(احیاء العلوم الدین' ج ا' ص ۹۰۱)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جب سورج غروب ہوتا ہے تو میں اندھیرے پر خوش ہوتا ہوں کیونکہ اب مجھے اپنے رب کے ساتھ خلوت کا موقع ملتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو میں غمگین ہو جاتا ہوں کیونکہ اب لوگ میرے پاس آنا شروع ہو جاتے ہیں۔(احیاء العلوم الدین' ج ا' ص ۹۰۱)

حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

رات کو قیام کرنے والے کھیل کود والوں کی نسبت زیادہ لذت پاتے ہیں۔ اگر رات نہ ہوتی تو میں دنیا میں ٹھہرنا پسند نہ کرتا۔

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا۔

''میں رات کو قیام کرنے سے عاجز ہوں''۔

اس نے کہا:

''اے بھائی! دن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور رات کو قیام نہ کرو (تو کوئی حرج نہیں)''(احیاء العلوم الدین' ج ا' ص ۹۰۱)

بعض علماء فرماتے ہیں۔

دنیا میں کوئی ایسا وقت نہیں جو جنتی نعمتوں کے مشابہ ہو البتہ جو لوگ رات کو انکساری کرتے ہیں وہ مناجات کی حلاوت پاتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں۔

مناجات کی لذت دنیا سے نہیں بلکہ جنت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام کے لئے ظاہر کیا ان کے علاوہ اور کسی کو یہ لذت نہیں ملتی ہے۔(احیاء العلوم الدین' ج ا' ص ۹۰۷)

بعض عارفین فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سحری کے وقت شب بیداری کرنے والوں کے دلوں کو دیکھتا ہے اور ان کو نور سے بھر دیتا ہے تو فوائد ان کی نظروں میں لوٹتے ہیں اور وہ روشن ہوتے ہیں۔ پھر ان کے دلوں

سے زائد نور غافلوں کے دلوں پر پھیلتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مصروفیات کے باوجود دن یاد الٰہی میں بسر کرتے اور رات کا انتظار کرتے ہیں کہ آئے تاکہ اپنے رب کریم سے خلوت میں پیار' محبت' عجز و انکساری اور رو کر باتیں کریں۔

لوگوں پر رات کا قیام مشکل ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو قیام لیل کی ظاہری و باطنی شرائط کی آسانی کے ساتھ توفیق دی جاتی ہے۔

الف: ظاہری شرائط

۱۔ زیادہ نہ کھانا۔

۲۔ دن کے وقت ایسے کاموں کے ذریعے اپنے آپ کو نہ تھکانا جن کے ذریعے اعضاء تھک جاتے اور کمزور ہو جاتے ہیں۔

۳۔ قیلولہ کرنا یہ سنت ہے اور

۴۔ دن کو گناہوں کے بوجھ نہ اٹھانا۔ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بندے اور اسباب رحمت کے درمیان رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

ب: باطنی شرائط

۱۔ مسلمانوں کے بارے میں کینہ پروری' بدعتوں اور دنیا کے فضول خیالات سے دل کا سلامت ہونا۔

۲۔ امید کم اور دل پر خوف زیادہ طاری ہونا کیونکہ آخرت کی پریشانیوں اور جہنم کے درجات کے بارے میں سوچنا جس سے نیند اڑ جاتی اور خوف بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ آیات قرآنی' احادیث مبارکہ اور آثار سے قیام لیل کی فضیلت کا سننا اور

۴۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس بات پر پختہ ایمان رکھنا کہ وہ اپنے قیام میں جو حرف بھی زبان سے نکالتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دوست بڑی شان والے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی آپس میں بھی دوستی ہوتی ہے اور جو لوگ ان سے دوستی کر لیتے ہیں تو ان پر بھی ان کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"(قیامت کے دن) عرش کے اردگرد نورانی منبر ہوں گے اور ان پر ایسے لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے جن کے لباس نورانی ہوں گے۔ جن کے چہرے نورانی ہوں گے۔ وہ انبیاء نہیں ہوں گے اور نہ ہی شہزادے ہوں گے لیکن ان کی نورانیت قابل رشک ہوگی"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بتائیں وہ کون لوگ ہوں گے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیک اور پرہیزگار لوگوں سے محبت رکھتے تھے۔ ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان کی زیارت کرتے تھے"۔

اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے نیک دوست عطا فرما دیتا ہے جو (اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری) بھولنے پر اسے یاددلا دیتا ہے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے"۔ (ذخیرۃ الملوک' ص ۱۴۴)

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی۔

"اے داؤد (علیہ السلام)! تم گوشۂ تنہائی میں یوں اکیلے رہ رہے ہو"۔

انہوں نے عرض کی:

"اے اللہ! میں صرف تیری رضا کے لئے لوگوں سے میل جول ترک کر چکا ہوں"۔

ارشاد ہوا:

"اے داؤد (علیہ السلام)! اٹھو (اور خلوت سے باہر نکل کر) ایسے دوست تلاش کرو (جو ہماری بندگی میں تمہارے معاون ثابت ہوں) اور جو شخص ہماری رضا کے حصول کے لئے تمہاری موافقت نہ کرے اس کی دوستی سے پرہیز کرنا کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہوگا جو تمہارے دل کو سخت کر دے گا اور تمہیں ہم سے دور کر دے گا"۔ (ذخیرۃ الملوک' ص ۱۴۵)

ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبارک زمانے میں ایک مرتبہ پانچ برس تک بارش نہ ہوئی۔ بہت سے لوگ قحط سالی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ آپ علیہ السلام

نے چند مرتبہ بنی اسرائیل کے ہمراہ نزول باراں کی دعا کی لیکن قبولیت کا اثر ظاہر نہ ہوا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی:

"اے اللہ! آخر اس بات میں کیا حکمت ہے کہ لوگوں کی دعا کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ارشاد فرمایا:

"اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں ایسی قوم کی دعا کس طرح قبول کر سکتا ہوں جن کے جسم گناہوں سے آلودہ ہوں۔ جن کی زبان جھوٹ اور غیبت کی وجہ سے ناپاک ہو چکی ہو اور جن کے ہاتھ نافرمانی پر کمربستہ ہوں۔ جن کے پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہوں لیکن بہرحال میرا ایک خاص بندہ ہے اگر وہ دعا کرے تو یہ سختی دور ہو جائے گی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

"اس کا نام کیا ہے اور اسے کس طرح پہچانا جا سکتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس کا نام برخ ہے۔ اس کا رنگ سیاہ ہے۔ وہ پرانے کپڑے پہنتا ہے۔ اس کے بال بکھرے رہتے ہیں"۔

ایک مرتبہ صحرا سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ شخص نظر آ گیا۔ اسے پہچان کر اس کے قریب گئے اور نام دریافت کیا۔ اس نے برخ بتایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"میں تیری تلاش میں تھا"۔

اس نے عرض کی:

"اے کلیم اللہ علیہ السلام! میری کیا ضرورت پیش آ گئی ہے"۔

فرمایا:

"تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ لوگوں کو قحط سالی کی سختی سے نجات حاصل ہو"۔

اس نے عرض کیا:

"حضور! آپ یہاں سے ذرا دور ہو جائیں تاکہ میں اپنے پروردگار سے دعا کر

سکون"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔

"اے اللہ! شاید تیرا خزانہ خالی ہو چکا ہے یا پھر ہوا تیرا کہا نہیں مانتی یا پھر بادل تیرے حکم کا پابند نہیں رہا یا پھر تجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ سب لوگوں کو ایک ساتھ عذاب دینا مشکل ہوگا۔ لہٰذا بعض لوگوں کو جلد عذاب دیتے ہوئے انہیں اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے"۔

اسی دن خوب زور کی بارش ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر بہت حیران ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرا نہایت نیک بندہ ہے لیکن اس میں ایک عیب ہے اور وہ یہ کہ صبح کے وقت جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو اسے نہایت سکون محسوس ہوتا ہے حالانکہ جو شخص میرے ساتھ محبت کرتا ہے اسے (میرے علاوہ) اور کسی بھی چیز سے سکون نہیں ملنا چاہیے۔ (ذخیرۃ السلوک ص ۹۸)

اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک عابد کسی جنگل میں عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا۔ اس نے ایک چڑیا دیکھی جو کسی درخت پر گھونسلا بنائے ہوئے تھی۔ اس کی سریلی آواز اس عابد کو بھلی لگی۔ اس عابد نے چاہا کہ اس درخت کے نیچے اپنی جھونپڑی بنا لے تاکہ اس کے نغموں سے لطف اٹھائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانے کے پیغمبر پر وحی آئی کہ فلاں عابد کو جا کر کہہ دیں۔

"تم نے ایک مخلوق سے محبت اختیار کی ہے اس لئے میں نے تم کو تیرے مرتبے سے اتنا پست گرا دیا ہے کہ اب تم کسی ریاضت کے ذریعے وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ہو"۔ (مکتوبات صدی ص ۳۲۳)

کہتے ہیں حضرت سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لوگوں نے نماز باجماعت کے لئے امام بنایا۔ اثنائے قرات آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش میں لایا گیا اور غشی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"مجھے حمد و ثنا کے جواب میں تو میرے اللہ نے فرمایا:

"میں اسی قابل ہوں جیسے تو نے کی"۔ مگر جب میں نے آیت ایاك نعبد

وایاك نستعین تلاوت کی تو حکم ہوا"۔ تیرا قول تیرے فعل کے خلاف ہے۔ کہتا ہے تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے"۔ چنانچہ یہ عتاب میری غشی کا باعث بنا"۔ (ماہنامہ تبیان الاسلام شمارہ اگست ۲۰۰۸)

حق تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ہونا ہے تو پھر ہر لحاظ سے اسی کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ یہی حق عبودیت و عبدیت ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔

"اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اگر تو میری اتنی عبادت کرے جتنی تمام روئے زمین اور آسمان کی مخلوق کرتی ہے لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت یا دشمنی نہ ہو تو یہ سب عبادت تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی"۔ (ذخیرۃ السلوک ص ۱۴۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

تم پر لازم ہے کہ تم (نیک) دوست بناؤ کیونکہ یہ لوگ دنیا و آخرت میں انسان کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کیا تم نے (قرآن کی) وہ آیت نہیں پڑھی جس میں جہنمیوں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے (کہ قیامت کے دن جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں جہنم سے چھٹکارا دلانے والا کوئی نہیں ہے تو وہ یہ کہیں گے)۔

"ہمارا کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا نہیں ہے"۔

یعنی ہم نے دنیا میں کوئی ایسا دوست نہیں بنایا جو آج ہماری شفاعت کر سکتا یا ہمیں عذاب سے نجات دلا سکتا۔

عباسی خلیفہ ہارون رشید تخت نشیں ہونے سے پہلے صوفیاء و صالحین کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اسے خاص عقیدت تھی۔ جب وہ موسیٰ بن محمد الہادی کے بعد خلیفہ بنا تو عراق کے تمام علماء و مشائخ سوائے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے مبارکباد دینے آئے۔ ایک دن ہارون رشید نے انہیں خط لکھا۔

"میرے بھائی سفیان! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے خلافت اور بادشاہی سے کوئی رغبت نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی کوشش اور اختیار کے بغیر مجھے مسلمانوں کا نگران مقرر کیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کے تمام حقوق اچھی طرح ادا کروں اور یہ کام علماء دین کی معاونت کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے آپ کو چاہئے کہ سابقہ دوستی کا خیال رکھتے ہوئے اس

دینی کام میں میری مدد کریں"۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے جواب میں لکھا۔

"میں نے تمہارے ساتھ اس شرط پر دوستی کی تھی کہ تم خواہش نفس کو اپنا معبود نہیں بناؤ گے اور مردار دنیا کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے بجائے شیطان کے خدمتگار نہیں بنو گے۔ جب تم نے ان شرائط کی پاسداری نہیں کی تو ہمارا تعلق بھی ختم ہو گیا۔ اب میں دنیا اور آخرت میں تم سے بیزار ہوں۔ مناسب ہوگا کہ آئندہ تم مجھے یاد کرنے کی۔ اپنی زبان پر میرا نام لینے کی کوشش نہ کرنا"۔

ہارون رشید نے جب خط پڑھا تو رو پڑا۔ رات کے وقت ایک بوسیدہ لباس پہن کر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دروازے کے باہر جا کر بیٹھ گیا۔ صبح نماز کے وقت جب آپ گھر سے باہر نکلے تو ہارون رشید نے آپ کو سلام کہا۔ آپ نے چہرہ پھیر کر کہا۔

"میں تم سے بیزار ہوں"۔

ہارون رشید رو پڑا اور عرض کی:

"آپ کا مجھ سے بیزار ہونا آسان ہے کیونکہ آپ اہل دنیا سے گریز کرتے ہیں لیکن میں آپ سے گریز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں اپنی آخرت سے بے نیاز نہیں ہوں"۔ یعنی اپنی آخرت کی اصلاح کے لئے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے"۔

(ذخیرۃ السلوک، ص ۱۴۶)

ملک شام کے صالح نامی ایک بادشاہ کا معمول تھا کہ رات کے وقت ایک غلام کے ہمراہ پورے شہر کی مساجد، مقابر اور بازاروں کا گشت کرتا تھا تا کہ لوگوں کے حالات سے آگاہ ہو۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں گشت کرتے ہوئے ایک مسجد میں پہنچا جہاں ایک درویش ناکافی لباس میں بیٹھا سردی سے کانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"اے اللہ! اگر قیامت کے دن یہ غافل بادشاہ جو تیری نعمتوں کے ذریعے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں اور اس فانی حکومت کی وجہ سے تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں اور کمزور و ناتواں لوگوں کا خیال نہیں رکھتے۔ اگر یہ بادشاہ جنت میں چلے گئے تو تیری عزت وجلال کی قسم میں جنت میں قدم نہیں رکھوں گا"۔

یہ سن کر بادشاہ نے گرم لباس اور اشرفیوں کی ایک تھیلی درویش کی خدمت میں پیش کی اور

روتے ہوئے کہا:

میں نے یہ حدیث سن رکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں مناسب خوراک اور مناسب لباس دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ راضی برضائے الٰہی رہتے تھے۔

اس لئے آج جب کہ میری بادشاہی کا دور ہے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ کل جب آپ کی بادشاہی کا وقت آئیگا تو آپ کی حمایت اور مہربانی میرے شامل حال ہوگی اور آپ کی شفاعت سے محروم نہیں رہوں گا"۔

(ذخیرۃ السلوک، ص ۱۴۷)

اللہ تعالیٰ کے ان دوستوں کے حالات وواقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ

۱۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیک اور پرہیزگار لوگوں سے دوستی ومحبت رکھتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات وارشادات کی فرمانبرداری کے لئے لوگوں کو کہتے اور یاد دلاتے رہتے ہیں اور خود بھی عمل کرتے ہیں۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں معاونت کرتے ہیں ان کو دوست بناتے ہیں۔

۴۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں موافقت نہ کریں ان کی دوستی سے پرہیز کرتے ہیں۔

۵۔ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت و یاد سے سکون حاصل کرتے ہیں۔

۶۔ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوستی و دشمنی رکھتے ہیں۔

۷۔ نفسانی خواہشات کو معبود بنانے اور دنیا کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے والوں سے دوستی نہیں کرتے ہیں۔

۸۔ شیطان کے خدمتگاروں سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔

۹۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

۱۰۔ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہتے ہیں۔

۱۱۔ شب بیدار ہوتے ہیں۔

۱۲۔ عبادت وریاضت اور خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں۔

١٣-اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے ہیں۔

١٤-دنیا سے بیزار ہوتے ہیں۔

١٥-نفسانی خواہشات سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

١٦-نفس وشیطان کے خلاف ہمہ وقت جہاد اکبر میں مصروف رہتے ہیں۔

١٧-صرف اللہ تعالیٰ کے طلبگار ہوتے ہیں۔

١٨-حرص وہویٰ اور لالچ وطمع سے پاک ہوتے ہیں۔

١٩-حکمرانوں کے دروازوں پر جاتے نہیں ہیں۔

٢٠-عجز وانکساری کے پیکر ہوتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی نشانیاں ہیں اور جب کوئی رب ودود کا دوست بن جاتا ہے تو پھر سورہ یونس آیت ٦٢ کے مطابق ہر طرح کے حزن وملال سے محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔

یہی وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی دوستی قیامت میں بھی برقرار رہتی ہے جبکہ باقی سب دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی۔ارشاد خداوندی ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ○ (الزخرف ٦٧)

پرہیزگار لوگوں کے سوا اس روز (قیامت) سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

اور جو لوگ دنیا میں برے لوگوں کی صحبت کا شکار تھے وہ یہی کہیں گے۔

"کاش میرے اور تمہارے درمیان مشرق ومغرب جتنی دوری ہوتی"۔

اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کو کیسے دوست بنانے چاہئے اور دوست بناتے وقت بڑی سوچ بچار سے کام لینا چاہئے۔لیکن لوگوں کی اکثریت اس ضمن میں بے حد لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہے اور ہرایرے غیرے کو حلقۂ احباب میں شامل کر لیتی ہے۔

بزرگانِ دین کے ارشاد کے مطابق ہر انسان کو آٹھ قسموں کے لوگوں کی دوستی سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔وہ یہ ہیں۔

١-جاہل کی دوستی

جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی منزل سے ناواقف ہو۔ایسے شخص کی دوستی سے انسان خزاں رسیدہ پتے کی طرح ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔

٢-احمق کی دوستی

احمق وہ ہوتا ہے جو اس مقام کو اپنی منزل سمجھ لیتا ہے جو درحقیقت اس کی منزل نہیں ہوتی ہے۔جو شخص احمق کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ رحمتِ خداوندی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

احمق سے قطع تعلق اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

احمق کی طرف دیکھنا گناہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

احمق اپنے زعم میں تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن اپنی حماقت کے باعث تمہیں نقصان پہنچائے گا۔

٣-بداخلاق کی دوستی

بداخلاق اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مذموم صفات کا عنصر غالب ہو۔لہٰذا جب ایسا شخص کوئی دینی کام کرنا چاہے گا تو ان مذموم صفات کا اثر اس پر غالب ہونے کی وجہ سے ان کی تاریکی اس کی عقل پر پردہ ڈال کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت معطل کر دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا ہے۔

٤-فاسق کی دوستی

عادی فاسق کی دوستی کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ آخرکار یہ انسان کو بدنام کر دیتی ہے۔جو بھی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہیں کر سکتا ہے۔لہٰذا جو شخص اللہ کریم سے نہ ڈرتا ہو اسے دین یا دنیا میں اپنا دوست نہیں بنانا چاہئے۔

فاسق اپنے دوست کو ایک لقمے کے عوض فروخت کر دیتا ہے۔عبداللہ بن مامون جو ساتویں عباسی خلیفہ تھے ان کا قول ہے کہ مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔

الف: جو غذا کی مانند ہیں۔جن کی موجودگی ضروری ہے۔یہ بزرگانِ دین ہیں جن کا وجود علم وتقویٰ کا مجموعہ ہے اور ان کی صحبت کی وجہ سے غافل لوگوں کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔

ب: وہ لوگ جو دوا کی مانند ہیں کہ بیماری کے وقت ان کی ضرورت پیش آتی ہے اور

ج: وہ لوگ جو خود بیماری کی مانند ہیں' ان کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ان کی وجہ سے انسان خود مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۵- بدعتی کی دوستی

بدعتی کی دوستی میں یہ خطرہ ہے کہ انسان خود بدعت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔

لاریب انسان کا حشر اس کے دوست کے دین کے مطابق کیا جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعتی کی توہین کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا مومن اسے کیسے دوست بنا سکتا ہے۔

۶- جھوٹے کی دوستی

بقول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جھوٹا ایک سراب کی مانند ہوتا ہے جو بظاہر موجود محسوس ہوتا ہے لیکن درحقیقت کچھ نہیں ہوتا۔ (جھوٹا آدمی اپنی جھوٹی باتوں کے ذریعے سبز باغ دکھا کر دھوکہ دے سکتا ہے)

۷- بخیل کی دوستی

برسہا برس کی پرانی دوستی کے باوجود ضرورت کے وقت تم سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

۸- ڈرپوک کی دوستی

مصیبت کے وقت تمہیں دشمن کے حوالے کر کے خود بھاگ جاتا ہے۔

(ذخیرۃ الملوک' ص ۱۴۸)

اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالنے سے اس امر کا بخوبی ادراک ہونے لگتا ہے کہ جب کوئی شخص نفسانی خواہشات کے راستے پر چل پڑتا ہے تو اسے ہر موتی پتھر اور ہر پتھر موتی دکھائی دیتا ہے اور وہ انہیں اکٹھا کرنے میں شبانہ روز مگن ہو جاتا ہے۔ وہ حرام مال سمیٹنے لگتا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیتا ہے۔ برائیوں کی فصلیں اگانے لگتا ہے۔ ظلم و زیادتی کو شیوہ بنا لیتا ہے۔ لوگوں کے حق پر ڈاکے ڈالنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اسے یہ سب چیزیں دنیا کے بازار کے موتی نظر آتی ہیں حالانکہ یہ پتھر ہیں جن کو وہ اپنی آخرت پر بے دریغ برساتا رہتا ہے۔

ایسا شخص خود کو اپنے ہم مشرب و ہم منش مطلبی و اخلاص سے عاری دوستوں کے جھمگٹے میں بڑا شاداں و فرحاں محسوس کرتا ہے لیکن یہ دوست انسانی بھیس میں خونخوار بھیڑیئے' وحشتناک

عفریت اور آسیب ہوتے ہیں جو اس کی رگ و پے میں دوستی کی آڑ میں گناہوں کے آلاؤ روشن کرتے رہتے ہیں اور اس کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈال دیتے ہیں جو حق شناسی' صراط مستقیم اور مخلص دوستوں کی پہچان سے محروم کر دیتے ہیں۔

ابن الوقت مفاد پرست دوست مطلب براری کے بعد دوستی کے آستانوں کو بدلنے میں لمحہ بھر تاخیر سے کام نہیں لیتے ہیں۔ یہ اس قدر زیرک و چالاک ہوتے ہیں کہ جس سے چمٹ جاتے ہیں اس کو ذہنی طور پر اس ندر مفلوج اور جذباتی طور پر اتنا انگیخت کر دیتے ہیں کہ وہ انہی کے گیت گاتا رہتا ہے۔

فی زمانہ دوستیوں نے جو خود غرضانہ رخ اختیار کر رکھا ہے' اس امر کا متقضی ہے کہ اپنے حلقہ احباب کا ازسرنو جائزہ لیا جائے کہ ہمارے گرد تو کہیں ایسے لوگ موجود نہیں جو دوستی کے روپ میں ہماری عاقبت سے کھیل رہے ہیں۔ اگر ہماری دوستی نیک و پرہیزگار اور متقی و پارسا لوگوں کے ساتھ ہے تو مقام شکر ہے اور اگر ہم آخرت کے ڈاکوؤں میں گھرے ہوئے ہیں تو ان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنے میں عجلت سے کام لینا چاہئے کیونکہ وقت کا پرندہ بڑی تیزی سے محو پرواز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور پچھتاوے کے سوا ہمارے دامن میں کچھ نہ ہو۔

حق تو یہ ہے کہ ہمیں دنیاوی نکتہ نظر سے قائم کردہ تمام دوستیاں ترک کر دینی چاہئیں اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کو دوست بنانا چاہئے۔ اس طرح دنیا و آخرت دونوں جہان جنت بن جاتے ہیں۔ ہمیں بارگاہ رب العزت میں ہر لحظہ یہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔

"اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے!
دنیا و آخرت میں تو ہی میرا دوست اور
کارساز ہے تو دم آخر بھی مجھے مسلمان
رکھنا اور نیک لوگوں کے ساتھ رکھنا"۔ (سورہ یوسف' آیت ۱۰۱)

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ دوست بناتے وقت ہم ان کو دین کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں یا دنیا کی۔
☆ ہمارے حلقہ احباب میں کس قسم کے لوگ شامل ہیں۔
☆ کیا ہماری دوستی متقی و پرہیزگار اور پارسا لوگوں کے ساتھ ہے یا نہیں۔

- ☆ کیا ہمارے اندر ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں ہوتی ہیں۔
- ☆ کیا ہماری دوستی اور دشمنی اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتی ہے یا دنیا کے لیے۔
- ☆ وہ لوگ جو دوستی کے قابل نہیں کیا ہم ان سے دور رہنے کی سعی کرتے ہیں یا نہیں۔
- ☆ کیا ہمیں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے پاس بیٹھنے سے سکون ملتا ہے یا دنیا داروں کے پاس۔

ان سوالات کے جوابات نیک و پارسا اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے قریب ہونے اور برے لوگوں سے کنارہ کشی میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

چغل خور

حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کے زمانے میں سخت قحط پڑ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی تمام امت سمیت بارش کے لئے پہاڑ پر دعا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ تین مرتبہ جانے کے باوجود قبولیت دعا کی نوبت نہ آئی۔ آخرکار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ تمہارے درمیان ایک چغلخور ہے۔ جب تک وہ تمہارے درمیان موجود ہے دعا قبول نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

''اے اللہ! وہ کون ہے تاکہ اسے نکال دیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''میں چغلخوری سے منع کرتا ہوں تو خود یہ کیونکر کر سکتا ہوں''۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے امتیوں سے فرمایا:

''سب توبہ کرو کہ کسی کی چغلی کبھی نہیں کرو گے''۔

بس توبہ کرنے کی دیر تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ (نسخۂ کیمیا ص ۲۷۶)

دعا کی عدم قبولیت کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ ملتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑ گیا۔ کئی مرتبہ دعائے باراں کی گئی لیکن قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ آخر ان کے پیغمبر زمانہ پر وحی نازل ہوئی کہ لوگوں سے کہہ دیں۔

''باہر نکلے ہو دعا کے لئے اور دل پلید' پیٹ حرام مال سے بھرے ہوئے اور ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ تمہارا اس طرح باہر آنا میرے (رحم کو نہیں بلکہ) قہر و غضب کو زیادہ کرتا ہے۔ جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ (نسخۂ کیمیا ص ۲۷۶)

متذکرہ دونوں واقعات میں چار ایسے اشخاص کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ تنہا ہوں یا کسی محفل میں دست بدعا ہوں تو ان کی موجودگی کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں دعا کو شرف قبولیت نہیں بخشا جاتا ہے۔

وہ لوگ یہ ہیں۔

☆ چغل خور

☆ خواہشات سے لبریز پلید دل والا

☆ حرام خور

☆ مظلوموں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلبگار بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی رحمت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا ایسے اشخاص کو ''دور ہو جاؤ'' کہہ کر دھتکار دیا جاتا ہے۔ لیکن آسمان سے آنے والی یہ آواز انہیں سنائی نہیں دیتی ہے۔

بعض لوگ چغلی اور غیبت کو ہم معنی تصور کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا مفہوم جداگانہ ہے۔

چغلی فساد پیدا کرنے کی نیت سے ایک کی باتیں دوسرے کو پہنچانا ہوتا ہے۔ مرچ مصالحے سے آلودہ یہ باتیں دو یا دو سے زائد افراد کے مابین بدظنی کی فضا پیدا کر دیتی ہیں جس سے چغل خور اپنا مفاد حاصل کرتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا''۔ (دریائے محبت، ص ۳۶۴)

اگر ہم حقیقت پسندانہ نظر اپنے گھر کے اندر اور باہر معاشرے پر دوڑائیں تو چغلخوری کی بنا پر ایک فساد سا برپا نظر آتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے ہر شخص ایک دوسرے سے ناراض ناراض سا ہو۔ محبت و گرمجوشی کا فقدان ہوتا ہے۔ دراصل ہماری زبان چغلی کے چٹکارے سے اتنی مانوس ہو چکی ہوتی ہے کہ جب تک اسے دن میں کئی بار اس کی غذا نہ دی جائے یہ بے چین و مضطرب رہتی ہے۔

چغلخوری وبا کی طرح ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں چند دوست بیٹھے

ہوں۔ خاندان کی عورتیں اکٹھی ہوں۔ دفتری یا کاروباری حضرات یکجا ہوں تو کسی نہ کسی نوع چغلی کا پٹارا کھل جاتا ہے۔ اگر چغلخور کی موجودگی میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور دیگر افراد کی دعا قبول نہیں ہوتی تو ہم کس کھیت کی مولی اور کس باغ کے بھتوے ہیں۔ ہماری دعائیں کیسے بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو سکتی ہیں۔ اگر ہم اپنی زبانوں سے پوچھیں کہ وہ چغلخوری کرتی ہیں یا نہیں تو ان کا جواب سن کر ہم سب اپنے آپ کو مجرم و گنہگار پائیں گے۔

حضرت مصعب بن الزبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

''میرے نزدیک چغلی سننا چغلی کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔ کیونکہ چغلخور کا مقصد بھڑکانا اور اکسانا ہوتا ہے اور سننے والا اس سے متاثر ہوتا ہے۔ لامحالہ اسے چغلی کرنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''چغلخور حلال زادہ نہیں ہوتا''۔

یاد رہے کہ چغلخور اور لگائی بجھائی کرنے والے کا شر بہت ہی زبردست ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ (نسخہ کیمیا، ص ۶۳۱)

ہمارے بزرگوں کے نزدیک چغلخور سے چغلی کی بات سننا زیادہ خطرناک و ناپسندیدہ ہے کیونکہ گناہ کی باتیں سننا بھی گناہ ہے اور یہ کانوں کی نعمت خداوندی کو خلاف حق استعمال کرنا ہے اور یہ خیانت ہے۔ اس سے انسان

☆ گنہگار ہوتا ہے۔

☆ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

☆ تضیع اوقات کرتا ہے۔

☆ جس سے متعلق بات سنتا ہے اس سے بدظن اور بدگمان ہوتا ہے۔

☆ بے گناہ لذت سے بالذت گناہ کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

☆ ذہنی عیاشی کرتا ہے۔

☆ معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے۔

☆ شیطانی خیالات کو دل و دماغ میں بسیرا کرنے کا موقع دیتا ہے۔

دراصل چغلخوری سے دلوں میں ایسی آگ لگتی ہے کہ عرصہ دراز تک بجھنے کا نام نہیں لیتی

ہے۔

کہتے ہیں ایک شخص اپنے غلام کو فروخت کر رہا تھا اور کہتا تھا:

''یہ چغلخور اور شر انگیز ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے''۔

ایک شخص نے غلام کی اس بری عادت کو قابل توجہ نہ سمجھا اور اسے خرید لیا۔

ایک دن غلام نے مالک کی بیوی کو کہا:

''مالک کو آپ کے ساتھ محبت نہیں رہی اور وہ ایک کنیز خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بہر حال آپ فکر نہ کریں۔ جب وہ سو جائے تو اس کے حلق کے نیچے سے استرے سے چند بال اتار کر مجھے دنیا میں ایسا جادو کروں گا کہ وہ آپ پر فریفتہ ہو جائے گا''۔

ادھر مالک کو جا کر بھڑکایا۔

''آپ کی بیوی بیوفا ہے۔ کسی اور پر مرتی ہے۔ آپ کے قتل کے درپے ہے۔ اگر آزمانا چاہتے ہیں تو جھوٹ موٹ سو جائیں' آپ پر حقیقت روشن ہو جائے گی''۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بیوی جھٹ سے استرا لے آئی اور داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا''۔

وہ سمجھا کہ مجھے قتل کرنے لگی ہے۔ فوراً اٹھا اور اسی استرے سے اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ عورت کے رشتہ داروں کو پتہ چلا تو انہوں نے آ کر اس شخص کا کام تمام کر دیا اور پھر خونریزی کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۶۴۱)

دراصل جتنے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق سننے سے ہوتا ہے اور جب سننے سے کوئی گناہ سر اٹھاتا ہے تو دوسرے اعضا میں مدد کرنے لگتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ انہیں آداب سکھائے جائیں اور خلاف حق استعمال نہ کئے جائیں۔

اور وہ شخص جس کا دل نفسانی خواہشات جن کا تعلق نفس وشیطان کے خاندان سے ہے کی وجہ سے پلید ہو تو وہ ماسوا اور دنیا کی محبت کا اسیر اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہوتا ہے۔ اور جس کا پیٹ مال حرام سے بھرا ہوا ہو تو اس کو مادہ پرستی اور ہوس زر کا آسیب چمٹا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے اور جس کے ہاتھوں سے مظلوموں کا خون ٹپک رہا ہو تو وہ حقوق العباد کا راہزن ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بطن سے ہر نوع کی برائیاں' خباثتیں اور گناہ جنم لیتے رہتے ہیں۔

آج کی دنیا میں لوگوں کی اکثریت قولاً تو محبت الٰہیہ اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ کرتی ہے لیکن عملاً وہ غیروں' نفس اور شیطان سے انس و پیار رکھتی ہے۔ ان حالات میں کون شخص ہے جو سینے پر ہاتھ مار کر یقین اور ایمان سے کہہ سکے کہ اس کا رزق حلال اور شبہ سے پاک ہے۔ ایسا انسان بجز الا ماشاء اللہ اپنی ذات پر اور دوسروں پر ظلم و استبداد کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس سے خیر کی توقع عبث ہے۔

زندگی کے گرانمایہ لمحات کو لغویات وخرافات میں بسر کرنا اور اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات وتعلیمات کے خلاف آزاد چھوڑ دینا اپنی ذات پر انتہائی درجہ کا ظلم ہے اور انسان جب اپنی خباثتوں' برائیوں اور گناہوں سے ابھرنے والی سرانڈ اور تعفن سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے تو یہ ان پر ظلم ہے۔ ایسے لوگوں کو رب تعالیٰ دور نہیں رکھے گا تو کیا قریب رکھے گا۔

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا:

''فلاں شخص آپ کے بارے میں یوں کہتا ہے''۔

دانا نے کہا:

''تم کئی دنوں کے بعد ملنے کے لئے آئے ہو لیکن آتے ہی تین خیانتوں کے مرتکب ہو گئے ہو۔

الف: ایک بھائی کو میرے دل سے گرایا ہے۔

ب: میرے دل کو عین فراغت کی حالت میں خواہ مخواہ ایک مشغولیت میں مبتلا کر دیا ہے اور

ج: خود اپنے آپ کو میری نظروں میں فاسق وافترا پرداز ٹھہرایا ہے۔

(نسخۂ کیمیا' ص ۶۴۰)

میل ملاقات انسانی زندگی کا جز لاینفک ہے لیکن دوران ملاقات اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کو نیکیوں میں سبقت اور برائیوں سے انحراف میں مدد کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس اگر میل ملاقاتیں گناہوں میں اضافہ کا باعث ہوں تو ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔ گناہ کی باتیں کرنے اور اس کی ترغیب دینے والے کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے اس سے دلوں میں نفرت کا غبار پیدا ہوتا ہے اور نہ دماغ فضول مشغولیت

کی آماجگاہ بنتا ہے۔

اولیاء اللہ کے آستانوں، علماء حق کی محفلوں اور متقی و پرہیزگار لوگوں کی نشستگاہوں میں فضول اور لغو، چغلی یا غیبت کی باتیں کرنے یا سننے یا سنانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی جرات کرتا ہے۔ وہاں تو صرف شریعت و طریقت و معرفت کی، اصلاح احوال کی، ذکر و فکر کی، رب و دود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کی۔ مجاہدہ و ریاضت و اخلاق و کردار کی باتیں ہوتی ہیں۔ جو حاضرین محفل کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے میں مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ ان محفلوں میں شرکت سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے بلکہ ان میں شرکت کرنے والوں کے اندر سے رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے برائیاں اور منفی صفات نکلنے لگتی اور ان کی جگہ ایک ایک کر کے اچھائیاں اور مثبت صفات داخل ہونے لگتی ہیں۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبرستان میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا:

''آپ شہر میں قیام کیوں نہیں فرماتے''۔

انہوں نے جواب دیا:

''میں ایسے لوگوں کے پاس رہتا ہوں کہ مجھے تکلیف نہیں پہنچاتے اور اگر ان سے غائب ہوتا ہوں تو غیبت نہیں کرتے ہیں''۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۷)

ہمارے بزرگوں اور اولیاء اللہ کا حال یہ تھا اور ہے کہ وہ ایسے لوگوں اور محفلوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور ہیں جہاں کوئی گناہ کی بات ہوتی تھی اور ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہم سب کے لئے چشم کشا ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ محفلیں جن میں شرکت کرنا گناہ ہو اس سے تنہائی ہزار درجہ بہتر ہے اور تنہائی سے اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، علماء حق اور متقی و پارسا لوگوں سے ملنا جلنا تنہائی سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو

☆ اپنی راحتیں دوسروں کی خوشی کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔
☆ اپنے مال سے غربا و مساکین کی مدد کرتے ہیں۔
☆ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہیں۔

☆ دوسروں کے ایذا دینے پر انتقام نہیں لیتے ہیں۔
☆ کسی کی چغلی و غیبت نہیں کرتے ہیں۔
☆ دوسروں پر بہتان نہیں باندھتے ہیں۔
☆ کسی کو دھوکا نہیں دیتے ہیں۔
☆ کسی کو حقیر نہیں سمجھتے ہیں۔
☆ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ہیں۔
☆ صاف اور حق گو اور دوسروں کی طرف سے سینہ میل سے پاک رکھتے ہیں۔
☆ کسی سے بغض و عناد نہیں رکھتے ہیں۔
☆ دوسروں کو دکھ اور تکلیف نہیں دیتے ہیں۔
☆ دوسروں کو برائی سے روکنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔
☆ دوسروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔
☆ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔
☆ کسی کا دل دکھاتے نہیں ہیں۔
☆ منکسر المزاج اور حلیم الطبع ہوتے ہیں۔
☆ زبان پاک ہاتھ امین اور قدم طیب رکھتے ہیں۔
☆ دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔
☆ تعلقات کو کشیدہ نہیں ہونے دیتے ہیں۔
☆ رزق حرام اور مشتبہ سے کوسوں دور رہتے ہیں۔
☆ قانع، صابر اور شاکر رہتے ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کرتے ہیں۔

ایسے لوگ اسی معاشرے میں ہمارے دائیں بائیں، قرب و جوار میں موجود ہوتے ہیں لیکن جب آنکھوں پر مادہ پرستی کی پٹی بندھی ہو تو یہ نظر نہیں آتے ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ ہم چغلخور ہیں یا نہیں۔

☆ ہم چغلخوری اور غیبت کی باتیں سننا اور سنانا پسند کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زندگی اور اعضاء کی نعمتوں میں خیانت کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم گناہ بغیر لذت کے مرتکب ہوتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہمارے دل اور رزق پاک ہیں یا پلید۔
☆ کیا ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری میں مخلص ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم اولیاء اللہ، علماء حق اور متقی و پرہیزگار لوگوں سے میل ملاقات رکھتے ہیں یا نہیں۔

ان پر غور کرنے سے زندگی کے بے لگام گھوڑے کا رخ صحیح سمت کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ضعیف الیقینی

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں:
مجھے ایک نہایت خوبصورت نوجوان بیابان میں ملا۔ میں نے اس سے پوچھا:
''اے بچے! کہاں جا رہے ہو''۔
اس نے جواباً کہا:
''مکہ مکرمہ''
میں نے پھر دریافت کیا:
''کیا بغیر زادراہ۔ بغیر سواری اور بغیر خرچ کے جا رہے ہو''۔
اس نوجوان نے جواب دیا:
''اے ضعیف الیقین! وہ اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کی حفاظت کرتا ہے وہ مجھے بغیر اسباب کے مکہ مکرمہ تک نہیں پہنچا دے گا''۔
چنانچہ جب حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور شعر پڑھ رہا ہے جس کا ترجمہ ہے۔

اے آنکھ! ہمیشہ روتی رہ
اے نفس! غم سے مر جا

مگر اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرنا۔
اور جب اس کی نگاہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر پڑتی ہے تو کہتا ہے:
''اے بوڑھے! کیا ابھی تک تم ضعیف الیقین ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۳۷۶)
صاحبو! یقین ٹھوس چٹان کی مانند ہے اور ضعیف الیقینی بھربھری ریت کی طرح ہے جس پر پاؤں جمتے نہیں ہیں۔ صاحب یقین ستاروں پر کمند ڈال لیتا ہے اور بے یقین شخص واہموں

اور وسوسوں کے گرداب میں ہی ڈبکیاں کھاتا رہتا ہے۔ یقین کامل سے انسان نظروں سے اوجھل منزل کو بھی پالیتا ہے جبکہ بے یقینی سے سامنے موجود منزل کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔

اس مادہ پرست دنیا میں لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اللہ کے بجائے اپنی کاوشوں اور ارباب بست وکشاد پر بھروسہ کرتی ہے۔ حالانکہ بندے کو صرف اور صرف اپنے اللہ کریم پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ لیکن منزل مراد پانے کے لئے تگ ودو کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا۔ اس سے برآمد ہونے والے نتائج کو منجانب اللہ تعالیٰ سمجھنا اور ان پر راضی رہنا چاہئے۔

قرآن مجید کی سورہ حم السجدہ' آیت ۳۰ میں ارشاد خداوندی ہے:

بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے' اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔

اس کی تفسیر میں ابومحمد عبدالحق محدث دہلوی تفسیر حقانی' ج ۴' ص ۲۱۳ پر لکھتے ہیں:

کمالات تین قسم پر ہیں۔

۱-نفسانیہ: یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

۲-بدنیہ: یہ اوسط ہے اور

۳-خارجیہ: یہ کم تر مرتبہ میں ہے۔

کمالات نفسانیہ کی دو قسم ہیں۔

الف: علم یقینی

اس میں کمالات کی بات اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کا اقرار کرنا ہے۔

ب: عمل صالح

یہ وسط پر استقامت ہے۔ افراط وتفریط کی طرف میلان نہ ہو۔

ترمذی ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو کلمہ توحید پر مرتے دم تک ثابت رہا ہے اس نے اس پر استقامت حاصل کر لی''۔

استقامت میں دو قول ہیں۔

اول: یہ کہ استقامت سے دین وتوحید ومعرفت پر قائم رہنا مراد ہے اور

دوم: عبادات واعمال صالحہ پر قائم رہنا مراد ہے۔

ان پر ملائکہ اترتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں کہ تم خوف وغم نہ کرو۔ ہم تمہارے دنیا وآخرت میں رفیق ہیں اور تمہارے لئے جنت کا مژدہ ہے۔ وہاں تم کو ہر چیز ملے گی۔

متذکرہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن' ج ۴' ص ۳۴۳ پر رقمطراز ہیں۔

اس میں شان بندگی وشان بندہ نوازی کا ذکر ہے۔

شان بندگی یہ ہے کہ انسان زبان سے اقرار کرے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر آخر دم تک اپنے عمل سے۔ اپنے قول وفعل سے۔ اپنے احساسات اور جذبات سے۔ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اس کی تصدیق کرتا رہے۔ زبان سے یہ کہہ دینا کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' آسان ہے لیکن عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہنا بڑی ہمت ومردانگی کا کام ہے۔

شان بندہ نوازی یہ ہے کہ ان مقبول بندوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو طرح طرح کی تسلیاں دیتے ہیں۔ اہل تحقیق کا یہ قول ہے کہ یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہتا ہے۔ جب بھی بندۂ مومن اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے فرائض سے عہدہ برا ہونے کے لئے راہ عمل پر گامزن ہوتا ہے تو قدم قدم پر تیز کانٹے اس کے پاؤں کی تواضع کرتے ہیں۔ ہر موڑ پر حشر بداماں مصیبتیں اس کی منتظر ہوتی ہیں اور رنج وآلام کے بادل ہر طرف سے گھر کر آتے ہیں۔ اس وقت ملائکہ اس کی دلجوئی کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ بعض مقبول بندے فرشتوں کی یہ باتیں اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور جو ان کی باتیں نہیں سن سکتے ان کے دلوں میں طمانیت وتسکین کی ایک ایسی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے کہ ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ باطل کے مقابلہ میں ان کی قوت مدافعت تند وتیز ہو جاتی ہے اور نئے ولولوں سے سرشار ہو کر وہ منزل مقصود کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ مرتے وقت لحد میں اور روز حشر ان تمام مقامات پر انہیں ملائکہ کی رفاقت حاصل ہو گی۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

''یعنی فرشتے ان پر اترتے ہیں اور دینی اور دنیوی مشکلات جو انہیں پیش آتی ہیں ان

میں ان کی یوں امداد کرتے ہیں کہ ان کے سینے منشرح ہو جاتے ہیں اور بذریعہ الہام ان کے خوف وحزن کو دور کر دیتے ہیں جس طرح کافروں کو ان کے برے ساتھی برے کاموں پر اکساتے ہیں"۔

علامہ اقبال نے جو کہا ہے مصرعہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ پر کلی بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ بظاہر اگرچہ بے تیغ نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اس کے پاس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ویقین کی خارا شگاف تلوار ہوتی ہے اور وہ جس طرف نکل جاتا ہے فتح وکامرانی اس کے قدم چومتی ہے۔

عام دنیاداروں کا حال یہ ہے کہ قولاً تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ویقین کرتے ہیں اور عملاً وہم و شک وضعیف الیقینی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سے ان کی زندگی عدم سکینہ اور پریشانیوں کی یلغار سے نڈھال رہتی ہے۔

بقول حضرت ابوعبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کم سے کم یقین بھی جب دل میں داخل ہو جاتا ہے تو دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور دل سے ہر قسم کے شک کو دور کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دل شکر اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے پر ہو جاتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

یقین ایمان کی زیادتی اور تحقیق کا سبب بنتا ہے اور جو دل غیر اللہ سے سکون حاصل کرے وہ کبھی بھی یقین کی بو نہیں سونگھ سکتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۳۷۲)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یقین امیدوں کو کوتاہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور امیدوں کو کوتاہ کرنا زہد کی طرف لے جاتا ہے۔ زہد سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور حکمت سے انجام میں غور وخوض کی عادت پڑتی ہے۔

آپ ہی کا فرمانا ہے:

تین چیزیں یقین کی علامت ہیں۔

☆ لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔

☆ ان کے عطیوں پر ان کی مدح نہ کرنا اور

☆ اور جب وہ کچھ نہ دیں تو ان کی مذمت سے اپنے آپ کو پاک رکھنا۔

اور تین چیزیں یقین الیقین کی علامت ہیں۔

☆ ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کرنا۔

☆ ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور

☆ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔

(رسالہ قشیریہ، ص ۳۷۴)

ہمارا حال کیا ہے؟

کیا ہم میں یقین یا یقین الیقین کی کوئی علامت پائی جاتی ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ ہم ان سے کورے ہیں۔ ہمارے روزمرہ کے معمولات از خود گواہ ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ پر عملاً بھروسہ ویقین نہیں ہے۔ ہمارے گردوپیش میں جو آفات وبلیات کی حکمرانی ہے۔ شک و شبہات کی جو زوردار آندھیاں چل رہی ہیں۔ وہموں اور وسوسوں کا زہر جو ہماری زندگی میں گھل گیا ہے، یہ سب بے یقینی کی پیداوار اور ثمرہ ہیں۔ اگر ہم ضعیف الیقینی و بے یقینی سے کنارہ کش ہو کر یقین کا دامن تھام لیں تو زندگی کے ہر موڑ پر نئی منزل، نئی کامرانی، راحت وسکون اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی میسر آئیگی۔ اس کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور جب تک ہم اس کو نہیں تھامتے، بے یقینی وضعیف الیقینی کے بھنور سے باہر نکل نہیں سکتے ہیں۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کی صدائے دلنواز ہر وقت فضا میں گونجتی رہتی ہے۔ اس رسی کو جس قدر جلد تھام لیا جائے۔ اتنا ہی بہتر ہے تو پر انتظار کس بات ہے۔ دوڑ بھاگو اس رسی کی طرف جس سے دنیا وآخرت کی نعمتیں بندھی ہوئی ہیں۔

حقدار کا حق دو

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج سے فارغ ہوئے تو حرم شریف میں ایک ساعت کے لئے سو گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔

پہلا فرشتہ
اس سال کتنے لوگ حج کو آئے ہیں۔
دوسرا فرشتہ
چھ لاکھ
پہلا فرشتہ
کس قدر لوگوں کا حج قبول ہوا ہے۔
دوسرا فرشتہ
کسی کا بھی نہیں۔ البتہ دمشق میں ایک موچی علی ابن الموفق نامی رہتا ہے۔ وہ حج پر نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہوا ہے اور اس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بخش دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواب سے بیدار ہوئے اور اس موچی کی زیارت کے لئے سوئے دمشق چل پڑے۔ چنانچہ آپ نے اس کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ ایک شخص باہر نکلا۔ اس کا نام اور پیشہ پوچھا۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ علی ابن الموفق ہے تو آپ نے کہا:

''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔
''کہیں کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں''۔
اس نے کہا: پھر آپ نے خواب کا سارا واقعہ بیان کیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''۔
علی ابن الموفق نے پوچھا:
''عبداللہ بن مبارک''۔

جب اس نے آپ کا نام سنا تو ایک نعرہ بلند کیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو آپ نے کہا:

''مجھے اپنی حالت سے آگاہ کریں''۔
علی ابن الموفق گویا ہوا۔

''مجھے تیس سال سے حج کی آرزو تھی۔ اس مدت میں' میں نے تین ہزار درہم جمع کئے اور اس سال حج کا ارادہ کیا۔ ایک دن میری حاملہ بیوی نے ہمسائے کے گھر سے کھانے کی بو آنے پر کھانا مانگ کر لانے کو کہا۔ میں گیا تو میرے ہمسائے نے بتایا کہ تین دن رات سے میرے بچوں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ اتفاقاً آج میں نے ایک مردار گدھا دیکھا تو اس سے ایک ٹکڑا گوشت کا کاٹ لیا اور طعام بنایا۔ وہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

جب میں نے سنا تو میری جان کو ایک آگ سی لگ گئی۔ میں نے حج کے لئے رکھے ہوئے تین ہزار درہم لا کر اس کو دے دیئے اور کہا:

''اس سے اپنے بال بچوں کا گزارہ کرو' میرا حج یہی ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ میرے خلوص نیت کو دیکھ کر بغیر ادائیگی مراسم حج اس نے میرے اس فعل کو قبولیت حج کا درجہ عطا فرمایا۔ (اعمال الصالحین' ص ۱۴۷)

صاحبو! اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں انسان تو کجا جانوروں' پرندوں اور راستوں وغیرہ کا حق بھی متعین ہے اور ان سب کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں بارگاہ خداوندی میں پوچھ ہوگی۔

حضرت انسان کے ذمہ حقوق اللہ اور حقوق العباد واجب الادا ہیں۔ ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور جنت کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے اور ان کی عدم ادائیگی پر سخت وعید اور جہنم کا عذاب ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی یا کمی بیشی ہو تب کریم اپنی رحمت یا بندوں کے توبہ استغفار کرنے پر معاف فرما دیتا ہے۔ اپنے حقوق بندوں پر صدقہ بھی کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا

ہے۔ مالک ہے جو چاہے کرے لیکن حقوق العباد کی ادائیگی کے سلسلہ میں جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتا ہے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ شہید کو اس کا پہلا قطرہ خون زمین پر گرنے سے پہلے معاف فرما دیا جاتا ہے لیکن اگر قرض اس کے ذمہ ہو تو وہ معاف نہیں کیا جاتا ہے۔

اگر ہم اپنی زندگیوں کا بہ غائر جائزہ لیں تو ہم دونوں اقسام کے حقوق کی پامالی میں شبانہ روز مصروف ہیں۔ دنیا اور اس کی مصروفیتوں نے اس قدر الجھا رکھا ہے کہ یاد ہی نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی میں ہمارے بزرگوں اور اسلام کا کیا طرز عمل تھا اور ہے اس کو دیکھ کر سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔

حقوق اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ہے لیکن حقوق العباد کا معاملہ بندوں اور بندوں کے درمیان ہے اور یہ حقوق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی متعین و مقرر فرمائے ہیں اور ان کی ادائیگی بھی بدرجہ اتم ناگزیر ہے۔ ان کی معافی کی صرف یہی صورت ہے کہ جن کی حق تلفی کی گئی ہو ان سے معاف کرائے جائیں اور وہی اس کے مجاز ہیں۔ بصورت دیگر روز محشر جس کا حق غصب کیا گیا ہوگا اس کی ادائیگی حق تلف کرنے والے کی نیکیوں سے کی جائے گی اور اگر اس کے دامن میں نیکیاں نہ ہوئیں تو جس کا حق غصب کیا گیا تھا اس کے گناہ حق غصب کرنے والے کے نامہ اعمال میں شامل کر دیئے جائیں گے۔

اعمال الصالحین کے صفحہ ۱۶۰ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر بازار سے سودا خرید کر خود لایا کرتے تھے اور ترازو کے دونوں پلڑوں میں ہر چیز کو وزن کرا لیتے تھے۔

ایک روز ایک سبزی فروش عورت سے سبزی خرید کر وزن کرایا۔ عورت نے عرض کیا:

''آپ ایسا کیوں کرتے ہیں''۔

فرمایا:

''اس لئے کہ تیرا حق میری جانب اور میرا حق تیری جانب نہ آ جائے۔ میں تجھ کو بھی پاک کرتا ہوں اور خود بھی پاک ہوتا ہوں کیونکہ دوسرے کا حق عالم بقا میں بڑی خرابی پیدا کرتا ہے''۔

حقوق العباد میں اہل و عیال، عزیز و اقربا اور ہمسائیوں کے حقوق سب پر مقدم ہیں اور پھر دوسرے لوگوں کے حقوق ہیں لیکن ان سب کی ادائیگی بہر صورت لازمی ہے۔ حق یہ ہے کہ

ہمارے کسی قول و فعل سے دوسرے شخص کو کوئی تکلیف، گزند یا ضرر نہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں''۔

(صحیح بخاری، ج ا، حدیث ۹)

اور اگر کسی کو عمداً یا سہواً کوئی تکلیف پہنچی ہو تو فوراً معافی طلب کر لینی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ ذہنی و قلبی سکون ملتا ہے اور باہمی تعلقات میں کشیدگی بھی رونما نہیں ہوتی ہے۔

اچھا اور نیک ہمسایہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتا ہے۔ اس سے کسی قسم کا دکھ نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ دکھوں کے مداوا کا باعث بنتا ہے اور برا ہمسایہ عذاب ہوتا ہے، اس لئے مکان خریدتے یا کرایہ پر لیتے ہوئے تسلی کر لینی چاہئے کہ ہمسایہ میں کون لوگ رہتے ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے کا تھوڑا بہت اثر ضرور قبول کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے کسی حد تک متاثر بھی ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''ایک ہمسایہ وہ ہے جس کا ایک حق ہوتا ہے اور وہ کافر ہمسایہ ہے اور ایک ہمسایہ وہ ہے جس کا دوہرا حق ہوتا ہے اور وہ مسلمان ہمسایہ ہے اور ایک ہمسایہ وہ ہوتا ہے جس کے حقوق تین گناہ ہوتے ہیں اور یہ وہ ہمسایہ ہوتا ہے جو قرابت دار بھی ہوتا ہے''۔ (کیمیائے سعادت، ص ۳۲۸)

ہمسایہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

☆ تمہارے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں طرف کے چالیس چالیس گھر ہمسایہ میں شمار ہوتے ہیں۔

☆ جب کھانا کھانے لگو تو دیکھو کوئی ہمسایہ میں بھوکا تو نہیں ہے۔ اگر ہو تو اسے کھانا دو۔

☆ بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ رکھو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو۔

حضرت علامہ خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ سالن پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ رکھو۔ یہ امر استحباب ہے۔ اس میں حسن سلوک کی ہدایت دی ہے۔ اس عمل سے ہمسائیوں کی الفت اور محبت حاصل ہوتی ہے اور پڑوسی کی

ضروریات پوری ہوتی ہیں کیونکہ کبھی پڑوسی اپنے ضعف' کثرت عیال اور تنگدستی کی وجہ سے سالن پکانے پر قادر نہیں ہوتا ہے اور کبھی اس کے پڑوس میں یتیم بچے اور بیوائیں ہوتی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث پاک بھی مروی ہے۔ جس میں یہ اضافہ ہے کہ اچھی چیز ان (ہمسایہ) کو بھیج دو۔

☆ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' ہمسائیوں کا احترام کریں۔

☆ ایک روز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فلاں عورت ہمیشہ روزہ سے رہتی ہے اور رات بھر محو نماز رہتی ہے لیکن ہمسایہ کو تکلیف دیتی ہے''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس کا مقام دوزخ ہے''۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ مجھ کو ہمسایہ کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے۔

(شرح صحیح مسلم' ج ۷' ص ۲۴۰)

☆ قیامت کے دن درویش ہمسایہ اپنے امیر ہمسایہ سے الجھے گا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ اے پروردگار! اس سے مواخذہ کیا جائے کہ یہ میرے ساتھ نیکی کرنے سے کیوں گریز کرتا رہا اور اس کے گھر کا دروازہ مجھ پر ہمیشہ کیوں بند رہا۔

☆ جس نے ہمسایہ کے کتے پر پتھر پھینکا' اس نے بلاشبہ ہمسائے کی دل آزاری کی۔

☆ ہمسایہ کا حق صرف اسی چیز تک محدود نہیں کہ اسے ایذا نہ پہنچائیں اور ستایا نہ کریں بلکہ یہ کہ اس کے ساتھ نیکی کریں۔

دین اسلام میں سب کے حقوق ہیں۔ اگرچہ ہمسایہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ بدرجہا بہتر ہے کہ ہمسایہ مسلمان ہو کیونکہ کافر مسلمان کا کبھی بھی سجن' دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ کفر الگ ملت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کافر کو جب بھی موقعہ ملتا ہے مسلمان کو ہمیشہ نقصان پہنچاتا ہے یا اس کے نقصان کی تدابیر کرتا رہتا ہے اور جب مسلمان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ خوشی

سے بغلیں بجانے لگتا ہے۔ کافر کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ

☆ اسلام دشمن ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں بظاہر یا درپردہ سرگرم عمل ہوتا ہے۔

☆ دوسروں پر اپنا رنگ چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ مسلمانوں کے ساتھ بغض ومنافرت رکھتا ہے۔

☆ راندۂ درگاہ رب العالمین ہوتا ہے۔

کفر کی اپنی نحوست ہوتی ہے اس لئے کافر کی ہمسائیگی اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے تاوقتیکہ کوئی مجبوری نہ ہو۔

کہتے ہیں ایک شخص کسی مکان کا سودا کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ ایک یہودی بول اٹھا:

''میں اس محلہ کے سرکردہ لوگوں میں سے ہوں۔ اس مکان کی خوبیاں مجھ سے پوچھو۔ بڑی خوشی سے خرید لو۔ اس مکان میں کوئی خرابی نہیں ہے''۔

اس شخص نے کہا:

''سوائے اس کے کہ ہمسائے تم ہو۔ جس مکان کے تم پڑوسی ہو اسے کوئی دس کھوٹے سکوں میں بھی کیوں لے گا۔ ہاں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تمہارے اس جہان سے اٹھ جانے کے بعد یہی مکان ہزاروں میں اٹھ جائے''۔

(گلستان سعدی' ص ۱۴۰)

غیر مسلم ہمسایہ کا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ایک حق ہے اور وہ حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اگر وہ خلاف اسلام سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہے تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ قرضہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی غمی خوشی میں شریک ہوا جا سکتا ہے لیکن اس سے دوستی اور محبت نہیں کی جا سکتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہمسایہ ایک گبر تھا۔ اس کا شیرخوار بچہ گھر میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے ساری رات روتا رہتا تھا۔ آپ ہر روز چراغ اس گبر کے گھر لے جاتے جس کی روشنی میں بچہ خاموش ہو جاتا تھا۔ جب وہ گبر سفر سے واپس آیا تو اس کی بیوی

نے سارا ماجرا سنایا۔ وہ بولا:

''جب شیخ بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روشنی آ گئی تو افسوس کہ ہم اپنی تاریکی میں رہیں''۔

چنانچہ وہ گبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (اعمال الصالحین' ص ۱۳۶)

اسلام میں ہر شخص عزت و احترام کا حقدار ہے اور اس کو ہر مقام پر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے تا کہ کسی کو کوئی ایذا نہ پہنچے نہ اس کی دلآزاری ہو۔ اگر ہر شخص ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرے تو معاشرہ اور معاشرت دونوں خوبصورت بن جائیں اور ایسے ماحول میں زندگی کے آنگن میں بہاریں رقص کرنے لگیں لیکن شومئی قسمت سے ایسا نہیں ہے۔

ہمارے اکابر دوسروں کی تکلیف کا کس قدر احساس کرتے تھے' اس کا اندازہ اس امر سے ہو جاتا ہے کہ ایک دن حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع مسجد میں گئے اور اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی۔ یہ لاٹھی ایک بوڑھے کی لاٹھی پر جو گڑھی ہوئی تھی گر پڑی اور اس کو بھی گرا دیا۔ بوڑھے نے جھک کر اپنی لاٹھی اٹھالی۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بوڑھے کے گھر میں جا کر معافی چاہی اور کہا:

''آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے اپنی لاٹھی اچھی طرح نہیں گاڑھی تھی اس لئے گر پڑی اور آپ کو جھکنا پڑا''۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۲۶۵)

یہ تھے ہمارے اکابر اور ہمارا کیا حال ہے سوچ کر رونا آتا ہے۔

انسان تو انسان' اسلام میں راستے کا بھی حق ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حق بھی دراصل انسانوں کا ہی ہے تا کہ بازار سے گزرتے وقت کسی کو کسی نوع کی دقت و پریشانی اور تکلیف نہ ہو۔

بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''راستوں پر بیٹھنے سے بچو''۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی:

''ہمارے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم نے ایسا کرنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو''۔

انہوں نے عرض کی:

''اس کا حق کیا ہے؟''۔

فرمایا:

☆ نگاہوں کو پست رکھنا۔

☆ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا۔

☆ سلام کا جواب دینا اور

☆ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ (صحیح الادب المفرد' ص ۴۴۳)

راستہ کے حق کے سلسلہ میں ایک اور حدیث مبارکہ حضرت ابراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں

☆ گم کردہ راہ کو راہ بتانا اور مظلوم کی مدد و اعانت کرنا

مذکور ہے۔ (شرح مشکل الآثار' ج ا' ص ۱۵۶)

راستے کے ان حقوق کی تشریح میں محمد کریم سلطانی تعلیمات نبویہ کے صفحہ ۵۲۹ تا ۵۳۱ اور ۵۳۳ اور ۵۳۴ پر رقمطراز ہیں۔

۱۔ نگاہوں کو پست رکھنا

راستہ میں سے ہر طرح کے لوگ گزرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں بھی۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ جب خواتین گزریں' اپنی آنکھوں کو پست کریں۔ اس طرح دل پاک وصاف ہوتا ہے اور یہ سعید ہونے کی علامت ہے۔

عفت مآب خواتین کو غلط نگاہوں سے دیکھنا شریعت اسلامیہ میں محمود نہیں ہے۔ یہ دین صرف برائی کو ختم نہیں کرتا بلکہ جن راستوں سے برائی آتی ہے ان کو بھی بند کرتا ہے۔

۲۔ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا

جو مسلمان راستہ سے تکلیف دہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دور کرتا ہے تو اس کی راہ جنت میں جو رکاوٹیں حائل ہیں' رب کریم انہیں اپنے کرم سے دور کر دے گا۔

۳-سلام کا جواب دینا

اگر کوئی راہ چلتے سلام کرے تو راستہ میں بیٹھے ہوئے افراد پر لازم ہے کہ اس کا جواب دیں۔ جواب نہ دینا انتہائی بے مروتی ہے اور جس کو جواب نہ دیا جائے' اس کے ذہن میں مختلف وساوس آتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے

☆ شاید یہ آدمی متکبر ہے۔

☆ شاید یہ مجھے حقیر سمجھتا ہے۔

☆ شاید یہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔

۴-نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

جب کوئی غلط کام کرے یا کرنے لگے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اسے ہاتھ سے یا زبان سے روکے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو دل سے برا جانے۔

۵-گم کردہ راہ کو راہ بتانا

اگر کوئی مسافر اپنی منزل کھو چکا ہو تو اس کی نشاندہی کر دے تا کہ اس کی پریشانی دور ہو۔

۶-مظلوم کی مدد واعانت کرنا

راستہ میں بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے اگر کسی پر کوئی ظلم کر رہا ہو تو لاپرواہ ہو کر نہ بیٹھا رہے۔ اس کی مدد و دستگیری کی جائے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ مظلوم کی آہ کا اثر اس لاپرواہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔

راستے کو روکنا یا بند کرنا جس سے لوگوں کو ذہنی و قلبی و جسمانی تکلیف پہنچے' اسلام میں بے حد مذموم ہے کیونکہ یہ حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

کہتے ہیں ایک بار علی بن عیسیٰ وزیر کی سواری بڑی دھوم دھام سے نکلی۔ غیر ملکی لوگ پوچھنے لگے:

''یہ کون ہے؟''۔

ایک عورت راستہ میں کھڑی تھی' کہنے لگی:

''تم کب تک پوچھتے جاؤ گے' یہ کون ہے''۔

اور پھر خود ہی کہا:

''ایک ایسا بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں گر چکا ہے۔ اسی لئے تو رب کریم نے اسے اس معصیت میں گرفتار کر رکھا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو''۔

یہ بات علی بن حسین نے بھی سن لی۔ جب واپس گھر لوٹ کر آیا تو وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور مکہ مکرمہ چلا گیا۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۲۵۰)

اس واقعہ میں عورت کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ راستہ بند کر کے لوگوں کو ذہنی و قلبی و جسمانی تکلیف واذیت دینے والا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں گرفتار ہوتا ہے۔ راستہ بند کرنے کے علاوہ اور بھی کئی طریقے ہیں جن سے مخلوق اللہ کو ایذا پہنچتی ہے۔ مثلاً

☆ صدر مملکت اور وزیر اعظم وغیرہ کی آمد پر نہ صرف ان کی گزرگاہ بلکہ ملحقہ سڑکوں کو بھی کئی گھنٹے پہلے بند کر دیا جاتا ہے اور متبادل راستوں پر لوگ گھنٹوں ٹریفک میں پھنسے رہتے ہیں۔ ان میں علی بن حسین جیسا ایک بھی نہیں جس کے دل میں خوف خدا ہو۔ یہی معصیت دوسرے عوامل کے ساتھ مل کر ان حکمرانوں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

☆ اکثر دکاندار اپنا کاروباری بورڈ اور سامان فٹ پاتھ پر رکھ کر لوگوں کو سڑک پر اتر کر چلنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور بسا اوقات حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ بعض لوگ فٹ پاتھ پر کاروبار کرنے لگتے ہیں اور لوگوں کو دکھ پہنچاتے ہیں۔

☆ سڑک کی دونوں جانب ریڑھیاں اور گاڑیاں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں۔

☆ شادی بیاہ وغیرہ کے موقعوں پر راستہ بند کر دیا جاتا ہے۔

☆ دینی تقریبات منانے کے لئے راستہ روک دیا جاتا ہے جو کہ دینی روح کے سراسر منافی ہے۔ بسا اوقات لوگ روشنی کے لئے بجلی بھی چوری کر لیتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی مخالفت کر کے دینی تقریب وتہوار منانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرنے والی بات ہے۔

☆ مساجد میں تقاریر اور چندہ کی اپیل کے لئے لاؤڈ سپیکر کی آواز اتنی بلند کر دی جاتی ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہے۔ قریب رہنے والے لوگوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ طلباء نے مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ کسی کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی نماز اور تلاوت قرآن میں

مشغول ہوتا ہے تو اس میں خلل پڑتا ہے۔ لوگوں پر یہ جبر و زیادتی کئی گھنٹوں پر محیط ہوتی ہے۔ اس طرح بعض لوگ دین سے بدظن ہو جاتے ہیں لیکن کسی کو لوگوں کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ یہ دین کی خدمت نہیں ہے۔

☆ بازاروں میں اکثر دکاندار بلند آواز سے ریڈیو یا ٹیلیویژن وغیرہ لگا رکھتے ہیں جس سے قرب و جوار کے لوگوں کو سخت کوفت ہوتی ہے۔

☆ بعض لوگ نماز میں مشغول ہوتے ہیں اور بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور ذکر کرنا شروع کر دیا جاتا ہے جس سے نماز میں خلل پڑتا ہے۔ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اونچی آواز سے قرآن پاک پڑھنے کا بھی حکم نہیں ہے۔

ہر قول و فعل سے قبل یہ سوچ لینا چاہئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت میں گرفتار ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

سوچ لیں...... کہیں ہم بھی تو ان لوگوں میں شامل نہیں جو مخلوق اللہ کو ذہنی و قلبی و جسمانی و روحانی دکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اگر ہم پریشانیوں، نامساعد حالات، ذہنی کوفتوں، گمنام سی تکلیفوں، غیر متوقع خسارہ و نقصان، گھریلو ناآسودگیوں، اولاد کی طرف سے فکرمندیوں کا شکار ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں گرفتار ہونے کی علامت ہے۔ زندگی کے موجود لمحات غنیمت ہیں کہ حقدار کا حق بطریق احسن ادا کریں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ و استغفار کریں۔
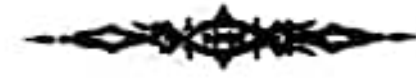
ادب

حضرت ابونصر بشر بن الحارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو راستہ میں کاغذ کا ایک پرزہ ملا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا تھا۔ اس پر لوگوں کے پاؤں پڑتے تھے۔ انہوں نے کاغذ اٹھالیا۔ ایک درہم کی کستوری خریدی۔ کاغذ کو لگائی اور دیوار کے ایک شگاف میں رکھ دیا۔

اس کے بعد نیم خوابی کی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ کوئی انہیں کہہ رہا ہے:

''اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو لگائی ہے۔ میں تیرے نام کو دنیا و آخرت میں خوشبودار بنا دوں گا''۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۱۳۱)

اسی قسم کا ایک واقعہ اسلامی ادب میں ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مروان سے ایک پیسہ گندے کنویں میں گر گیا۔ اس نے تیرہ دینار مزدوری پر خرچ کر کے اس پیسے کو کنویں سے نکلوایا۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا:

''اس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا''۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۲۶۹)

صاحبو! حق تو یہ ہے کہ

☆ ادب ہی محبت کی جان ہے۔

☆ ادب ایسا پھول ہے جس کی خوشبو دونوں جہانوں میں ماند نہیں پڑتی ہے بلکہ اس میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

☆ ادب زندگی کا زریں تاج ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا پہلا سبق ادب ہی ہے اور یہی محبت کی بنیاد ہے۔

☆ دنیائے محبت میں جو مقام و مرتبہ ادب کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے۔

☆ ادب ایسی کسوٹی ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی کو کسی سے کتنی محبت ہے۔

☆ ادب کی دنیا کے بازار میں بھی بڑی قدر و منزلت ہے۔

☆ مودب محبوب کا محبوب بن جاتا ہے اور دنیا کی نظروں میں محترم ہو جاتا ہے۔

☆ جو شخص ادب سے عاری ہو' دنیائے محبت میں وہ گستاخ شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابونصر بن حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسم اللہ کا جس انداز سے ادب کیا اس کے صلہ میں رب کریم نے ان کے نام کو خوشبو کی طرح دنیا میں پھیلا دیا۔ انہیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما لیا اور دنیا والے جب ان کا نام لیتے ہیں تو ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ لاریب جو کسی نے بھی کوئی قابل ستائش مقام و مرتبہ' شہرت' قرب خداوندی اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل کی ہے۔ یہ سب ادب کا ہی مرہون منت ہے۔

دنیا میں جتنے بھی آداب ہیں وہ سب کے سب درحبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا ہے اور اچھا ادب سکھایا ہے''۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو سورہ النجم' آیت ۱۷ میں مرقوم ہے:

ما زاغ البصر وما طغٰی

یعنی نگاہ حق بین نہ مقصود سے ہٹی نہ حد سے آگے بڑھی۔

تو کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد بارگاہ رب العزت کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

ادب کسے کہتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے بزرگوں کے اقوال آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

''ادب یہ ہے کہ تم اچھے کاموں میں لگے رہو''۔

کسی نے پوچھا:

''اس کا کیا مطلب ہے''۔

فرمایا:

''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آؤ۔ جب تم ایسے ہو گے تو عجمی کیوں نہ ہو' ادیب کہلاؤ گے''۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

''ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے''۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

''جو شخص اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کر لیتا ہے وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہو جاتا ہے''۔

ایک دانا کا قول ہے:

ادب درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے اور ادیب ''وہ شخص ہے جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں''۔

یہ ادب ہے اور جو ادیب ہوتا ہے اس کو ادب کی بنا پر جس ثمرہ سے نوازا جاتا ہے اس کا اندازہ حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے۔

''بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ادب بجالانے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے''۔

ادب کے اس خوبصورت راستے کا دوسرا نام نقش پائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جو اس راستے کا مسافر ہوا سے ایک نہ ایک دن عرفان و تقرب الٰہیہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک دن کسی نے حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا:

''کون سے آداب بندے کو رب کریم کے قریب کر دیتے ہیں''۔

فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا' اس کی اطاعت گزاری کرنا۔ خوشی پر اس کا شکریہ ادا کرنا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

دراصل معرفت الٰہیہ کے حصول کے یہ چار ستون ہیں اور جو ان کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو بقول حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس نے آداب خداوندی کا لحاظ رکھا وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔

حضرت سعد بن المسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور وہ رب کریم کے اوامر

نواہی پر کاربند بھی نہ ہو تو ایسا شخص ادب سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

ایسا شخص بقول حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرتے ہوئے شرم وحیا کو ترک کر دیتا ہے جو کہ بے ادبی ہے اور بے ادبی انسان کو لے ڈوبتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

عارف باللہ کے لئے پاس ادب اس طرح ضروری ہے جس طرح مبتدی کے لئے توبہ کرنا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ادب کے ترک کر دینے سے انسان دھتکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے بساط ادب پر سوء ادبی کی اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی' اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

اس تمام گفتگو کا لب لباب حضرت الجلاجلی البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں توحید ایسا موجب ہے جس سے ایمان واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان نہیں اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے جو شریعت کو موجب قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید۔ اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں اس کی نہ شریعت ہے' نہ ایمان ہے اور نہ توحید ہے۔

ادب کی اہمیت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا کہ اس کے ساتھ شریعت' ایمان اور توحید کا بڑا گہرا تعلق ہے اور ادب کی عدم موجودگی سے انسان ان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لہٰذا انسان کو خود بھی ادب سیکھنا اور اہل وعیال کو بھی ادب کی دولت سے مالا مال کرنا چاہئے۔ لیکن اس کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جا رہی ہے اور روز افزوں لوگ ادب کی نعمت عظمیٰ سے تہی دست ودامن ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بچے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔

اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کا ادب بہتر بنائے۔

قرآن حکیم کی سورہ التحریم آیت ۶ میں ارشاد ربانی ہے:

قوا انفسکم واھلیکم نارا

یعنی اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انہیں عقلمند اور سمجھدار بناؤ اور انہیں ادب سکھاؤ۔

لاریب انسان کو ظاہری اور باطنی آداب سے مزین ہونا چاہئے یہی اس کا زیور ہے۔

کہتے ہیں جب حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بغداد میں آئے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا:

''آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں''۔

انہوں نے جواباً کہا:

''ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا آئینہ دار ہے''۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۵۱۶'۵۲۱)

فی زمانہ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مقدسہ کی بے ادبی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ مثلاً

☆ اخبارات ورسائل وجرائد میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام لکھے ہوتے ہیں جنہیں ہم لاپرواہی سے زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ گندی جگہ ڈال دیتے ہیں یا پاؤں تلے آتے ہیں۔

☆ جن لوگوں کے ناموں میں اللہ تعالیٰ یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک ہوتا ہے وہ جب آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو ایک دوسرے کا نام لے کر برا بھلا کہتے ہیں۔

☆ بعض لوگ اچھے بھلے نام کو بگاڑ دیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن کو مانا یا رحمانے کہتے ہیں۔

☆ بعض لوگ پورا نام لینے کے بجائے آدھا نام لیتے ہیں مثلاً عبدالغفور کی بجائے صرف

غفور کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں پر مقدس ناموں کی بے ادبی کی وجہ سے گمنام سی پریشانیاں، مصیبتیں، غم اور فکر نازل ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ کہیں ہم بھی تو مقدس ناموں کی بے ادبی کا ارتکاب تو نہیں کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم خود باادب ہیں۔
☆ کیا ہم نے اپنے اہل وعیال کو ادب کی دولت سے مزین کیا ہے۔
☆ کیا ہم عبادت وریاضت ادب سے کرتے ہیں۔
☆ کیا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم پاک ادب سے لیتے ہیں۔
☆ ادب نیک خصلتوں کا نام ہے، کیا ہم میں ہیں۔
☆ کیا ہم آداب خداوندی سے واقف ہیں۔
☆ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب کرتے ہیں، جیسا کہ کرنے کا حق ہے۔

حضرت الجلاجلی البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کو مت بھولیں کہ جس کے پاس ادب نہیں، اس کی شریعت ہے نہ ایمان ہے اور نہ توحید ہے۔

مہمان نوازی

حضرت ابوالربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گاؤں میں کسی نیک عورت کی شہرت سنی۔ اس کے پاس ایک بکری تھی، جس کے تھنوں سے دودھ اور شہد نکلتا تھا۔

چنانچہ میں اس عورت کے ہاں گیا اور اس سے کہا:

''میں نے تمہاری بکری کی شہرت سنی ہے، میں بھی اس کی برکت دیکھنا چاہتا ہوں''۔

عورت نے بکری میرے حوالے کردی۔ جب میں نے اس کو دوہا تو دودھ اور شہد نکلا۔

''یہ بکری تمہارے پاس کہاں سے آئی ہے''۔

میں نے عورت سے دریافت کیا تو بولی:

''ہم غریب آدمی ہیں۔ ایک بکری کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ اسی پر ہمارا گزارا تھا۔ جب عیدالاضحیٰ آئی تو میرے خاوند نے کہا کہ بکری کو قربان کردیتے ہیں۔ میں نے مشورہ دیا کہ ہمارے پاس گزر اوقات کے لئے اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا قربانی ملتوی کردی۔ اس کے بعد اتفاق سے اسی دن ایک مہمان آ گیا۔ میں نے کہا کہ مہمان کے اکرام کا تو حکم ہے اور کوئی چیز ہے نہیں اس بکری کو ذبح کرلو۔ جب باہر جا کر میرے خاوند نے بکری کو ذبح کیا تو یہ بکری ہماری دیوار پر کھڑی تھی اور پھر صحن میں آ گئی۔ مجھے خیال گزرا کہ شاید بکری میرے خاوند کے ہاتھ سے چھوٹ کر آ گئی ہے۔ میں نے باہر جا کر دیکھا تو خاوند بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ میں نے خاوند سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی ہی بکری گھر میں آ گئی ہے۔ اس کا بدل اللہ تعالیٰ نے یہ بکری عطا کی جو دودھ اور شہد دیتی ہے۔ یہ سب کچھ محض مہمان کے اکرام کی وجہ سے ہے''۔

یہ کہہ کر وہ عورت خاموش ہوگئی اور پھر قدرے سکوت کے بعد بولی:

''اے میرے بچے! یہ بکری دلوں میں چرتی ہے۔ اگر تمہارا دل نیک ہے تو یہ

دودھ اور شہد دے گی۔ اگر دلوں میں کھوٹ آ جائے تو اس کا دودھ بھی خراب ہو جاتا ہے اس لئے اپنے دلوں کو اچھا رکھو، ہر چیز تمہارے لئے اچھی بن جائے گی"۔ (حقیقت دنیا، ص ۶۱)

صاحبو! جب تک کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہو اس وقت تک اس پر سے فریضہ حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ کے فرائض ساقط ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقوق العباد کسی نوع معاف نہیں ہیں تاوقتیکہ جس کی حق تلفی کی گئی ہو وہ اپنا حق معاف نہیں کر دیتا ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"خدمت کی قضا نہیں جبکہ نماز کی قضا ہے"۔

اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ اگر کسی کے پاس کوئی بھوکا پیاسا شخص آتا ہے یا کسی ڈاکٹر طبیب کے پاس شدید بیمار و زخمی آتا ہے اور عین اسی وقت نماز کا بھی وقت ہو تو پہلے متذکرہ اشخاص کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ اس دوران میں اگر نماز قضا ہو جاتی ہے تو بعد از اس ادا کرے۔ اگر وہ ان کی طرف سے غفلت برتتا ہے اور انہیں کچھ ہو جاتا ہے تو ان کے بارے میں اس سے بارگاہ خداوندی میں پوچھ ہو گی۔ مہمان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ حسب استطاعت اس کی خدمت کی جائے۔

مہمان نوازی کا بلند مقام و مرتبہ ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ تکلف ہی کیا جائے۔ اگر مہمان نوازی کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں ہے تو صرف پانی کا گلاس پیش کرنے سے حق ادا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ اگر مہمان میزبان کے ہاں سے کچھ کھائے پیئے بغیر آ جائے تو ایسے ہے جیسے مردہ مردے سے مل کر آیا ہو۔

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر کھانا کھلانے کے بارے میں مذکور ہے۔ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اولیاء اللہ و بزرگانِ دین کی مقدس زندگیاں اس امر کی آئینہ دار ہیں کہ وہ کس قدر خوشدلی و خندہ پیشانی سے مہمان کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس ضمن میں متعدد احادیث مبارکہ، اقوال بزرگانِ دین اور واقعات ادبیات اسلامی میں موجود ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مہمان کو ناپسند نہ کرو۔ جو شخص مہمان کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ناپسند کرتا ہے"۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۵۷)

حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے مسلمان بھائی کے احترام کے لئے اگر اس کی پیٹھ پیچھے تکیہ رکھ دیتا ہے تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس واقعہ میں نکتہ عروج یہی ہے کہ ان غریبوں کے پاس صرف ایک ہی بکری تھی جس سے وہ گزر اوقات کرتے تھے۔ صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہ کی لیکن مہمان کے اکرام میں انہوں نے بکری ذبح کر دی جس کی ان کو بذات خود اشد ضرورت تھی۔ تو رحمتوں والے اور محبتوں والے رب کریم نے اس کے عوض انہیں ایسی بکری عطا کر دی جو دودھ اور شہد دیتی تھی۔

سورہ ال عمران آیت ۹۲ میں ارشاد خداوندی ہے:

لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا ممّا تحبون

یعنی جو کچھ تمہیں زیادہ پسند ہے جب تک اس میں سے خرچ نہیں کرو گے، حقیقی نیکی سے مالا مال نہیں ہوں گے۔

اسلامی تاریخ مہمان نوازی و ایثار کے محیر العقول واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ سوء اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا"۔

ایک انصاری حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔

چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے۔ بیوی سے پوچھا:

"کچھ ہے"۔

بولیں:

"صرف بچوں کا کھانا ہے"۔

بولے:

"بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ۔ جب میں مہمان کو گھر لے کر آؤں تو چراغ بجھا دینا اور میں اس پر ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا:

"رات اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا"۔

ایک اور واقعہ حضرت ابوالحسن انطا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔

رَے کے علاقہ سے متصل ایک بستی میں تیس سے کچھ زائد لوگ جمع ہوئے۔ ان کے پاس روٹیاں کم تھیں جو سب کے لئے کافی ہوتیں۔ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کئے۔ چراغ بجھا دیا اور کھانا کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ جب دسترخوان اٹھانے لگے تو سب کا سب کھانا موجود تھا۔ گویا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے ساتھی کو ترجیح دیتے ہوئے خود کھانا نہیں کھایا تھا۔ (احیاء العلوم الدین ج ۳ ص ۵۸۲)

اور یہ واقعہ تو سب جانتے ہیں کہ ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ، حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم زخم کھا کر زمین پر گرے۔ اس حالت میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بولے:

"پہلے ان کو پلاؤ"۔

حضرت سہل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے۔ بولے:

"ان کو پلاؤ"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دے دی۔ (سیر الصحابہ ج ۵ ص ۱۷۰/استیعاب)

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ایک دوسرے کے لئے جذبہ ایثار بہت بڑی نعمت ہے۔ اس سے معاشرہ ہر لحظہ آغوش در رحمت الٰہیہ رہتا ہے۔ کوئی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچتا تک نہیں ہے بلکہ اپنا حق دوسرے پر قربان کرنے میں راحت محسوس کرتا ہے۔

اگر کسی انسان کے اندر مہمان نوازی کا جذبہ صادق اور وجود کے اندر صاف و نیک دل ہو

تو اس کی زندگی شہد اور دودھ سے عبارت ہے۔ جس کے قرب سے لوگ سکون و راحت پاتے ہیں۔ اس کے شب و روز سرسبز و شاداب زرخیز زمین کی طرح ہوتے ہیں جہاں نیکیوں کے سایہ دار اشجار لہلہاتے رہتے ہیں۔ جن کی آبیاری قرآن و حدیث کے مطہر و مقدس پانیوں سے ہوتی ہے۔

لاریب مسلمان کی زندگی ایثار و مہمان نوازی کا حسین امتزاج ہے۔ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے لیکن فی زمانہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نتیجہ الم نشرح ہے۔ آج کا انسان مسائل کے انبوہ کثیر میں سرتاپا غرق ہے۔

کیا ہمارے پاس جذبہ ایثار اور صاف و پاک دل موجود ہے؟

اس کی نشانی یہ ہے کہ

☆ ماسوا سے پاک ہوتا ہے۔

☆ اس کا ہر قول قول سدید ہوتا ہے۔

☆ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع اور عشق و محبت سے منور و آباد ہوتا ہے۔

☆ اس کی غذا ذکر اللہ ہے۔

☆ یہ ہر آن محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں محو و مگن رہتا ہے۔

☆ اس سے دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

☆ یہی رحیق مختوم ہے۔

☆ یہ مخلوق اللہ کے لئے سکھ، سکون اور سرور کا باعث بنتا ہے۔

اس ضمن میں ہمارا حال کیا ہے؟ اگر اس کے مطابق ہے تو اس دولت عظمیٰ کو سنبھال کر رکھیں۔ اس سے آخرت کے لئے ہر طرح کا سودا خریدا جا سکتا ہے اور اگر معاملہ اس کے الٹ ہے تو تازیانہ عبرت کا انتظار کرو، قریب ہی کہیں موجود ہے۔

ذکر اللہ

حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک ماہی گیر کو دریا پر مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ اس کے ایک طرف اس کی چھوٹی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ مچھلی پکڑ کر تھیلے میں ڈالتا تو لڑکی باپ سے آنکھ بچا کر مچھلی کو دوبارہ دریا میں ڈال دیتی تھی۔ جب ماہی گیر نے تھیلا دیکھا تو بالکل خالی تھا۔ اس نے بیٹی سے پوچھا:

''مچھلیاں کہاں ہیں''۔

بیٹی بولی:

''ابا جان! میں نے آپ ہی سے سنا تھا کہ مچھلی اس وقت جال میں پھنستی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتی ہے۔ مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ میں ایسی چیز کھاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو''۔

باپ نے جب بیٹی کی بات سنی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بیٹی کو پیار سے گلے لگا لیا۔ (سنہری دور، ص ۸۷)

صاحبو! ہمارا حال بھی جال میں پھنسنے والی مچھلیوں سے کسی نوع مختلف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی نعمت ہے جس سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ قرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔ آج کے دور میں کتنے لوگوں کو یہ دولت و نعمت میسر ہے۔ بجز الا ماشاء اللہ جس کو دیکھو شکایت بہ لب ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی دنیا کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن تمام تر تگ و دو کے باوجود ہر شخص عدم سکون و اطمینان کا شکار ہے۔ درماندہ و خستہ حال ہے۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ آج کا انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے۔ ہمارے پاس دنیا کے کاموں کے لئے بڑا وقت ہے۔ لیکن ذکر و اذکار، عبادت و ریاضت، دینی محفلوں میں شرکت اور سرِ راہ بکھری ہوئی نیکیوں کو سمیٹنے کے لئے فرصت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ بلائیں، یہ ابتلائیں، یہ پریشانیاں، یہ بے سکونی، یہ غم و فکر، یہ بے چینی، یہ بیکلی وغیرہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ سے منہ موڑنے اور اس کے ذکر سے غفلت کا ثمرہ ہے۔

قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور اقوال بزرگانِ دین سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ذکر اللہ کا بے حد و حساب بلند مقام و مرتبہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی اور جنت الفردوس کا ضامن ہے۔

پہلے قرآن مجید فرقان حمید سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ ذکر اللہ کے بارے میں کیا کہتا ہے:

سورہ الرعد، آیت ۲۸ میں ہے:

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب

یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اطمینان قلب کے لئے اس سے بڑی دلیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صرف یکبارگی ذکر اللہ باعث اطمینان قلب نہیں بلکہ اس پر دوام لازم ہے۔

سورہ الاحزاب، آیت ۴۱-۴۲ میں ہے۔

یا یھا الذین امنوا اذکروا اللّٰہ ذکرًا کثیرًا۔ وسبحوہ بکرۃً واصیلًا

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بہت یاد رکھو اور صبح اور شام اس کی تسبیح کرو۔

اس آیت مبارکہ میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔

اول: کثرت ذکر اور

دوم: صبح و شام تسبیح کرنا

کثرت ذکر تو واضح ہے کہ کوئی بھی لحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ ہو۔ مثل مشہور ہے۔ ہتھ کار ول دل یار ول یعنی ہاتھ تو بیشک کاروبار میں مصروف ہوں لیکن دل صرف یار کی یاد میں مگن ہو۔ بزرگانِ دین کا بھی قول ہے۔ جو دم غافل سو دم کافر۔ لاریب جو لحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت میں گزرتا ہے وہ ناقابل تلافی نقصان ہے۔

لیکن جہاں تک تسبیح کا تعلق ہے تو احیاء العلوم الدین، جلد ۳، صفحہ ۴۵۷ پر مرقوم ہے۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے ہمرائیوں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ پرندوں نے آپ علیہ السلام پر سایہ کر رکھا تھا۔ جن اور انسان آپ علیہ السلام کے دائیں بائیں

تھے۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے دیکھا تو کہا:

''اے داؤد علیہ السلام کے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی بادشاہی عطا فرمائی ہے''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا تو ارشاد فرمایا:

''مومن کے نامہ اعمال میں ایک تسبیح اس سے بہتر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے کو دیا گیا ہے۔ وہ چلا جائے گا اور تسبیح باقی رہے گی''۔

اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کامل قطب عالم حضرت فضل شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''جہاں تک تسبیح کا تعلق ہے تو یہ منشائے خلق کے تحت عمل کرنے کا نام ہے۔ ہر وہ چیز جو مقصد حیات پورا کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خواں ہے''۔

(اخص الخواص' ص ۲۰۱)

سورہ البقرہ' آیت ۱۵۲ میں ہے:

فاذکرونی اذکرکم

سوائے اہل ایمان! تم مجھے یاد رکھا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

حضرت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا:

''قاتل' شرابی اور زانی جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فاذکرونی اذکرکم

انہوں نے فرمایا:

''یہ شخص جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لعنت کے ساتھ یاد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ بندہ خاموش ہو جاتا ہے''۔ (درشہوار' ص ۳۹۵)

اس سے منکشف ہوتا ہے کہ جو شخص برے اعمال سے تو کنارہ کش ہوتا نہیں ہے اور صرف زبان سے اللہ اللہ کرتا رہتا ہے وہ ذکر میں شامل نہیں ہے۔

اب احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر اللہ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

۱- ہر چیز کی صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۴' ص ۴۰۹/ شعب الایمان/ بیہقی)

اس حدیث مبارکہ کے پیش نظر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''بیٹے! قلب کو چمکانے کا فن سیکھ۔ مگر یاد رکھ اس کے مدعی بہت ہیں مگر جاننے والے خال خال ہیں''۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۴' ص ۱۰۰۹)

حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ فی زمانہ ذکر اللہ رسم بن کر رہ گیا ہے۔ جگہ بہ جگہ ذکر کی محافل منعقد ہوتی ہیں لیکن ہماری زندگی پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں نہ ہمارا رخ درست سمت ہوتا ہے۔

۲- ذکر صدقہ سے بہتر ہے۔ (کنز العمال' ج ۱' ص ۴۴۲)

۳- ذکر اللہ پر کوئی صدقہ بھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔

(عین الفقر' ص ۳۲۰/ معجم/ طبرانی/ سنن ابن داؤد)

۴- بروایت حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کسی آدمی کی جھولی میں دراہم ہوں اور وہ انہیں راہ خدا میں بانٹنا شروع کرے اور دوسرا آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا یقیناً اس سے افضل ہے۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۴' ص ۴۴۱/ الہیثمی' ج ۱۰' ص ۷۷/ طبرانی)

۵- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

جو بھی قوم مجلس برخاست کر کے اٹھی کہ اس مجلس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا یہ تو ایسے ہی ہے جیسے وہ مردہ گدھے سے اٹھے ہوں۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۳۴۰/ صحیح ابن حبان' ج ۲' ص ۳۵۱)

۶- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو چر لیا کرو''۔

عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنت کے باغ کیا ہیں"۔

فرمایا:

"ذکر کے حلقے"۔ (درمنثور ج ۱ص ۴۰۳/امام احمد/ترمذی)

۷۔ اچھی مجلس مومن کی بیس لاکھ بری مجلس کا کفارہ بنتی ہے۔

(احیاء العلوم الدین ج ۱ص ۴۷/مجمع الزوائد ج ۱۰)

۸۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا' ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (درشہوار ج ۱ص ۳۹۸)

۹۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآ ... گاہ میں عرض کیا گیا:

"کون سا عمل افضل ہے"۔

فرمایا:

"تمہاری یوں موت آئے کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو"۔

(احیاء العلوم ج ۱ص ۴۳/شعب الایمان ج ۱ص ۳۹۳)

آثار صحابہ کرام اور تابعین میں لکھا ہے۔

دنیا سے ہر شخص پیاسا جائے گا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔

(احیاء العلوم الدین ج ۱ص ۷۵۴)

۱۰۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

(تعلیمات نبویہ ج ۴ص ۴۶۴/کنز العمال ج ۱ص ۳۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ذکر انبیاء ورسل علیہم السلام بھی کرتے رہے ہیں اور اپنے امتیوں کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

"یا اللہ! جب تو مجھے دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس چھوڑ کر غافلوں کی مجلس میں جاتا ہوں تو میرے پاؤں کاٹ دے کیونکہ یہ بھی تیرا ایک انعام ہے"۔

(احیاء العلوم الدین ج ۱ص ۷۴۶)

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

زبان قول ہے اور دل عمل۔ زبان سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہو اور دل سے درود پاک میں مشغول رہو۔ یہ دونوں کام بیک وقت ہوں۔

ذکر کرنے والا رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہو جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا اور درود پاک پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو جاتا ہے کیونکہ رب کریم نے خود بھی ملائکہ کے ساتھ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ والسلام بھیجا اور مومنین کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح رب کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان کا پڑھنے والا ہر دو مقامات پر پورا رہتا ہے۔

جو شخص ہر وقت ذکر میں مصروف رہتا ہے وہ معنوں کے اعتبار سے بادشاہ اور جو درود پاک میں مشغول رہتا ہے معنوں اور صورت دونوں اعتبار سے شہنشاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مختلف اسمائے پاک ہیں۔ ان میں سے کسی کا خلوت اور کسی کا جلوت سے تعلق ہے لیکن اسم "ودود" کا تعلق جلوت وخلوت دونوں سے ہے۔ یہ اسم اعظم ہے۔ لہٰذا "یاودود" کا ہر وقت ذکر کرنا چاہئے۔

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ

☆ ذکر اللہ سے قرب الٰہی کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔
☆ ذکر اللہ ایسی مے طہورہ ہے کہ جو پی لے پھر اس کا نشہ آخرت میں بھی نہیں اترتا۔
☆ ذکر اللہ حوادثات زمانہ کے سامنے ڈھال ہے۔
☆ ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے راضی رہتا ہے۔
☆ ذکر اللہ جنت الفردوس کا نغمۂ جانفزا ہے۔
☆ ذکر اللہ دنیا کی آلائشوں سے پاک ہونے کا سبب ہے۔
☆ ذکر اللہ سایۂ رحمت خداوندی ہے۔
☆ ذکر اللہ سے انسان جنت کے باغوں میں محوخرام رہتا ہے۔
☆ ذکر اللہ سے انسان گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے رغبت رکھتا ہے۔
☆ ذکر اللہ سے انسانی زندگی محبت وادب' عاجزی وانکساری وتواضع' اخلاق واخلاص' احسان ومروت' حلم وبردباری' شوق عبادت وریاضت' عفو ودرگزر' ایثار ورواداری' شرم وحیا'

شغف مطالعہ قرآن وحدیث اور علم وعمل کے راستوں پر گامزن ہو جاتی ہے۔

☆ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر اللہ سے نورانیت حاصل ہوتی ہے اور اس کا فکر کرنے سے حضوری نصیب ہوتی ہے۔ بے حضوری کا ذکر اور فکر اللہ تعالیٰ سے بعد اور دوری کا سبب بنتے ہیں۔

(امیر الکونین، ص ۱۹۲)

کہتے ہیں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنگل میں ایک حبشی کی صحبت میں جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تو اس کا رنگ بدل کر سفید ہو جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا:

”ارے! میں تو تم میں عجیب کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ تم جب بھی اللہ کا ذکر کرتے ہو تو تمہارا رنگ بدل جاتا ہے“۔

اس نے جواب دیا:

”بھائی! اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح کرنے کا حق ہے تو تمہارا رنگ بھی بدل جائے اور تمہاری صفات بھی بدل جائیں“۔

(تعرف، ص ۱۶۳)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا حال کیا ہے۔ کیا ہم بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں یا دنیا کے بکھیڑوں سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ اس کو حرزِ جاں بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی صورت میں اپنی محبت، رحمت، بخشش اور جنت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اگر ہم ان میں داخل نہیں ہوتے تو اس سے زیادہ اور کیا حرماں نصیبی ہو سکتی ہے۔

آئیں ہم اپنے حال پر روئیں۔ شاید اس طرح ہم نے جو اپنی غفلت سے ذکر اللہ کا جو دروازہ بند کر رکھا ہے، کھل جائے۔

باندی

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بصرہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے۔ راستہ میں ایک باندی بادشاہوں کی باندیوں کی طرح بڑے جاہ وجلال اور خدام کے ساتھ جا رہی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا:

”تجھے تیرا مالک فروخت کرتا ہے“۔

اس نے سنا تو کہا:

”اگر وہ فروخت بھی کرے تو کیا تجھ جیسا فقیر خرید سکتا ہے“۔

فرمانے لگے:

”ہاں اور تجھ سے بہتر خرید سکتا ہوں“۔

باندی نے سنا تو ہنس پڑی اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس فقیر کو ساتھ لے چلو، ذرا مذاق رہے گا۔

جب وہ گھر پہنچی تو اس نے اپنے آقا سے سارا قصہ بیان کیا۔ وہ بھی سن کر ہنسا اور آپ سے پوچھا:

”آپ کیا چاہتے ہیں“۔

فرمایا:

”اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کر دے“۔

”آپ اس کی کیا قیمت دیں گے“۔

آپ نے فرمایا:

”میرے نزدیک اس کی قیمت کھجور کی دو گھٹلیاں ہیں“۔

یہ سن کر سب لوگ ہنسنے لگے۔

''آپ نے یہ قیمت کس مناسبت سے تجویز کی ہے''۔

باندی کے آقا نے پوچھا:

''اس میں بہت زیادہ عیب ہیں''۔

آپ نے فرمایا:

''وہ کیا''

باندی کے آقا نے حیرت سے پوچھا تو فرمایا:

''اگر یہ عطر نہ لگائے تو بدن سے بو آنے لگے۔ اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ سے بو آنے لگے۔ اگر بالوں میں تیل وغیرہ نہ لگائے تو سر سے بو آنے لگے۔ اگر عمر ذرا زیادہ ہو جائے تو منہ لگانے کے قابل نہ رہے۔ حیض اس کو آتا ہے' پیشاب پاخانہ یہ کرتی ہے یعنی ہر قسم کی گندگیاں اس میں سے نکلتی ہیں۔ غم' رنج اور مصیبتیں اس کو پیش آتی رہتی ہیں۔ خود غرض اتنی ہے کہ محض اپنی غرض سے تجھ سے محبت کرتی ہے۔ آج اگر کوئی تکلیف تجھ سے پہنچ جائے تو اس کی ساری محبت ختم ہو جائے۔ کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھی ہوگی۔

میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے جو اس سے نہایت کم قیمت ہے۔ وہ کافور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے۔ مشک آوز عفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے۔ اس پر موتی اور نور لپیٹا گیا ہے۔ اگر کھارے پانی میں اس کا لعاب دہن ڈال دیا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے۔ اگر وہ اندھیرے میں آ جائے تو گھر روشن ہو جائے۔ یہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی۔ اپنی محبت کو نہیں بدلتی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ان دونوں میں سے کون سی باندی موزوں ہے۔

سب نے کہا:

''وہی باندی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''اس باندی کی قیمت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہر شخص کے پاس موجود ہے''۔

لوگوں نے پوچھا:

''اس کی قیمت کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''اس کے خریدنے کے لئے معمولی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رات کا تھوڑا

سا وقت فارغ کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کم از کم دو رکعت نماز تہجد پڑھ لو۔ جب کھانا کھانے بیٹھو تو کسی غریب کو بھی یاد کر لو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی خواہشات پر غالب کر لو۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز دیکھو تو اس کو ہٹا دو۔ دنیا کی زندگی کو معمولی اخراجات کے ساتھ پورا کرو۔ اپنا فکر و غم اس دھوکا کے گھر سے ہٹا کر ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف لگا لو۔ ان چیزوں کے کرنے سے تم دنیا میں عزت کی زندگی گزارو گے۔ آخرت میں بے فکر اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پہنچو گے اور جنت جو نعمتوں کا گھر ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو گے۔

یہ سن کر آقا نے اپنی باندی سے پوچھا:

''تم نے شیخ کی باتیں سن لیں''۔

باندی نے کہا:

''شیخ نے بڑی نصیحت' خیر خواہی اور بھلائی کی بات بتائی ہے''۔

آقا نے کہا:

''تم آزاد ہو''

اور اپنے غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ اس پر باندی بولی:

''آقا! تمہارے بغیر یہ زندگی اب خوشگوار نہیں''۔

لہٰذا ان دونوں نے عیش و عشرت کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

(حقیقت دنیا' ص ۵۹)

صاحبو! دو جہان ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام دنیا ہے۔ یہ فانی اور عارضی قیامگاہ ہے اور دوسرے جہاں کا نام آخرت ہے۔ یہ لافانی اور دائمی رہائشگاہ ہے۔ انسان نے جہان فنا کے بازار سے دار بقا کے لئے اپنی پسند کی خریداری کرنی ہوتی ہے۔

یہ جہان نظروں کے سامنے موجود ہے جبکہ دوسرے جہان کے بارے میں انسان نے صرف سنا اور پڑھا ہوتا ہے کہ کیسا ہوگا۔ جہاں آخرت دو حصوں جنت اور دوزخ میں بٹا ہوا ہے۔ جنت میں کس نوع کی نادر و محیر العقل اشیاء اور نعمتیں ہیں اور دوزخ میں شدائد و عذاب کی نوعیت کیا ہے۔ ان کے بارے میں چشم تصور کلی طور پر ادراک کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا میں بھی انسان دو طبقات میں منقسم ہیں۔ ایک طبقے کے لوگ آخرت اور دوسرے طبقے کے لوگ دنیا کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ آخرت کے بیٹے دنیا میں رہنے کے باوجود معنوی لحاظ

سے اس میں موجود نہیں ہوتے ہیں۔ یہ ہمہ وقتی آخرت کے لئے سودا سلف خریدنے میں مصروف رہتے ہیں جبکہ دنیا کے بیٹے صرف دنیاوی تمتعات ولذائذ وتعیشیات کو سمیٹنے کے لئے پادر رکاب زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا موٹو (Motto) مقولہ ہوتا ہے۔

''ایہہ جہان مٹھا اگلا کس نے ڈھٹھا''

یعنی یہ جہاں بڑا شیریں ہے لیکن دوسرا جہان کس نے دیکھا ہے۔

یہ دنیا پرست ہر روز مشاہدہ و تجربہ کرتے ہیں کہ اس دار فانی کے عیش و آرام پر آفات و بلیات، مصائب و آلام، غم و فکر کی مہریں ثبت ہیں۔ اس کا حسن و جمال ویرانیوں کے پہرے میں ہے۔ اس کے مال و زر پر لٹیروں اور ڈاکوؤں کی نظریں ہیں۔ انسانی خواہشات پر نفس و شیطان قابض ہیں۔ دنیا کی ہوس جوانیوں کو پامال اور بڑھاپے کو ذلیل کر دیتی ہے۔ اس کی ہر چیز پر زوال سایہ فگن ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی خوشیاں عارضی و ناپائیدار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جہان آخرت کی طرف رخ نہیں کرتے اور دنیا کی قیمت جنت کے عوض ادا کرتے ہیں۔ ان نادانوں کی نادانی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی عیش طلبی، رنگینی، لذائذ وتمتعات اور اشیاء کے عوض دین و ایمان، عزت و آبرو، نام و نمود، حسب و نسب و خاندان کی ساکھ حتیٰ کہ زندگی تک پیش کر دیتے ہیں۔

اس کے برعکس بقول حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنت کی بہاریں، نعمتیں، گل و گلزار، دودھ اور شہد کی نہریں، عالیشان محلات اور حوریں وغیرہ بے حد ارزاں خریدی جا سکتی ہیں اور غریب سے غریب شخص بھی بآسانی ان کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ وہ قیمت یہ ہے۔

۱۔ دو رکعت نماز تہجد

بظاہر وقت تہجد بیدار ہونا نفس پر بے حد گراں گزرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ حی و قیوم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے تو وہ جاگ پڑتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر رات کے تیسرے پہر میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔

☆ کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ اس کی دعا قبول کروں۔

☆ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ اسے عطا کروں۔

☆ کون مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔

اللہ تعالیٰ کی جو خالص رحمت افق اعلیٰ سے آسمان دنیا پر نازل ہوتی ہے اور کرہ ارض پر بسنے والے پریشان حالوں کو لطف و عنایت کے خطاب سے سرفراز کرتی ہے، اسے دل کے کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اے غفلت کا شکار لوگو! ہم نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں، کون ہے جو زبان حال اور صدق مقال سے اپنی کوئی حاجت ہماری بارگاہ میں پیش کرتا ہے تا کہ ہم اس کی حاجت کو پورا کریں۔ کون ہے جو ہمارے کرم کے خزانے سے کچھ لینے کا تمنائی ہے تا کہ ہم اسے عطا کریں اور کون ہے جو اپنے برے اعمال پر شرمندہ ہے اور اپنے برے اقوال کو ہماری ستاری کی پناہ میں داخل کرنا چاہتا ہے کہ ہم اس کی رسوائی کی حلم کے ذریعے پردہ پوشی کریں۔

(ذخیرۃ الملوک، ص ۲۲۵)

۲۔ کھاتے وقت غریب کو یاد کرنا

جو شخص کھانا کھاتے وقت کسی غریب کو یاد کرتا ہے تو اس سے اس کے لبوں پر بے اختیار اللہ تعالیٰ کے شکر کے نغمات تیر جاتے ہیں اور جس نعمت کا شکر ادا کیا جائے وہ برقرار رہتی ہے۔

کھانا کھانے سے قبل دائیں بائیں نظر دوڑا کر دیکھ لینا چاہئے کہ پڑوس میں کوئی بھوکا تو نہیں ہے اور اگر ہو تو پہلے اس کو کھانا بھیجنا چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین کے آستانوں پر تقسیم لنگر میں یہی روح کارفرما ہوتی ہے کہ بھوکے، نادار، مفلس اور غریب لوگ آ کر کھانا کھا لیں۔ اگر کوئی غریب مسکین ان کے آستانے پر روز آ کر کھانا کھاتا ہو اور کسی دن وہ نہ آئے تو اس کا انتظار کرتے ہیں۔ دوسرے کو کھانا کھلانا ایسی صفت ہے جس کی بے حد فضیلت اور اجر ہے لیکن آج کے مادہ پرست دور میں بجز الا ماشاء اللہ کھانا کھاتے وقت کسی کو کوئی غریب یاد نہیں رہتا ہے۔ سورہ الماعون آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یحض علی طعام المسکین

اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لئے کسی کو بھی آمادہ نہیں کرتا۔

اس کی تفسیر میں حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جزا کا منکر کبھی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ تو اس کو فضول کام سمجھتا ہے۔ کسی کی سخاوت کو دیکھے تو اسے دکھاوے کا عمل کہہ دیتا ہے۔ منشا یہ ہوتا ہے کہ اس کے بخل کی

طرف کوئی نہ دیکھے اوراس کے بارے میں لوگوں کا تاثر یہی ہو کہ وہ بغیر دکھاوا کے بھلائی کا کام کرتا ہوگا۔

لاریب مسکین کو کھانا کھلانا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینا جزا پر یقین رکھنے کا ثبوت ہے۔(تفسیر فاضلی منزل ہفتم،ص ۴۷۶)

۳-خواہشات پر اللہ تعالیٰ کی رضا غالب کرنا

جب کوئی شخص اپنے دل ودماغ میں خواہشات کا آلاؤ روشن کر لیتا ہے تو اندھے کی طرح اسے ہر جگہ ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ وقت کے ہم آہنگ جب خواہشات کی زنجیر طویل سے طویل تر ہوتی جاتی ہے تو وہ انہیں اپنا معبود بنا لیتا ہے اور ان کی خاطر وہ ذلت ورسوائی کو قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کو پامال کرنے میں بھی ذرہ برابر ہچکچاہٹ اس کی قریب سے بھی نہیں گزرتی ہے۔

خواہشات جو بظاہر بڑی خوش رنگ و پرکشش نظر آتی ہیں، حقیقت میں آگ کے شعلے ہیں جو انسان اپنے اردگرد بھڑکاتا رہتا ہے۔ یہ شعلے آتش نمرود سے بھی زیادہ شدید ہوتے ہیں کیونکہ یہ آخرت میں بھی نہیں بجھیں گے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خواہشات نفسانی اور ہوس ہائے شیطانی سے دست بردار ہو جاؤ۔ قبل اس کے کہ اضطراری موت آئے۔(احادیث مثنوی،ص ۱۹۱)

حضرت شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

جس نے اپنی خواہشات کی باگ ڈھیلی کردی اس نے اپنے دل میں ندامت کا درخت بو دیا۔

اور حضرت وہب بن الورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

جو شخص دنیاوی خواہشات پوری کرنا چاہے اسے (دنیا وآخرت میں) رسوائی کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔(ذخیرۃ السلوک،ص ۱۱۴)

اس میں قطعاً شک نہیں کہ جب کسی پر نفسانی خواہشات غلبہ پالیتی ہیں تو اس کے دینی جذبات ماند پڑ جاتے ہیں اور دینی سعادت کے حصول کے تمام اسباب ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔(ذخیرۃ السلوک،ص ۴۰)

اور جب کوئی شخص دینی جذبۂ حق، تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی شمشیر خاراشگاف کو تھام لیتا ہے تو پھر نفسانی خواہشات مغلوب اور شکست سے دوچار ہو جاتی ہیں اور نفس وشیطان جن کا وہ ہتھیار ہوتی ہیں وہ بھی بے بس ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سرز ہوا تا از سروری است
ترک ہوا سنت پیغمبری است

نفسانی خواہشات سے منہ پھیر لینے میں ہی عظمت ہے اور انہیں ترک کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

۴-راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جگہ بہ جگہ نیکیاں بکھیر رکھی ہیں اور ان کا چننا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ راستہ میں پڑی ہوئی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بظاہر معمولی سی نیکی نظر آتی ہے اور اسے نظرانداز کر دیا جاتا ہے لیکن نیکی نیکی ہے اور بس۔ کوئی نیکی چھوٹی نہیں ہوتی ہے۔ خاص طور پر مخلوق اللہ کو کسی تکلیف دہ چیز سے بچانا بہت بڑی نیکی ہے۔

قطرہ قطرہ بہم شود دریا کے مصداق نامہ اعمال میں ایک ایک نیکی کر کے نیکیوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے اور ہر نیکی پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اجر عطا فرماتا ہے۔ یہ نیکیاں حشر تک بڑھتے بڑھتے کتنی ہو جائیں گی، اس کا ادراک ماورائے عقل ہے۔

ہمیں نیکیوں میں سبقت کرنی چاہئے۔ جب انسان نیکیاں کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو پھر نیکیاں از خود اسے تلاش کرنے لگتی ہیں اور کہتی ہیں:

''اے نیکیوں کے متلاشی! ادھر آؤ، ہم یہاں کھڑی تیرا انتظار کر رہی ہیں''۔

۵-سادہ زندگی گزارنا

زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اس امر کا اختیار

انسان کو ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اسے جس ڈھب پر چاہے گزار سکتا ہے اور اسی لحاظ سے جزا و سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

زندگی میں یہ خاصیت ہے کہ اس کو جس سانچے میں ڈھالو' ڈھل جاتی ہے۔ اس پر جو رنگ چڑھاؤ چڑھ جاتا ہے۔ جس رخ پر لے چلو چل پڑتی ہے۔ عیش پسندی کی راہ دکھاؤ دیکھ لیتی ہے۔ سخت جانی کا عادی بناؤ' بن جاتی ہے۔ قناعت پسندی سکھاؤ' سیکھ لیتی ہے۔ صبر و شکر کا لبادہ اوڑھادو' اوڑھ لیتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع اور محبت و عشق کا سبق پڑھاؤ' پڑھ لیتی ہے۔ نفس و شیطان و خواہشات کی غلام بناؤ بن جاتی ہے۔ سادگی اور معمولی اخراجات سے بسر کرنا چاہو' بسر ہونے لگتی ہے۔ فضول خرچی و اسراف کا راستہ دکھادو' دیکھ لیتی ہے۔ دنیا پرستوں سے جوڑ دو' جڑ جاتی ہے۔ اولیاء اللہ' بزرگانِ دین' علماء حق اور نیک لوگوں کے ساتھ وابستہ کرو' وابستہ ہو جاتی ہے۔ الغرض یہ انسان کی اپنی پسند کے روپ میں گزرتی رہتی ہے۔ بہتر ہے کہ اسے سادگی سے گزارا جائے اور اس پر غیر ضروری اخراجات کا بوجھ نہ ڈالا جائے کیونکہ ان کو پورا کرنے کے لئے غیر شرعی اور ناجائز ہتھکنڈے بروئے کار لانا پڑتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

خیر الامور اوسطھا

یعنی سب سے بہتر کام میانہ روی والا ہے۔

(جامع صغیر' ج ۱' ص ۳۶/ احیاء العلوم' ج ۳' ص ۴۲)

میانہ روی سے انسان سکھی رہتا ہے اور بے نام سے غموں اور پریشانیوں کا شکار نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انسان دنیا کے چکروں میں ایسا پھنستا ہے کہ پھنستا ہی چلا جاتا ہے اور زندگی جو رب کریم کی بہت بڑی نعمت ہے اس کا ایسا حلیہ بگڑتا ہے کہ الامان والحفیظ اور جب انسان بے چہرہ زندگی کا رخ حقیقت کی طرف موڑنے لگتا ہے تو چڑیاں کھیت چگ چکی ہوتی ہیں۔

۶۔ فکر آخرت

دنیا کی محبت فکر آخرت کی اور فکر آخرت محبت دنیا کی قاطع ہے۔ جو راہ آخرت پر گامزن ہوتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے ہاتھ باندھی کنیز کی طرح چلی آتی ہے اور جو دنیا کا غلام بن جاتا ہے

تو آخرت اس کے پیچھے نہیں آتی ہے۔ قانون فطرت اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ ارفع و اعلیٰ گھٹیا کے پیچھے آئے۔

اہل دنیا صرف دنیا پر مرتے ہیں اور اہل اللہ صرف آخرت کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ یہ پاک لوگ دنیا کو صرف مزرع آخرت سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کی ترغیبات و شہوات سے بیزار ہوتے ہیں۔ دراصل دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں۔ ان میں سے جس قدر ایک کو راضی کیا جاتا ہے تو دوسری اسی قدر ناراض ہو جاتی ہے۔ یہ ناممکنات میں سے ہے کہ بیک وقت دونوں کو خوش رکھا جا سکتا ہے۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا اصل وطن اگلا جہان ہے تو دنیا سے توشہ آخرت اکٹھا کرنے کے ساتھ ساحل زندگی پر کھڑے ہو کر موت کی کشتی کا انتظار کرتے ہیں کہ کب آتی اور انہیں پردیس سے ان کے دیس میں لے جاتی ہے۔ جہاں دنیا سے بھیجی ہوئی نیکیاں' اخلاق حسنہ' عبادات و ریاضات' صدقہ و خیرات وغیرہ بصورت جنت ان کے لئے چشم براہ ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ صرف رب ودود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق لے کر جاتے ہیں اور جب اپنے ہم وطنوں ساکنان جنت سے ملتے ہیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ہے۔

دنیا کی فکر پالنے سے دونوں جہانوں میں ذلت و رسوائی دامنگیر ہوتی ہے اور آخرت کی فکر کرنے والے دنیا میں بھی عزت پاتے اور آخرت میں بھی اعزاز و اکرام سے نوازے جاتے ہیں اور حوریں باندیوں کی طرح مسکراتی ہوئی ان کا استقبال کرتی ہیں۔

دونوں جہاں آپ کے سامنے ہیں۔ دنیا کے غلام بھی بن سکتے ہیں اور اسے باندی بھی بنا سکتے ہیں لیکن دنیا کو باندی بنانے سے جنت کی حوریں بطور باندی ملتی ہیں اور دنیا کا غلام بننے سے جنت اور باندی حوریں تو نہیں ملتی ہیں۔ البتہ جو ملتا ہے وہ بڑا ہی اذیت ناک اور خوفناک ہے۔

آپ کس جہان کی فکر میں رہتے ہیں۔ فکر دنیا میں' اللہ نہ کرے آپ ایسے ہوں۔

برے اور نیک اعمال

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی توبہ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

میں ایک سپاہی اور شراب کا رسیا تھا۔ میں نے ایک خوبصورت باندی خریدی جس سے ایک لڑکی نے جنم لیا۔ مجھے بیٹی سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی مجھ سے بڑی مانوس تھی۔ اس کی عادت تھی کہ جب میں شراب پینے کے لئے گلاس اٹھاتا تو وہ مجھ سے چھین کر میرے کپڑوں پر انڈیل دیتی تھی لیکن اس سے محبت کی وجہ سے میں اسے ڈانٹتا نہیں تھا۔ جب وہ دو برس کی ہوئی تو انتقال کر گئی۔ اس صدمہ نے میرے دل کو گھائل کر دیا۔

ایک رات شراب کے نشہ میں اتنا مست تھا کہ نماز عشاء بھی نہ پڑھی اور سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حشر قائم ہو گیا ہے۔ لوگ قبروں سے نکل رہے ہیں اور میدان حشر کی طرف جا رہے ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوتا ہوں۔ اسی اثناء میں میں نے اپنے پیچھے آہٹ سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا اژدھا میرے پیچھے بھاگ کر آ رہا ہے۔ سامنے مجھے ایک ضعیف شخص دکھائی دیتا ہے جس نے نفیس لباس زیب تن کر رکھا ہوتا ہے اور اس سے خوشبو آ رہی ہوتی ہے۔ میں اس سے مدد کا طالب ہوتا ہوں تو وہ کہتا ہے۔

میں ضعیف ہوں اور اژدھا بڑا قوی ہے۔ یہ میرے قابو میں نہیں آئے گا۔

اور پھر ایک طرف اشارا کر کے کہتا ہے۔

اس طرف بھاگ جا شاید نجات کی صورت بن جائے۔

میں اس طرف بھاگنے لگتا ہوں۔ سامنے ایک ٹیلہ نظر آتا ہے میں اس پر چڑھ جاتا ہوں۔ وہاں مجھے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ نظر آتی ہے۔ قریب تھا کہ میں اس گڑھے میں گر جاتا کہ ایک زور کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کوئی کہہ رہا ہوتا ہے

''پیچھے ہٹ تو جہنمی لوگوں میں سے نہیں ہے''۔

میں پھر پیچھے کی طرف بھاگنے لگتا ہوں۔ راستہ میں پھر وہی ضعیف شخص ملتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے۔

''یہ ایک دوسری پہاڑی ہے اس پر چڑھ جا۔ اس میں مسلمانوں کی کچھ امانتیں رکھی ہیں۔ ممکن ہے تیری بھی کوئی امانت اس میں رکھی ہو''۔

میں بھاگ کر پہاڑی پر چڑھ جاتا ہوں۔ اس میں بہت سے طاق اور کھڑکیاں کھلے ہوئے تھے اور ان پر پردے پڑے تھے۔ فرشتوں نے آواز دی کہ کواڑ کھول دو۔ پردے اٹھا دو اور باہر نکل آؤ۔ شاید اس پریشان حال کی کوئی امانت تم میں ایسی ہو جو اس وقت اس کو اس مصیبت سے نجات دے۔

اس آواز سے ایک دم پردے اٹھ جاتے ہیں اور چاند سے چہروں والے بچے باہر نکلنے لگتے ہیں۔ اتنے میں وہ بچے کہتے ہیں۔

''جلدی نکلو وہ اژدھا اس کے پاس ہی آ گیا ہے''۔

ان بچوں میں میری نظر اپنی فوت شدہ دو سالہ بچی پر پڑتی ہے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے اور کہنے لگتی ہے۔

''یہ تو میرے ابا ہیں''

اور پھر وہ تیزی سے کود کر ایک نور کے پلڑے پر چڑھ جاتی ہے اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتی ہے۔ میں جلدی کے ساتھ اس سے لپٹ جاتا ہوں۔ وہ اپنا دائیں ہاتھ اژدھا کی طرف بڑھاتی ہے تو وہ پیچھے کی طرف بھاگنے لگتا ہے۔ پھر وہ میری گود میں بیٹھ جاتی ہے اور کہتی ہے۔

''ابا جان! کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائیں''۔

اس کی یہ بات سن کر میں رونے لگتا ہوں اور پوچھتا ہوں۔

''یہ سیاہ اژدھا کون تھا؟''

وہ کہتی ہے:

''یہ آپ کے برے اعمال تھے۔ آپ نے اس کو اپنے گناہوں سے اتنا قوی کر دیا ہے کہ وہ آپ کو کھینچ کر جہنم میں ڈالنے کی فکر میں ہے''۔

پھر میں پوچھتا ہوں۔

''وہ سفید پوش ضعیف کون ہے؟''۔

وہ جواب دیتی ہے۔

''وہ آپ کے نیک اعمال ہیں جن کو آپ نے اتنا کمزور کر دیا ہے کہ وہ اس اژدھا کو دور نہیں کر سکتا ہے''۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ میں فوراً بارگاہ خداوندی میں توبہ استغفار کرتا ہوں اور برے اعمال چھوڑ دیتا ہوں۔ (حقیقت دنیا' ص ۶۲)

صاحبو! ہر انسان کی زندگی اچھے اور برے اعمال کی آئینہ دار ہے۔ جب دنیاوی دلچسپیاں' رعنائیاں' نفس' شیطان' خواہشات' شہوات اور لذائذ آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیتے ہیں تو اس کی کشت وجود میں برائیوں اور گناہوں کی فصلیں اگنے لگتی ہیں لیکن دانستہ یا نادانستہ کبھی کبھار اس سے اچھے اور نیک اعمال بھی وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

اگر ہمیں وہ آنکھیں مل جائیں جن سے ہم کراماً کاتبین کو دیکھ سکیں تو دم بخود رہ جائیں کہ بائیں جانب کے فرشتہ کو تو ہماری برائیاں اور گناہ لکھنے سے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہے اور دائیں جانب کا فرشتہ منتظر ہے کہ کب کوئی نیکی کرتا ہے جس کے بدلے میں وہ ہمارے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دے جبکہ ایک گناہ اور برائی کے عوض صرف ایک ہی گناہ اور برائی لکھی جاتی ہے۔

جب کوئی شخص گناہ یا برائی کرتا ہے تو دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتہ کو کہتا ہے۔

''ابھی گناہ نہ لکھ شاید یہ شخص توبہ کرے''۔

اگر لوگوں کے برے اعمال کو کوئی شکل دی جائے تو گناہ کی نوعیت کے لحاظ سے وہ مختلف صورتوں میں نظر آئیں گے مثلاً

☆ وہ جو دوسروں کو ایذا اور دکھ دیتے ہیں بچھو ہیں۔

☆ وہ جو اپنی قوم کے غدار اور دوسری قوم کے وفادار ہیں کتے ہیں۔

☆ وہ جو اجتماعی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں خنزیر ہیں۔

☆ وہ جو چغلی کھاتے ہیں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتے ہیں۔

☆ وہ جو کسی پر بہتان لگاتے ہیں مردار خور گدھ ہیں۔

☆ وہ جو مفاد پرستی کے تحت تعلقات استوار کرتے ہیں۔ خوبصورت سانپ ہیں۔

☆ وہ جو دوسروں پر ظلم و زیادتی روا رکھتے ہیں۔ خونخوار چیتے ہیں۔

☆ وہ جو لالچ و حرص کا شکار ہو کر وفاداری بدل لیتے ہیں۔ گرگٹ ہیں اور

☆ وہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہوتے دیکھنے کے باوجود کڑھتے ہیں نہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی قوت کے باوجود برائیوں کو ہاتھ یا زبان سے روکتے ہیں۔ الو ہیں۔

کئی سال پرانی بات ہے قیوم نواز خان نے بتایا کہ ملتان کی سڑکوں پر چلتا پھرتا اور فٹ پاتھ پر بیٹھا ایک فقیر نظر آیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا کہ اسے دور سے ایک معمر باریش نورانی چہرے والا شخص جس کے سر پر دستار تھی' آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر وہ فقیر پریشان ہو گیا۔ قریب ہی ایک ریڑھی والا کھڑا تھا جس کے کندھے پر رومال تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا۔ ریڑھی والے کے کندھے سے رومال اتار کر اپنی سر پوشی کر لی۔ جب وہ معمر شخص اس کے قریب سے گزر کر دور چلا گیا تو اس نے رومال پھینک دیا اور پھر ننگا ہو گیا۔ اس فقیر سے پوچھا:

''باباجی! یہ کیا ہے''۔

وہ بولا:

''جو انسان تھا اس سے پردہ کر لیا''۔

''اور باقی لوگ جو چل پھر رہے ہیں' یہ کیا ہیں''۔

اس کے جواب میں وہ بولا:

''کوئی ریچھ ہے' کوئی گدھا ہے' کوئی گیدڑ ہے اور کوئی کتا ہے' ان سے کیسا پردہ''۔

قرآن مجید کی سورہ الزلزال' آیت ۷-۸ میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''تو جو کوئی ذرہ بھر بھی بھلائی کرے گا اس روز اسے اپنے سامنے دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ بھر بھی برائی کرے گا اس روز سامنے دیکھ لے گا''۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ ایک نیکی کے عوض رحمت خداوندی سے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جبکہ ایک گناہ صرف ایک ہی لکھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں تو مقام صد افسوس ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔

اگر آج کا مادہ پرست انسان بجز الا ماشاء اللہ اپنی کتاب زندگی پر نظر ڈالے تو اسے ہر صفحہ اور اس کی ہر سطر پر صرف گناہ اور برائیاں ہی تحریر نظر آئیں گی۔ روز محشر جب برے اعمال کو بصورت قوی اژدھا اور نہ ہونے کے برابر اچھے اعمال کو ضعیف شخص کی شکل میں دیکھے گا تو اس وقت کیا حالت ہوگی جبکہ فرار کا راستہ بھی کوئی نہ ہوگا۔

زندگی کے موجود لمحات بحیثیت ناصح با آواز بلند کہہ رہے ہیں۔

☆ اے انسان! سنبھل جا۔

☆ گناہوں سے توبۃ النصوحا کر لے۔

☆ نیکیوں کی طرف راغب ہو۔

☆ نفس وشیطان وخواہشات کے چنگل سے آزاد ہو۔

☆ بیسوائے دنیا کے آغوش سے باہر نکل۔

☆ آخرت کے بیٹے بنو۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو۔

پھر دیکھنا رحمت خداوندی تمہیں نہ صرف اپنے دامن میں لپیٹ لے گی بلکہ تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل جائیں گے اور روز محشر گناہوں کے قوی اژدھا کے تعاقب سے بھی محفوظ رہو گے۔ اب سوچ کیا رہے ہو۔

تعلیمات کتب آسمانی

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے بڑے مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ وہ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاص شاگرد تھے۔ ایک دن استاد نے اپنے شاگرد سے پوچھا:

''حاتم! کتنے عرصے سے تم میرے ساتھ ہو''۔

''تینتیس (۳۳) سال سے''۔

''اس دوران میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا ہے''۔

''آٹھ مسئلے''

(حضرت) حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا:

''اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہوگئی ہے''۔

حاتم نے کہا:

''میں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جتنے مسائل سیکھے ہیں، عرض کر دیئے ہیں''۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنا تو کہا:

''اچھا بتاؤ وہ آٹھ مسئلے کون سے ہیں''۔

حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا:

۱- میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے۔ کوئی بیوی سے محبت کرتا، کوئی اولاد سے محبت کرتا ہے، کوئی مال سے محبت کرتا ہے۔ الغرض سب نے کسی نہ کسی کو اپنا محبوب بنا رکھا ہے۔ لیکن جب وہ قبر میں جاتا ہے تو تمام دنیاوی محبوب اس سے جدا ہو جاتے

ہیں۔اس لئے میں نے نیکیوں سے محبت کر لی تا کہ قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہو۔

۲- میں نے قرآن حکیم میں یہ فرمان ربی دیکھا کہ جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکے گا تو اس کا ٹھکانہ جنت میں ہوگا۔لہٰذا میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

۳- میں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے یا محبوب رکھتا ہے اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے۔پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا:

''جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے''۔

لہٰذا جب بھی کوئی ایسی چیز میرے پاس آئی جس کی وقعت اور قدر و قیمت زیادہ لگی یا زیادہ پسند آئی تو وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تا کہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

۴- میں نے دیکھا کہ کوئی شخص مال کی وجہ سے اور کوئی حسب و نسب کی بنا پر اپنی بڑائی بیان کرتا ہے۔میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھا کہ وہ پرہیزگار کو دوست اور محبوب رکھتا ہے۔لہٰذا میں نے تقویٰ اختیار کر لیا تا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگے۔

۵- میں نے دیکھا کہ حسد کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر طعن اور عیب جوئی کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''دنیوی زندگی میں اللہ نے لوگوں کی روزی تقسیم کر رکھی ہے''۔

لہٰذا میں نے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کا زیادہ یا کم ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔کسی کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔

۶- میں نے دنیا میں دیکھا کہ ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی یا دشمنی ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''بیشک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

پس میں نے اپنی دشمنی کے لئے اس کو چن لیا۔

۷- میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں اپنے آپ کو دوسروں کے آگے

ذلیل کرتی ہے۔ناجائز ذرائع اختیار کرتی ہے۔میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھا۔

''کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو''۔

پس میں نے جان لیا کہ میری روزی بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔لہٰذا اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول کر لیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم ہیں۔

۸- میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ ایسی چیزوں پر ہے جو خود مخلوق ہے۔کوئی مال پر، کوئی جائیداد پر، کوئی اپنی تجارت پر، کوئی اپنے بدن کی صحت پر، کوئی خاندان پر بھروسہ کرتا ہے۔

میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھا۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے''۔

اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کر لیا۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب سنا تو فرمایا:

''حاتم اصم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن عظیم کو دیکھا۔میں نے سارے خیر کے کام ان آٹھ مسائل کے اندر پائے ہیں۔پس جو ان آٹھوں پر عمل کرے اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کر لیا''۔

(حقیقت دنیا، ص ۵۷)

صاحبو! بقول حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واقعہ میں مذکور آٹھوں مسائل چاروں آسمانی کتب کی تعلیمات میں سے ہیں۔تمام خیر کی باتیں انہیں سے وابستہ ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی امتوں کو بھی انہیں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین و وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

۱-نیکیوں سے محبت

دنیا نیکی اور بدی کے دو گھاٹوں میں منقسم ہے اور لوگوں نے اپنے ارادہ و نیت سے اپنی پسند کے گھاٹ پر ڈیرے جما رکھے ہیں۔

نیکی اور بدی کیا ہے؟ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے وابصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اپنے دل سے پوچھ لیا کرو۔نیکی یہ ہے جس پر تیرے

دل کو اطمینان ہو جائے اور تیری روح کو سکون محسوس ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کشمکش پیدا کر دے اور سینے میں تردد کی کیفیت ظاہر ہونے لگے۔ اگرچہ لوگ اس کیخلاف بھی فتویٰ دیتے ہیں۔ (احادیث مثنوی ص ۴۷ ۲/ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۴)

اس میں قطعاً شک نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع اور محبت وعشق میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ نیکی کے گھاٹ پر ہیں اور جو لوگ رب کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی وحکم عدولی میں شب و روز گزارتے ہیں۔ وہ بدی اور گناہ کے گھاٹ پر ہیں۔ اس گھاٹ کے لوگوں نے اپنی چاہتوں اور خواہشات کے مطابق مختلف بدیوں اور گناہوں کو اپنا دوست اور محبوب بنا رکھا ہے۔ یہ کسی وقت بھی ان سے آنکھیں پھیر سکتا ہے کیونکہ یہ بے وفا، دغاباز، مطلبی اور صرف دنیا کا دوست ومحبوب ہے لیکن نیکی کے گھاٹ کے لوگوں نے دنیا کے اسی بازار سے نیکی کو دوست اور محبوب بنایا ہے۔ اس کی دوستی دائمی اور محبت سدا سہاگن ہے۔ یہ محبوب دونوں جہانوں میں ساتھ رہتا ہے۔ یہ اپنے محب کے دنیاوی امور کا رخ بھی آخرت کی طرف پھیر دیتا ہے اور اپنے محب سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین وارشادات کے مطابق سب کے حقوق کی ادائیگی کرے۔ اسراف وبخل سے بچے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت وریاضت ذکر اللہ اور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام میں گزارے۔ کسب معاش میں ایمانداری ودیانتداری سے کام لے۔ حسن اخلاق کو طرہ امتیاز بنالے۔ مخلوق اللہ کو سکھ پہنچائے دکھ نہیں۔ حلال طریقوں سے رزق کمائے اور حلال وجائز جگہوں پر خرچ کرے۔ آخرت کو آگے اور دنیا کو پیچھے رکھے۔ نیکوں کی محبت اختیار کرے اور بدوں کے ساتھ نشست وبرخاست نہ رکھے۔ دکھی انسانیت کی مدد وخدمت کرے۔ غرور وتکبر وریا سے دور رہے اور طمع ولالچ سے منہ موڑے۔

ہمارا محبوب کون ہے؟ نیکی یا بدی، ہمارا آئینہ زندگی کہیں یہ چغلی تو نہیں کھا رہا کہ نیکیوں کے وقت ایسے بیمار بن جاتے ہیں کہ جنبش تک ممکن نہیں اور برائیوں پر مثل شیر جھپٹتے ہیں یا نیکیوں میں سبقت کی عکاسی کرتا ہے۔

۲- نفس کو خواہشات سے روکنا

نفس کی چراگاہ خواہشات ہے۔ اور ان دونوں کا رخ شیطان کی طرف ہوتا ہے اور جو

شخص نفس وخواہشات اور شیطان کی غلامی میں ہو وہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کو پامال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا ہے۔ اس کی لغت میں حلال وحرام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔

نفس خدمت سے گریزاں اور شیطان برائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ جب یہ دونوں دوست مل کر برنگ دوستی انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر ابھارتے اور سبز باغ دکھاتے ہیں تو وہ ان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے۔ پھر وہ اسے جہاں چاہتے ہیں، لے جاتے ہیں اور دم واپسیں اس کے ہاتھ میں پروانہ بربادی تھما کر قہقہہ زن واپس لوٹ آتے ہیں۔

نفس پر اگر امارہ کی چھاپ ہو تو برائیوں کا در باز ہو جاتا ہے۔ اگر اس پر لوامہ کا لیبل چسپاں ہو تو ڈگمگاتا رہتا ہے۔ لیکن جب اس پر مطمینہ کی مہر لگی ہوئی ہو تو عباد مخلصین میں شامل ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاتھوں اغوا ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور وہ عالم بے بسی میں شکار کے ہاتھوں سے نکل جانے پر کف افسوس ملتا رہتا ہے۔

ہمارے نفس پر امارہ، لوامہ اور مطمئنہ میں سے کون سی مہر ثبت ہے؟ زندگی کے آئینہ میں جھانک کر دیکھ لیں، معلوم ہو جائے گا۔ اگر نفس امارہ نظر آئے تو اس سے راہ فرار اختیار کرنے میں لمحہ بھر کی غفلت بھی عظیم خسارہ کا باعث ہے۔ اگر نفس لوامہ دکھائی دے تو اس کی پھسلن سے بھی جلد گزر جانا چاہئے اور اگر نفس مطمئنہ کی جلوہ گری ہو تو سجدہ شکر بجالانے میں تاخیر گناہ سے کم نہیں ہے۔

۳- راہ خدا میں اعلیٰ چیز دینا

قرآن حکیم کے آئینے میں انسان بخیل، مفاد پرست، لالچی، جھگڑالو، جلد باز اور ناشکرا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو دوسری کا طلبگار ہوتا ہے۔

اس کی ہوس زر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ مال حرام کے لئے دونوں ہاتھ کشادہ اور راہ خدا میں دیتے وقت مٹھی بند رکھتا ہے۔ اگر کسی وقت اسے راہ خدا میں کچھ دینا پڑ جاتا ہے تو ناقص چیز، جسم پر پرانا کیا ہوا کپڑا یا بچا کھچا کھانا دیتا ہے اور ذرہ برابر شرم محسوس نہیں کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس خیرات وصدقہ سے اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماردی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے“۔

(صحیح بخاری، ج ا، حدیث ۱۲)

لیکن وہ شخص جو اپنے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ناقص اور گھٹیا چیز دیتا ہے تو وہ کیا مومن ہے؟
بزرگانِ دین جب کوئی چیز اللہ کی راہ میں دیتے ہیں تو اس امر کی تسلی کر لیتے ہیں کہ اس قابل ہے کہ اللہ کی راہ میں دی جائے۔ ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (ال عمران، ۹۲)

”تم اس وقت تک نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب اشیاء اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کر دیتے“۔

ہماری زندگی کے آئینہ سے کیا منعکس ہو رہا ہے۔ راہ خدا میں اعلیٰ ترین چیز دیتے ہیں یا ناقص۔ ذرا سوچ لیں۔

۴۔ تقویٰ

بقول حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کے لئے اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ لینا تقویٰ ہے اور بقول حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقویٰ کا ظاہر اللہ تعالیٰ کی حدود کا لحاظ رکھنا اور اس کا باطن نیت اور اخلاص ہے۔

(دریائے محبت، ص ۱۱۸)

اگر ہم دنیاوی نقصان وخسارے سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تو آخرت میں ذلیل وخوار، خجل وشرمندہ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب و ناراضگی سے بچنے کے لئے دنیا میں تقویٰ کی آڑ کیوں نہیں لیتے ہیں۔ یہ ایسی آڑ ہے جس کو بہ ہزار کوشش نفس و شیطان عبور نہیں کر سکتے ہیں۔

جس طرح دنیا میں کسی دوست کی ناراضگی مول نہیں لیتے ہیں۔ اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن متصور کرتے ہیں بعینہ اگر بہ خلوص نیت واخلاص اللہ تعالیٰ کو دوست بنا لیں اور اس کو راضی کرنے کے لئے اس کے ولیوں کو دوست بنا لیں اور اس کے

نافرمان شیطان کو دشمن سمجھیں اور اس کا عملی ثبوت بھی بہم پہنچائیں تو یہ تقویٰ ہے اور اس راہ کے مسافر نے جو توشۂ آخرت اکٹھا کرنا ہوتا ہے تو دنیا خود اس کی جھولی میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن جو اس راہ سے دور دنیا کی افتاں وخیزاں پگڈنڈیوں پر بھاگتا رہتا ہے اس کی ہر حرکت اور عمل تقویٰ کے تقاضوں کے خلاف ہوتا ہے۔ مثلاً

☆ حدود اللہ کا احترام نہیں کرتا ہے۔
☆ جو چیز میسر ہو اس پر راضی نہیں رہتا ہے۔
☆ جو چیز ہاتھ سے نکل جاتی ہے اس پر صبر نہیں کرتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔
☆ راضی برضا نہیں رہتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے والی باتوں سے بچتا نہیں ہے اور
☆ خلاف شرع باتوں سے اپنے ظاہر و باطن کو میلا رکھتا ہے۔

نفس و شیطان کے حملوں سے بچاؤ کے لئے کیا ہم نے تقویٰ کی آڑ لے رکھی ہے یا شیطان مردود کو خوش کرنے کے لئے تقویٰ کی بولی لگا دی ہے۔ زندگی کے آئینہ میں ذرا جھانک کر دیکھ لیں۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا ہے۔

۵۔ عداوت مخلوق سے کنارہ کشی

دنیا میں ہر سو لوٹ کھسوٹ، مال و منال جمع کرنے، حصول مناصب ومراتب، محل ماڑیاں بنانے، دغا وفریب، بغض وعناد ودشمنی، بہتان طرازی، چغلی وطعن، عیب جوئی اور فخر وغرور کا بازار گرم ہے اور اس کا سرخیل حسد ہے۔ اس دنیا میں سب سے پہلا حاسد قابیل تھا اور تا قیام قیامت حسد کرنے والے قابیل کی معنوی اولاد ہیں۔ درحقیقت حسد ایسا خونخوار بھیڑیا ہے جو اپنوں کو دیکھتا ہے نہ بیگانوں کو۔ اس کی نظریں سب پر ہوتی ہیں اور جب کوئی اس کی زد میں آتا ہے تو اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ فلق آیت ۵ میں ہے:

من شر حاسد اذا حسد

یعنی جب حاسد حسد کریں تو میں ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

روایت ہے کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے۔

اگر ہمارا ایمان اس بات پر ہے کہ جو ہمارے نصیب کا ہے وہ ہمیں ہی ملے گا اسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا ہے اور جو دوسرے کے نصیب کا ہے وہ مجھے نہیں مل سکتا ہے تو حسد کی منافقانہ صفت سے دامن کو پاک رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح زندگی میں صبر و شکر' قناعت پسندی کی صفات جنم لیتی ہیں اور لالچ و طمع و حرص' نفسانی خواہشات کے پیچھے پاگلوں کی طرح بھاگنے اور دنیا طلبی کے لئے آخرت کی قربانی دینے سے بچا جا سکتا ہے۔

ہماری زندگی کا آئینہ حسد کی چکناہٹ سے کہیں اندھا تو نہیں ہو گیا ہے یا ہنوز صاف و شفاف ہے۔ فرصت ہو تو اس میں ذرا جھانک کر دیکھ لیں۔

۶۔ شیطان سے دشمنی

شیطان پانچ بدصفات کے مجموعے کا نام ہے۔
اس کے ش سے مراد شر ہے۔
اس کی ی سے مراد یاسیت ہے۔
اس کی ط سے مراد طاغوت ہے۔
اس کے الف سے مراد انانیت ہے اور
اس کے ن سے مراد نفرت ہے۔

اور یہ صفات اگر کسی انسان میں بھی ہوں تو وہ شیطان ہے اور باطنی و ظاہری دونوں شیطان قابل نفریں اور دوستی کے لائق نہیں ہیں۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر شیطان کو کھلا دشمن کہا گیا ہے اور جب یہ پتہ چل جائے کہ انسان کا کون دشمن ہے اور اس کے باوجود اگر اس سے بچاؤ کی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو یہی عقل کا اندھاپن ہے۔

باطنی اور انسان نما ظاہری دونوں شیطان انتہائی خطرناک ہیں اور ان کے ساتھ ہر وقت حالت جنگ میں رہنا انسان کی اپنی سلامتی و عافیت کے لئے ناگزیر ہے۔

باطنی محاذ پر شیطان کو عبادت و ریاضت' توبہ استغفار' نیکوں کی صحبت اختیار کرنے اور اپنی ذات کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے شکست دے کر اس کے تسلط سے آزادی حاصل کی جا سکتی ہے جبکہ ظاہری شیطان کے فتنہ کا شکار ہونے سے تحفظ کے لئے اس کے سایہ سے بھی دور رہنا چاہئے۔

ہمارے بزرگ کہتے ہیں کہ انسان نما شیطان دوستوں کی صحبت سے تنہائی ہزار درجے بہتر ہے اور باطنی شیطان کے حملوں اور ہتھکنڈوں سے حفاظت کے لئے اولیاء اللہ کی صحبت اور قرب و معیت تنہائی سے لاکھوں گنا اچھی ہے۔ یہی دانشمندی ہے۔

کیا ہم باطنی و ظاہری شیطانوں سے نبرد آزما ہیں۔ ان سے دشمنی رکھتے ہیں یا دوستی۔ اس میں تو قطعاً شک نہیں کہ ان سے دشمنی رکھنا سعد اور سعادت ہے اور ان کی دوستی سراسر شقاوت و بدبختی ہے۔

ہمارا آئینہ دل کیا کہتا ہے؟ ذرا اس سے بھی پوچھ لیں۔

۷۔ تکمیل فرامین ربی میں مشغولیت

اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت واضح طور پر فرما دیا ہے:

''کیا کرو اور کیا نہ کرو''۔
یہ دو راستے ہیں روشن روشن' اجلے اجلے

''کیا کرو'' کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ اس پر گامزن شخص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے نغمہ زن گلستانوں اور محبت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلنواز و عطر بیز فضاؤں سے ہوتا ہوا تقرب الی اللہ کی منزل مقصود حاصل کر لیتا ہے۔

اور ''نہ کرو'' کا راستہ نہایت پرخار' کٹھن اور جانگداز ہے۔ اس راستے کا مسافر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی باد صرصر سے جھلستا ہوا۔ شیطان کی سنگت میں دوزخ کی آتش بداماں گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف ٹھوکریں کھاتا ہوا رواں دواں ہوتا ہے۔ اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ ''کیا کرو'' اور ''کیا نہ کرو'' دونوں راستوں میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ ہر انسان ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک پر ضرور گامزن ہوتا ہے۔

اپنے آئینہ زندگی کو ان دونوں راستوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لیں کہ اس میں کس راستے کا عکس موجود ہے۔

۸۔ اللہ پر توکل

اہل حقیقت کے نزدیک ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرنا' اس کی رضا میں راضی رہنا' ماسوا سے امید نہ رکھنا توکل ہے۔

اہل دنیا اکثر و بیشتر جتنا کاروبار، مال و دولت، خاندان اور تعلقات وغیرہ کی بیساکھیوں پر تکیہ لگائے رکھتے ہیں۔ اتنا بھروسہ و توکل اللہ تعالیٰ پر نہیں کرتے ہیں۔ جہاں تک اسباب کا تعلق ہے تو ان کی فراہمی توکل کے منافی نہیں ہے۔ بشرطیکہ نتیجہ منجانب اللہ تصور کیا جائے۔ لیکن اگر نتیجہ بھی اسباب کے سپرد کر دیا جائے تو یہ شرک اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرنے کے مترادف ہے۔

وہ لوگ جو رب کریم پر بھروسہ واعتماد نہیں کرتے۔ ذلیل وخوار اور مایوسی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس جو اپنے خدائے ذوالجلال والاکرام پر ہی توکل کرتے ہیں کسی نوع کی پریشانی و بے اطمینانی و بے سکونی کا شکار نہیں ہوتے ہیں اور اگر نتیجہ ان کی چاہت وتوقع کے مطابق نہیں نکلتا ہے تو کہتے ہیں:

"اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی بہتری ہے"۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں کی وہ حب رکھتا ہے اور انسانی عقل وتصور سے ماوراانہیں انعام واکرام سے نوازتا ہے۔

کیا ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں یا اسباب پر؟ اس سلسلہ میں ہماری زندگی کا آئینہ کیا کہتا ہے۔
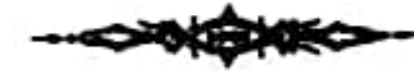
اولیاءاللہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

"ایک اجنبی میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا:

آپ دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ جو نعمتیں بادشاہوں کو میسر نہیں وہ گھر بیٹھے لوگ لا کر آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔ دنیا کے ہر فرد کو طرح طرح کے تفکرات لاحق رہتے ہیں مگر آپ کو نہ کھانے کی فکر ہے نہ کپڑے کی، مکان کی فکر ہے اور نہ خدمتگاروں کی کمی ہے۔ بغیر کسی پریشانی کے آپ کے لئے ہر چیز موجود ہے"۔

اس کی بات سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"یہ سب نعمتیں لوگ مجھے اس واسطے دیتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی دکھ یا مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ میری دعا سے اللہ تعالیٰ ان کے دکھ اور مصائب دور کر دیتا ہے۔ اگر صبح سے شام تک پچاس دکھیا لوگ بھی میرے پاس آئیں تو مجھے پچاس دکھ سننا پڑتے ہیں اور جب میں ان کا دکھ دور ہونے کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں تو ہر ایک کا دکھ اپنے اوپر طاری کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو شخص پچاس یا سو دکھوں میں مبتلا رہتا ہو تو اس کو نہ تو ان نعمتوں میں مزہ آتا ہے۔ نہ لوگوں کی خدمتوں میں اور نہ ہی کسی اور چیز میں لطف آتا ہے اور یہ بھی سن لو کہ لوگوں کی لائی ہوئی چیزیں میں خود استعمال نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تقسیم کر دیتا ہوں"۔ (سنہری دور، ص ۹۶)

صاحبو! ہم لفظ "ولی اللہ" سے بخوبی آشنا ہیں۔ لیکن یہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عام مخلوق سے جداگانہ منفرد مقام ومرتبہ سے نواز کر اپنی سند دوستی عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے اپنے ذکر کا

دروازہ کھول دیتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لذت پانے لگتا ہے تو پھر اس کے لئے اپنی قربت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے مجلس انس تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر جب انس بھی پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے تو اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے۔ اس کے بعد اس سے تمام پردے ہٹا کر فردانیت کے گھر میں اسے داخل کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جلال و عظمت اس کے سامنے کھل جاتا ہے۔ جب اس کی نگاہ جلال و عظمت خداوندی پر پڑتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت بندہ بالکل اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتا ہے اور اپنے نفسانی دعوؤں سے بیزار ہو جاتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۵)

اولیاء اللہ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے منکشف ہوتا ہے کہ یہ ماسوا سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عابدوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچے جو عبادت میں مشغول تھے۔ ان سے دریافت فرمایا:

''عبادت سے تم لوگوں کا کیا مقصد ہے''۔

انہوں نے جواب دیا:

''دوزخ سے نجات اور بہشت کی امید''

سنا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''گویا تم ایک مخلوق سے ڈرتے اور دوسری مخلوق سے امید رکھتے ہو''۔

یہ فرما کر وہاں سے چل پڑے اور عابدوں کی دوسری جماعت کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا:

''تمہاری عبادت کی غرض و غایت کیا ہے''۔

ان لوگوں نے عرض کیا:

''ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم بجالاتے ہیں''۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''بلاشبہ تم ہی لوگ اللہ کے دوست ہو۔ مجھے تم ہی لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں تمہارے پاس رہوں گا''۔ (مکتوبات دوصدی، ص ۳۵۴)

قرآن پاک میں رب ودود نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ وہ

لوگ یہ ہیں۔

☆ محسنین
☆ تائب اور پاکیزہ
☆ پابند عہد اور متقی
☆ صابر
☆ متوکل
☆ عادل
☆ مجاہد فی سبیل اللہ

اور ان لوگوں کے بارے میں بھی بتا دیا ہے جن کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ لوگ یہ ہیں۔

☆ حد سے تجاوز کرنے والے
☆ ناشکرے گنہگار
☆ ظالم
☆ بددیانت و بدکار
☆ غیبت و توہین کرنے والے
☆ فسادی
☆ فضول خرچ
☆ خائن
☆ متکبر
☆ کفار

اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے شب و روز اس بات کے آئینہ دار ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں کی صفات سے متصف اور رب کریم کے ناپسندیدہ اشخاص کی صفات سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

بزرگانِ دین اور بحر معرفت الٰہیہ کے شناوروں کی نظروں میں اولیاء اللہ کون اور کیسے ہوتے ہیں اس کا تذکرہ بے شمار کتب میں بکھرا پڑا ہے۔ مثلاً

بقول حضرت استاد ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی کے دو معنی ہیں۔

اول: وہ شخص جس کے کاموں کا اللہ تعالیٰ والی ہو اور

دوم: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔

ولی میں ان دونوں صفات کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ ولی ایسا ولی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کلی طور پر ادا کرنا پسند کرتا ہو اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اس کی خوشی اور غمی ہر دو حالت میں ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی وہ ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانیوں کے ول (بل) نہ ہوں۔ (اخص الخواص)

بقول حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی وہ ہے جس کی شہرت اس کے لئے فتنہ کا باعث نہ ہو۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

بقول حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی وہ ہے جس کے افعال لگاتار سنت و شریعت کی موافقت میں ہوں۔

(رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

بقول حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی نہ تو ریاکار ہوتا ہے اور نہ منافق۔ لہٰذا جس کا یہ خلق ہو اس کے دوست کس قدر کم ہوں گے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

بقول حضرت بو علی جوزجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولی وہ ہے: اپنے حال میں فنا ہو چکا ہو اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔ اس کے انتظام کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہو اور ذمہ داری کے انوار اس پر لگاتار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ نہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے اور نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار حاصل ہوتا ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

ان اللہ کے دوستوں کی پرہیزگاری کا عالم یہ ہوتا ہے کہ

☆ معصیت پر اصرار کرتے ہیں نہ عبادت پر مغرور ہوتے ہیں۔

☆ دنیا کے خارزاروں سے بچ بچا کر گزرتے ہیں۔

☆ مخلوق کے عیوب کو زبان پر نہیں لاتے ہیں۔

☆ باطن کو اللہ تعالیٰ کے لئے مزین رکھتے ہیں۔

☆ شرک سے پاک ہوتے ہیں۔

☆ معصیت اور برائیوں سے دور رہتے ہیں۔

☆ شبہات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

☆ فضول باتوں سے مجتنب رہتے ہیں۔

☆ ماسوا کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے ہیں۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولاً اور عملاً اقتدا کرتے ہیں۔

☆ نفس کو اللہ تعالیٰ کی عدم اطاعت اور معصیت کے ارتکاب سے بچاتے ہیں۔

☆ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھتے ہیں۔

☆ شریعت و طریقت کی حفاظت کرتے ہیں۔

☆ حظوظ نفسانیہ کو ترک کر دیتے ہیں۔

☆ ممنوعات سے دور رہتے ہیں۔

☆ خود کو کسی سے بہتر خیال نہیں کرتے ہیں۔

اور اولیاء اللہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ

☆ غرض و غایت سے پاک ہوتے ہیں۔

☆ اپنی ذات کے لئے کوئی چیز مخصوص نہیں کرتے ہیں۔

☆ اپنی تعریف سننے کے خواہشمند نہیں ہوتے ہیں۔

☆ فرشتے ان کے اعمال میں کوئی عیب نہیں دیکھتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ انہیں وہاں نہیں دیکھتا جہاں سے اس نے منع کیا ہوتا ہے۔

☆ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ہی خیال دامنگیر رہتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ ولی وقت کا بندہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے مستقبل کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ کسی چیز سے ڈرے اور جس سے اسے کوئی خوف نہیں تو اسے کسی قسم کی امید بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ رجاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز کے حاصل ہونے یا مکروہ چیز کے دور

ہونے کا انتظار ہے اور یہ دونوں مستقبل کی باتیں ہیں۔ الغرض ولی کو کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ غم دل کی درشتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی روشنی اور اس کے ساتھ موافقت کی ٹھنڈک میں ہو اسے غم کیسے ہوسکتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۶)

جس طرح دنیا میں کوئی شخص پسند نہیں کرتا کہ اس کے دوست کو برا بھلا کہا جائے بعینہ اللہ تعالیٰ بھی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کے ولیوں کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے جائیں یا ان پر زبان طعن وتبصرہ دراز کی جائے۔

بقول حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس کسی کا دل اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے کا عادی ہو جائے تو وہ اولیاء اللہ پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ سے جنگ کرنا جائز سمجھا۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۸۰)

اولیاء اللہ سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے۔ دنیا کے لوگوں کے دلوں پر ان کا رعب وادب و ہیبت طاری رہتا ہے اور کوئی شخص ان کی موجودگی میں کسی بری حرکت کی جرات نہیں کرتا ہے لیکن جو لوگ اولیائی صفات و پرہیزگاری کے معیار پر پورا نہیں اترتے تو نہ صرف ان کی ہیبت گھٹ جاتی ہے بلکہ وہ زیادہ محترم بھی نہیں رہتے ہیں۔

حضرت علی عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ کی ایک سڑک سے گزرا۔ وہاں بچے کھیل رہے تھے اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بچوں سے کہا:

''تمہیں شرم نہیں آتی کہ ان بزرگوں کی موجودگی میں کھیل کود اور شور مچا رہے ہو''۔

ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا:

''چونکہ ان بزرگوں کی پرہیزگاری میں کمی واقع ہوگئی ہے اس لئے ان کی ہیبت بھی کم ہوگئی ہے''۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۴۷۰)

مجھے یاد ہے بچپن میں ہر گلی محلے میں ایک بابا جس کے ہاتھ میں لمبی سی ڈنگوری ہوتی تھی نظر آیا کرتا تھا۔ جب کھیل کود میں مصروف بچے اسے دیکھتے تو ''بابا آیا'' کہہ کر گھروں کو بھاگ

جایا کرتے تھے اور اگر کوئی بچہ اس کے قابو میں آ جاتا تو وہ اس کو ڈنگوری مارتا اور کہتا:

''خبردار! اگر آئندہ فضول کھیل کھیلے''۔

اور اگر لڑکا گھر جا کر بابے کی شکایت کرتا تو اس کے والدین کہتے:

''بہت اچھا کیا، تم نے ضرور کوئی حرکت کی ہوگی''۔

لیکن اب وہ بابا گلی کوچوں میں نظر نہیں آتا جبکہ آج اس کی اشد ضرورت ہے جو ہمارے بچوں کو بری حرکتیں کرتے یا فضول کھیل کود میں وقت ضائع کرتے دیکھ کر انہیں باز رکھتا۔

اولیاء اللہ جو سلطنت روحانیت کے بادشاہ ہوتے ہیں ان کی نظریں آنے والوں کے چہرے کے بجائے ان کے دلوں پر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ ان کے آستانوں پر جانے کے بعد سورہ یونس کی آیت ۶۲ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاد رکھو اللہ کے دوست وہ ہیں کہ انہیں نہ کوئی ڈر ہوتا ہے نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔

کی تفسیر اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شعر

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنا سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔

کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ ان کے اس حال کے پیچھے ریاضتوں، مجاہدوں، نفس کشیوں، شب بیداریوں اور فرائض کے علاوہ نفلی عبادتوں کے کئی سال کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع میں بسر ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ ان کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع ومحبت وعشق کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں اور رب ودود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں ان سے دوستی اور محبت کرتا ہے۔ بظاہر یہ بوریہ نشیں نظر آتے ہیں لیکن لوح محفوظ کی تحریر پڑھ لیتے ہیں۔ یہی وہ نابغہ روزگار ہستیاں ہیں جن کے قرب ومعیت اور محبت ودعا سے بفضل ایزدی لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لاریب اللہ تعالیٰ کے ولی کے پاس بیٹھنے والے پر بھی رب کریم اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

کہتے ہیں ایک سو نیک لوگ ایک ولی اللہ کی زیارت کو گئے۔ جب وہ اس کی خانقاہ پر پہنچے تو ان میں سے ایک نے کہا:

"تم اپنے عصا مجھے دے جاؤ میں ان کی حفاظت کروں گا۔ علاوہ ازیں میں اس ولی اللہ کا سامنا کرنے کی طاقت اپنے آپ میں نہیں پاتا"۔

جب وہ ننانویں (۹۹) لوگ اس ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

"جو سب سے زیادہ نیک شخص ہے اس کو تم باہر ہی چھوڑ آئے ہو۔ اس کو بھی لے آؤ"۔ (سنہری دور، ص ۹۱)

ولی اللہ کی نگاہ ہمیشہ ادب کو دیکھتی ہے اور یہ محبت کی جان بلکہ روح رواں ہے۔ آج تک جس نے بھی اور جتنا بھی فیض کسی ولی اللہ کے آستانے سے پایا ہے اس کی بنیاد یہی ادب و محبت ہے۔

ولی اللہ اور بزرگانِ دین کے پاس عموماً تین طرح کے لوگ آتے ہیں۔

اول: دنیا کے خواہشمند: یہ عموماً مختلف النوع مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ وہ ان سے طالب دعا ہوتے ہیں۔ اللہ کا ولی ان حاجتمندوں کے مصائب و مسائل اس طرح بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں جیسے یہ ان کے اپنے ہوں۔ رب کریم اپنے دوستوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور جس کے لئے دعا کی جاتی ہے اسے آسانیاں نصیب ہو جاتی ہیں۔ مراد پوری ہونے کے بعد پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ یہ راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔

دوم: دنیا کے خواہشمند: یہ ادھر ادھر سے پڑھ کر آتے ہیں اور اپنے معیار پر بزرگانِ دین کے علم کو جانچتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہی خیالات کے پنجرے میں مقید رہتے ہیں۔ اپنے اندر ذرہ برابر لچک پیدا کرنے کے روادار نہیں ہوتے۔ یہ بھی تھوڑے عرصے بعد واپس لوٹ جاتے ہیں۔

سوم: وہ لوگ جو محض ولی اللہ اور بزرگانِ دین کے ساتھ وابستگی کے لئے آتے ہیں۔ یہ بامراد ہوتے ہیں۔ یہ ہر اس بات پر عمل کرتے ہیں جو مرشد کہے خواہ سمجھ آئے یا نہ آئے۔

صراط مستقیم کے تین ستون ہیں۔

پہلا ستون: بزرگانِ دین سے میل ملاقات کا ہے۔ اس سے قول پاک ہو جاتا ہے۔

دوسرا ستون: بزرگانِ دین سے خالص محبت کا ہے۔

اس سے عمل پاک ہو جاتا ہے اور

تیسرا ستون: بزرگانِ دین کی معیت کا ہے۔ اس سے فقہ یا شریعت کا علم عطا ہوتا ہے۔

(اخص الخواص، ص ۲۱۵)

جو شخص رب ودود اور اس کے محبوب رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں رنگ چکا ہو وہ مرا نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کر جاتا ہے۔ وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ زندوں کی طرح اس سے فیض جاری رہتا ہے کیونکہ حقیقی اور سچی محبت ایسی چیز ہے جس کو موت نہیں اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے۔

حضرت ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں:

میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ ایک دن باب بنی شیبہ سے گزرا تو ایک خوبصورت نوجوان کو مردہ دیکھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ مسکرایا اور مجھ سے کہا:

"اے ابوسعید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوست زندہ رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ مر چکے ہوں۔ وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہو جاتے ہیں"۔

ہمارا حال کیا ہے۔

کیا ہم کسی ولی اللہ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ نہیں ہیں تو ہوں کیوں کہ جو اللہ کے دوست کا دوست ہو تو وہ بھی اس کی رحمت کے سائبان میں آ جاتا ہے۔

کیا ہم منفی صفات سے گلو خلاصی اور مثبت صفات کو اپنانے کے تمنائی ہیں۔ اگر ہیں تو پھر کسی ولی اللہ کے آستانے کا ہمیں رخ کرنا چاہئے۔

کیا ہم دنیا کے بیٹے ہی بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا آخرت کے بیٹے بننا پسند کرتے ہیں۔ اگر ہاں تو پھر شریعت و طریقت و محبت کا سبق پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کسی ولی اللہ کے قدموں سے لگ جائیں ورنہ زندگی تو گزر رہی ہے، گزر ہی جائے گی۔ جب چڑیاں کھیت چگ گئیں تو پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

خیر خیر ہے' غیر غیر ہے

ایک بزرگ حج کو گئے تو وہاں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر زاروقطار رو رہا ہے لیکن جب وہ بزرگ اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے واصل نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ منیٰ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک کپڑا فروخت کرنے والا کپڑا فروخت کرنے میں بے حد مشغول ہے لیکن جب اس کے قلب پر نظر کی تو دیکھا کہ انتہائی مشغولیت کے باوجود وہ ایک لمحے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ تھا۔ (سنہری دور، ص ۸۵)

صاحبو! خیر اور غیر دو جداگانہ حال ہیں۔ ہر انسان ان دو میں سے کسی ایک پر ضرور ہوتا ہے۔ یہی حال اس کا زندگی میں رخ متعین کرتا ہے۔ بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فضیلت رخ کو ہے عبادت کو نہیں۔ اس کی بین مثالیں شیطان، منافقین، علماء سوء اور جعلی پیروں کی ہیں۔ ان کا رخ غیر کی طرف ہوتا ہے لہٰذا ان کی عبادتیں، ریاضتیں اور ظاہری مومنانہ اعمال بارگاہ خداوندی میں ناپسندیدہ و نامقبول ہیں۔

اگر رخ خیر کا ہو تو انسان کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق سے منور و آباد ہوتا ہے۔ وہ ہر لمحہ جس مقام اور جس حال میں ہو یاد اللہ میں مگن اور واصل باللہ ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس کاروبار دنیا میں مشغول ہو خیر کے راستے پر ہوتا ہے۔ دوسروں کو دھوکا نہیں دیتا۔ دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا۔ اخلاق سے پیش آتا ہے۔ مال حرام کو قریب پھٹکنے نہیں دیتا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ لاریب عبدیت تقاضا کرتی ہے کہ کسی حال میں بھی رب ودود کی یاد سے غافل نہ رہا جائے۔

اس کے برعکس اگر کسی کا رخ غیر کا ہو تو اس کا دل طویل خواہشات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ذاتی مفاد کی تدبیروں میں الجھا رہتا ہے۔ نفس و شیطان اس کے رہبر و دوست ہوتے

ہیں۔ اسے سوائے اپنی ذات کے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا ہے۔ یہ دنیا کا بیٹا اگر خانہ کعبہ کے غلاف سے بھی لپٹ کر زاروقطار روئے تو لاحاصل ہے۔ تقرب الی اللہ تو دور کی بات ہے۔ غافل کا غافل ہی رہتا ہے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جس کو جس سے محبت ہو وہ ذہنی و قلبی و روحانی لحاظ سے اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ دنیا کے بازار میں یا حرمین شریفین میں۔ ذکر کی محفل میں ہو یا نماز میں۔ اس کا دل اپنے مقصود پر اٹکا رہتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ ہمارا حال کیا ہے۔

- ☆ کیا ہمارا رخ خیر کی طرف ہے یا غیر کی طرف۔
- ☆ کیا ہمارا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق سے روشن و آباد و سرشار ہے یا اس میں دنیا اور شیطان کا بسیرا ہے۔
- ☆ کیا ہمارا دل منیٰ میں پارچہ فروش کی طرح ہے یا غلاف خانہ کعبہ سے لپٹ کر رونے والے کی طرح۔

ان سوالات کے جوابات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم دنیا کے بازار سے آخرت کا سودا خرید رہے ہیں یا دنیا کی خاطر آخرت فروخت کر رہے ہیں۔ ہمارے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے واقعات گواہ ہیں کہ اکثریت کا رخ دنیا کی طرف اور ساتھ شیطان کا ہے۔ کہیں میں بھی تو اس میں شامل نہیں ہوں۔ یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ خیر خیر ہے اور غیر غیر ہے۔ اس لئے اپنا حال اور رخ درست رکھنے کے لئے ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دامن سے وابستہ ہو جانا چاہئے ورنہ سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مرد بنو

ایک بزرگ نے دنیا کو نہایت حسین و خوبصورت دوشیزہ کی شکل میں دیکھا۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"کیا بات ہے کہ تو ابھی تک کنواری ہے حالانکہ لاکھوں لوگوں نے تم سے قربت کی ہے"۔

وہ بولی:

"جنہوں نے مجھ سے قربت کی وہ سب نامرد نکلے اور جو مرد تھے انہوں نے مجھے منہ بھی نہ لگایا۔ اس لئے میں ابھی تک باکرہ ہوں"۔ (سنہری دور، ص ۸۵)

صاحبو! حدیث پاک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا کا طالب مخنث عاقبت کا طالب مؤنث اور مولا کا طالب مذکر ہوتا ہے۔

(فضل اللقاء، ص ۴۷)

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں اگر لوگوں کو پرکھا جائے تو اکثریت مخنثوں اور مؤنثوں کی ہے اور خال خال مرد ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے طلبگار ہیں۔

کسی بزرگ نے دنیا سے پوچھا:

"انگنت لوگوں نے تمہارے ساتھ مقاربت کی ہے لیکن تم کنواری کی کنواری ہو"۔

سنا تو بولی:

"جو لوگ مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور میری طلب میں دیوانے ہیں وہ سب مخنث ہیں اور جو لوگ عقبیٰ کے دلدادہ ہیں وہ مؤنث ہیں اور میں بھی مؤنث ہوں۔ ان کی میرے ساتھ قربت بے معنی ہے لیکن جو طالب مولا ہیں وہ میرے نزدیک نہیں آتے۔ میں ان کو بلاتی ہوں۔ خود کو

بنا سنوار کر پیش کرتی ہوں لیکن وہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہیں اس لئے جب سے مجھے وجود بخشا گیا ہے میں کنواری کی کنواری ہوں۔

اور یہ تو انسان کے اپنے ارادہ و عزم پر منحصر ہے کہ وہ کیا بننا پسند کرتا ہے مخنث، مؤنث یا مذکر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اور جس نے دنیا کا ارادہ کیا اس کے لئے دنیا ہے اور جس نے عقبیٰ کا ارادہ کیا اس کے لئے عقبیٰ ہے اور جس نے مولا کا ارادہ کیا اس کے لئے سب کچھ ہے۔

(عین الفقر، ص ۴۴/زین الحلم)

نقل ہے کہ ایک روز حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی خانقاہ سے باہر آئے اور ایک مخنث کے گھر جا کر بیٹھ گئے اور انہیں مخنث لوگوں میں سکونت اختیار کر لی۔ مریدوں نے عرض کی:

"حضرت! کیا معاملہ ہے"۔

فرمایا:

"تمام عالم میں تین گروہوں کے لوگ ہوتے ہیں مرد و زن و مخنث۔ ان میں سے مرد تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے اور زن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا تھیں۔ میں ان دونوں سے خارج ہوں۔ بس میں ناچار ہو کر اس گروہ میں آ گیا ہوں"۔

پس معلوم ہوا کہ اہل ذکر و فکر زن ہیں اور اہل استغراق مرد ہیں اور جو کوئی دنیا میں ہے اور ان دو گروہوں میں سے نہیں ہے وہ مخنث ہے۔ (عین الفقر، ص ۱۸۳)

ہم کیا ہیں اور ہمارا حال کیا ہے۔ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے کوئی شخص خود کو مخنث یا مؤنث کہلوانا پسند نہیں کرتا ہے لیکن اگر وہ مرد ہے تو پھر اس میں وہ خوبیاں بھی ہونی چاہئیں۔ خالی مرد کہنے سے کوئی مرد نہیں بن جاتا۔ مرد تو وہ ہوتا ہے جو۔

☆ دنیا کو تین طلاقیں دے کر اس سے الگ ہو۔

☆ زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بسر کرتا ہو۔

☆ آخرت کا بیٹا ہو۔

☆ بدعقیدگی، بدعادات اور بداعمال سے کنارہ کش ہو۔

☆ مکارم اخلاق کا پیکر ہو۔

☆ عجز وانکساری وتواضع کا پیکر ہو۔

☆ غرور وتکبر ورعونت سے پاک ہو۔

☆ طمع' لالچ' ریا اور حرص وہویٰ سے دور ہو۔

☆ ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے میں حدیث مبارکہ تھامے ہو۔

☆ نیکیوں پر حریص ہو۔

☆ مخلوق اللہ کا خیرخواہ ہو۔

☆ حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرتا ہو۔

☆ ہاتھ اور زبان سے دوسروں کو اذیت نہ دیتا ہو۔

☆ جھوٹ نہ بولتا ہو۔

☆ عہد شکن نہ ہو۔

☆ وعدہ خلافی نہ کرتا ہو۔

☆ خائن نہ ہو۔

☆ سخی ہو۔

☆ لوگوں کو سکھ دیتا ہو۔

☆ ماسوا سے لاتعلق ہو۔

☆ شب کی تنہائیوں میں در رحمت خداوندی پر آنسوؤں اور آہوں سے دستک دیتا ہو۔

☆ دنیاوی آلائشوں سے تہی دست ودامن ہو۔

☆ صرف اللہ تعالیٰ کا طالب ہو۔

کیا ہم مخنث یا مؤنث بن کر ہی ساری عمر گزار دیں گے لیکن مرد بن کر جینے میں جو لطف ہے اس کا اندازہ وادراک صرف مرد بن کر ہی کیا جاسکتا ہے اس لئے اے لوگ! مرد بنو۔

لمحہ موجود ہی زندگی ہے

ایک بزرگ نے دوران وعظ حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:

''تم میں سے کس کو یقین ہے کہ وہ کل تک زندہ رہے گا۔ وہ ہاتھ کھڑا کرے''۔

لیکن کسی شخص نے ہاتھ کھڑا نہ کیا۔

اس بزرگ نے دوسرا سوال کیا:

''تم میں سے کون ہے جو اپنے اعمال سے مطمئن ہو۔ وہ اپنا ہاتھ کھڑا کرے''۔

اس پر بھی کسی شخص نے ہاتھ کھڑا نہ کیا تو وہ بزرگ گویا ہوا۔

''ہمیں کسی کو بھی یہ یقین نہیں کہ وہ کل تک زندہ رہے گا۔ اگر یقین بھی ہو تو ہم ایک دن میں کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال سے مطمئن بھی نہیں ہیں''۔

اور پھر لمحہ بھر توقف کے بعد وہ بزرگ بڑے دکھ اور درد سے بولا۔

''دراصل زندگی ایک دن کی ہے اور وہ آج کا دن ہے۔ اس میں جتنا زیادہ سے زیادہ کرسکیں' کرنا چاہئے''۔ (حقیقت دنیا' ص ۵۳)

صاحبو! زمانے تین ہیں۔

الف: زمانہ ماضی

کوئی انسان نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کتنی طویل ہے۔ یہ کئی سالوں پر محیط ہوسکتی ہے۔ یہ لمحہ موجود کی صورت میں آتی ہے اور جب یہ ماضی کا روپ دھارتا ہے تو اس کی جگہ ایک اور لمحہ زندگی کے پیٹ سے نکل کر فوراً آموجود ہوتا ہے۔ لمحات کا یہ تیز رفتار تسلسل زندگی کہلاتا ہے اور یہ دیکھتی ہے کہ اس کے ساتھ صاحب زندگی کیا سلوک روا رکھتا ہے۔

لمحات زندگی برق رفتاری سے ماضی میں ڈھلتے جارہے ہیں۔ ہر انسان اس وقت تک

جتنی بھی زندگی بسر کر چکا ہوتا ہے وہ اگر اس کو آواز دے کر کہاں ہے تو اس کی صدائے بازگشت تک سنائی نہیں دیتی ہے۔ نہ جانے وہ کہاں گم ہو جاتی ہے۔ البتہ انسان کے پاس اس کی اچھی یا بری یاد باقی رہ جاتی ہے۔

لمحہ موجود سے اگر نیک سلوک کیا جاتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع اور محبت وعشق میں گزارا جاتا ہے تو وہ تاباں و روشن ماضی بن جاتا ہے اور بقیہ زندگی سے اس کے پیچھے آنے والے لمحات مبدل بہ نیکیاں ہوتے رہتے ہیں اور اگر اس سے برا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اسے نفس وشیطان وخواہشات کے حوالے کر دیا جاتا ہے تو تاریک وداغدار ماضی بن کر آگ کے شعلوں میں لپٹ جاتا ہے اور اس کے بعد کے آنے والے لمحات بھی اسی سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور جب لمحہ بہ لمحہ زندگی کے تمام لمحات اختتام پذیر ہو جاتے ہیں تو انسان اپنے اچھے یا برے انجام کے لئے موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

ماضی اچھے اور برے، نیک اور بد اعمال کا صحیفۂ انسانی ہے۔ اگر انسان اپنی بداعمالیوں سے توبۃ النصوحا کر لے تو رحمتوں اور محبتوں والا رب کریم اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور اگر وہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے انسان پر پند ونصائح بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ صورت انتہائی خطرناک ہے جو اپنے دامن میں المناک بربادیاں سمیٹے ہوئے ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اعمال بد مستوجب سزا ہیں لیکن حضرت انسان نے جو اعمال صالحہ کئے ہوئے ہیں ان کے بارے میں قطعاً اطمینان نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا مردود۔ ان کے متعلق کیا خدائی فیصلہ صادر ہوگا۔ اس لئے انسان کو ہر لحظہ لرزاں وترساں رہنا چاہئے۔

ب: زمانہ مستقبل

انسانی زندگی کی بے ثباتی کا یہ عالم ہے کہ لمحہ موجود میں اندر گئے ہوئے سانس کے بارے میں یقین سے کہا نہیں جا سکتا کہ باہر بھی آئے گا یا نہیں اس لئے مستقبل غیر یقینی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حال مستقبل کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا تینوں زمانوں پر پھیلے ہوئے صالحہ وغیر صالحہ اعمال کا سرچشمہ انسان بذات خود

ہے کیونکہ اسے اپنی طرز پر زندگی بسر کرنے کا کلی اختیار حاصل ہے اور وہ زندگی کو جو بھی رخ دیتا یا جس راہ پر چلاتا ہے وہی اس کی شناخت بن جاتی ہے۔

ج: زمانہ حال

زندگی صرف آج کے دن کا نام ہے کیونکہ جو دن گزر گیا ہے وہ اب اپنا نہیں ہے کہ اس میں کچھ کیا جا سکے اور کل کس نے دیکھا ہے۔ لہٰذا لمحہ موجود ہی صرف زندگی ہے جس میں انسان سانس لیتا ہے اور اسی دوران میں اس نے اپنی عاقبت کو سنوارنا یا بگاڑنا ہوتا ہے۔ اسی لئے بزرگانِ دین کہتے ہیں۔

''جو دم غافل سو دم کافر''

لمحہ موجود کے لئے انسان کا ماضی اس کے لئے اتالیق وواعظ ودوست کا مقام رکھتا ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری پر مشتمل ماضی اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور سچی اور سیدھی راہ پر رواں دواں رہنے کی مسلسل تلقین کرتا رہتا ہے لیکن گناہوں، بداعمالیوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانیوں میں لت پت ماضی بھی اسے ان سے باز آنے کو کہتا ہے لیکن اس کے اندر بیٹھا ہوا شیطان ماضی کی اس نحیف سی آواز کو اس تک پہنچنے میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔

لمحہ موجود کا تعلق بیک وقت آخرت اور دنیا کے ساتھ بڑا گہرا ہوتا ہے۔ اس کے اندر بے حد قوت پرواز ہوتی ہے اور اس کے استعمال کا حق باری تعالیٰ نے انسان کو تفویض کیا ہے۔ وہ اس کی قوت سے جس رفتار سے چاہے آخرت میں جنت الفردوس تعمیر کرنے اور دنیائے فانی کی رنگینیوں، لذتوں اور عشرتوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹنے کے لئے بروئے کار لا سکتا ہے اس لئے یہ انمول وگرانمایہ ہے۔ اور دنیا کے خزانے اس کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ یہ زندگی ہے اور اس کا ضیاع ناقابل تلافی نقصان ہے۔

لمحہ موجود کے اندر مسکراتی جنت بھی محو خرام ہے اور دوزخ کے مہیب ونہیب شعلے بھی بھڑک رہے ہیں۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اس کے اندر سے کیا حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ اس پر تصرف کا اختیار صرف اسے میسر ہے۔

لمحہ موجود ایک ایسا راستہ ہے جو نہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی کی دلفریب ومشکبار وادیوں کی طرف بلکہ نفس وشیطان وخواہشات

کی پر خار گھاٹیوں کی جانب بھی نکل جاتا ہے۔ یہ وہ منزلیں ہیں۔ اگر انسان نے پہلی منزل کی طرف جانا ہو تو لمحہ موجود بہترین ساتھی ثابت ہوتا ہے اور اگر اس نے دوسری منزل کو مقصود بنا رکھا ہے اور اس نے صرف مال و زر، جاہ و مرتبہ اور دنیا کی غلامی اختیار کرنی ہے تو اس سے بڑا دشمن بھی اور کوئی نہیں ہے۔

لمحہ موجود کی حیثیت ایک مسافر کی بھی ہے جس کی منزل آخرت اور اس کی گزرگاہ دنیا کے بارونق ویرانے ہیں۔ اس مسافر کا ہادی و رہبر بھی انسان ہے۔ اگر وہ اس کا رخ آخرت کی طرف کر دیتا ہے تو اسے پاک دائمی مقام دوام حاصل ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس کا چہرہ دنیا کی طرف موڑ دیتا ہے تو ذلت و رسوائی اور خاک و آگ اس سے چمٹ جاتی ہے۔ اس ہنگام نفس و شیطان عالم سرمستی میں رقص کرنے لگتے ہیں۔

لمحہ موجود یعنی زندگی انتہائی مختصر اور سفر آخرت نہایت طویل و کٹھن ہے۔ دنیا سے بوقت رخصت یہ اپنے ساتھ جنت یا دوزخ میں سے کوئی ایک خرید کر لے جاتا ہے جس کا راز آغوش قبر میں منکشف ہو جاتا ہے۔ اگر اس پر رب ودود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداریوں اور محبت و عشق کی مہر ثبت ہوتی ہے تو جنت الفردوس کو چشم براہ پاتا ہے اور رب کریم کی نعمتیں اور رحمتیں اسے اپنے نرغے میں لے لیتی ہیں اور اگر اس پر نفس و شیطان و خواہشات کا ٹھپا لگا ہو تو جہنم کو منتظر پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیض و غضب اسے گھیر لیتا ہے۔

لمحہ موجود میں جنت کا سودا کرنے والے کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص خریداری کے لئے کسی دکان پر جاتا ہے تو دکاندار

☆ مسکرا کر استقبال کرتا ہے۔
☆ السلام علیکم کہنے میں پہل کرتا ہے۔
☆ حسن اخلاق سے پیش آتا ہے۔
☆ مختلف چیزیں دکھانے پر بدمزگی کا اظہار نہیں کرتا۔
☆ نقص سے پاک اچھی اور اعلیٰ چیز دکھاتا ہے۔
☆ مناسب قیمت بتاتا ہے۔
☆ ماپ تول میں کمی نہیں کرتا۔
☆ گاہک کی کسی بات کا برا نہیں مناتا۔

☆ اپنے مال کی ناجائز تعریف نہیں کرتا۔
☆ سودا بیچنے کے لئے جھوٹ اور قسم کا سہارا نہیں لیتا۔
☆ سودا ناپسند آنے پر بخوشی واپس کر لیتا ہے۔
☆ سودا نہ خریدنے پر برا نہیں مناتا۔
☆ دل میں ذکر اللہ کرتا رہتا ہے۔
☆ کوئی راستہ دریافت کرتا ہے تو خوش دلی سے بتاتا ہے۔
☆ کوئی سائل آتا ہے تو خیرات دیتا ہے۔
☆ نماز کا وقت ہو تو ادا کرتا ہے۔

اس لمحہ موجود میں دکاندار جنت میں گھر بنا رہا ہوتا ہے اور اس کے برعکس کرنے والا دوزخ میں جگہ حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا لمحہ موجود کس حال میں بسر ہوتا ہے۔

☆ رحمٰن کے ساتھ یا شیطان کے ساتھ
☆ جنت کا سودا کرتا ہے یا جہنم کا
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرتا ہے یا شیطان کو
☆ ماضی کی یادوں میں گم رہتا ہے اور مستقبل میں
☆ آخرت سنوارتا ہے یا دنیا کو

یہی سوچنے کی بات ہے۔

اگر لمحہ موجود نے جو زندگی ہے، اس نے آخرت کو آگے اور دنیا کو پیچھے رکھا ہوا ہے تو دونوں جہان شاداب و آباد ہیں اور اگر اس نے دنیا کو آگے اور آخرت کو پیچھے کر رکھا ہے تو دونوں جہاں ویران و برباد ہیں۔

حمام کے ننگے لوگ

ایک بزرگ کسی شخص کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب نماز ختم ہوئی تو کسی کو کہتے سنا:

''یہ شخص اس شہر کا نیکوکار اور بزرگ آدمی تھا''۔

بزرگ نے سنا تو کہا:

''اگر مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو میں اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھاتا''۔

لوگوں نے سوال کیا:

''یا حضرت! ایسا کیوں''۔

فرمایا:

''یہ اس لئے کہ جب تک آدمی منافق نہیں ہوتا' لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا ہے''۔ (مکتوبات' دوصدی' ص۴۴۱)

صاحبو! وقت جیسے جیسے قیامت کو قریب لا رہا ہے ویسے ویسے لوگوں کی اکثریت دنیا کے جالوں' شیطان کی فریب کاریوں اور نفس کی بوالعجبیوں میں گرفتار ہوتی جا رہی ہے۔ مثبت صفات کی جانشینی منفی صفات کرنے لگی ہیں۔ لوگ انہیں کو کامیابی کی دلیل اور زینہ متصور کرنے لگے ہیں۔ جو شخص مثبت صفات کا حامل ہو اسے قدامت پسند' قنوطی اور دور حاضر کا ناکام ترین انسان سمجھا جاتا ہے اور جو شخص جتنا مکر و فریب و دجل میں فنکار ہو۔ چرب زبانی سے جادو جگا سکتا ہو۔ دوغلے پن کا فن جانتا ہو۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرنے میں ید طولے رکھتا ہو۔ پند و نصیحت کو نزدیک نہ آنے دیتا ہو۔ اپنی بات سے مکر جانے میں مشاق ہو۔ ہوا کا رخ دیکھ کر چلنے والا ہو۔ جہاں فائدہ نظر آتا ہو وہاں چپک جاتا ہو۔ جلوت میں تسلیم اور خلوت میں انکار کا خوگر ہو۔ بگاڑ و فساد کی دعوت دیتا ہو۔ دنیا کی خاطر تمام حدیں عبور کرنے میں دریغ نہ کرتا ہو وہ کامیاب ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔

لیکن جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو' لوگوں کو برائیوں سے روکتا ہو' نیکیوں کی طرف دعوت دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلاتا ہو تو لوگ اس کو اچھا سمجھتے نہیں ہیں۔

فی زمانہ حالات ایسے ہیں کہ اگر کسی کو نصیحت کرو تو وہ سننے کے بجائے کہتا ہے۔

''میں سب جانتا ہوں تم اپنی نصیحت اپنے پاس رکھو''۔

اگر کسی کے بچے کو بری حرکت سے روکا جائے تو اس کے لواحقین لڑنے کو آ جاتے ہیں۔

لوگ اس وعظ کی لچھے دار تقریر سنتے ہیں جو خلوت میں اس کے الٹ کرتا ہو۔ الغرض ہر طرف جھوٹ' بدعہدی' خیانت اور لغوگوئی نے ڈیرے جما رکھے ہیں اور لوگ ان سے اس قدر مانوس ہو چکے ہیں کہ اب انہیں برائی کے زمرے میں شامل ہی نہیں کرتے ہیں۔ مومنانہ شکل و صورت اور ہیئت کذائی اختیار کرنے والے بھی بجز الا ماشاء اللہ انہیں صفات میں سے کوئی ایک' کوئی دو کوئی تین اور کوئی چاروں کا عامل ہے اور لوگوں کی نظر میں نیک نام' سچا اور کھرا مشہور و معروف ہے۔ لوگ ان کے ناموں کے ساتھ ایسی اعلیٰ صفات کے القابات کی قطار لگا دیتے ہیں کہ القابات خود شرمندہ ہو جاتے ہیں لیکن جس کو ان القابات سے نوازا جاتا ہے وہ خوش ہوتا ہے جو کہ ان سے قطعاً عاری ہوتا ہے۔ منافقانہ روش اور غیر شرعی اقوال و افعال نے ہمارے وجود کے اندر اندھیر مچا رکھا ہے لیکن ہم نے کبھی ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا ہے۔

نفاق ایک عادت ہے جو رفتہ رفتہ طبیعت بن جاتی ہے۔ عادت کے بدل جانے کا امکان ہوتا ہے لیکن طبیعت بدلتی نہیں ہے۔ جب لوگوں میں منافقت طبیعت کا روپ دھار لیتی ہے تو پھر وہ ان کو اچھی نظر آنے لگتی ہے اور وہ من ترا حاجی بگویم تو مرا ملاں بگو کے تحت ایک دوسرے کو نیک و پارسا سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ سب حمام کے ننگے لوگ ہیں۔

فی زمانہ منافقت دیمک کی طرح بجز الا ماشاء اللہ ہر وجود کو چاٹ رہی ہے۔ دین اسلام کی بہاریں لوگوں سے رخصت ہو چکی ہیں۔ تعلیمات اسلامی کے خوشبودار پھول لوگوں کے قلب و روح و ذہن میں مرجھا چکے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی کو ہماری بداعمالیوں نے قریب آنے سے روک رکھا ہے۔ ہر سو دنیا کے بندوں' دنیا کے بیٹوں' دنیا کے پرستاروں اور دنیا کے محبوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ کیا حکمران اور کیا عوام الناس' سب اس میں شامل ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو اچھا اور نیک سمجھتے ہیں اور جو حقیقی معنوں میں نیک و پارسا ہیں وہ ان کی نظروں

میں معتوب ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگوں پر ایسے سال بھی آنے والے ہیں جن میں فریب ہی فریب ہوگا۔ جس میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ خائن کو امانتدار اور امانتدار کو خائن اور اس زمانہ میں رویبضہ بہت تقریر کرنے والا ہوگا۔

عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! رویبضہ کیا ہے''۔

ارشاد فرمایا:

''حقیر اور کمینہ آدمی لوگوں کے انتظام میں مداخلت کرے گا''۔

(حضرت انسان' ص ۵۸۹)

ہمارا حال کیا ہے۔

☆ کیا ہم منفی صفات کو اچھا سمجھتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہمارے اندر منافقانہ صفات ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم دین کے حصول میں شرعی حدود کو پامال کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم دوسروں کی نصیحت سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم حصول دنیا کے لئے منفی صفات پر عمل کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم مثبت صفات سے متصف ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہماری جلوت وخلوت میں تضاد یا نہیں۔

اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیں' حال عیاں ہوجائے گا۔

کوئی آدمی نہیں ملتا

ایک درویش دن میں چراغ جلائے کچھ ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ کسی نے پوچھا:

''کیا تلاش کر رہے ہو''۔

بولا:

''میں اس آدمی کی تلاش میں ہوں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روح سے زندہ ہو لیکن مجھے کوئی انسان ملتا نہیں ہے''۔

وہ شخص گویا ہوا:

''یہ سارا بازار انسانوں سے بھرا پڑا ہے اور تمہیں کوئی انسان نظر ہی نہیں آتا''۔

درویش نے جواب دیا:

''میں ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو غصہ اور حرص کے وقت سیدھے راستے پر چلتا ہو''۔ (انوار العلوم' ج ۵' ص ۶۵)

غصہ کے متعلق ایک اور واقعہ ہے۔ کہتے ہیں:

کسی صاحب دل نے ایک پہلوان کو دیکھا کہ غصے کے مارے لال پیلا ہو رہا ہے اور منہ سے جھاگ اڑ رہا ہے۔ پوچھا:

''اسے کیا ہوا''

لوگوں نے کہا:

''اسے فلاں نے گالی دی ہے''۔

بزرگ نے کہا:

''یہ کم حوصلہ انسان بھاری بھرکم مگدر اٹھالیتا ہے مگر چھوٹی سی بات کی تاب نہیں لا سکتا ہے''۔ (گلستان سعدی' ص ۹۸)

صاحبو! ان واقعات میں دو صفات کا ذکر ہے۔

اول: غصہ اور

دوم: حرص

یہ اپنے اندر مثبت اور منفی دونوں پہلو رکھتی ہیں اور ان سے بڑے اچھے کام لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

غیر شرعی حرکات پر غصہ کرنا' ناموس دین و رسالت پر حرف گیر پر غصہ کرنا اور معرفت الٰہیہ میں بلند درجات کے لئے حرص کرنا۔ نیکیوں پر حریص ہونا وغیرہ یہ اس کا مثبت پہلو ہے اور اگر ان سے دنیا اور اس کے تعیشات کا حصول مقصود ہو تو یہ منفی پہلو ہے۔

جہاں تک غصہ کا تعلق ہے تو یہ حرام ہے۔ غصے کی حالت میں انسان کی عقل دب جاتی اور اس میں فتور واقعہ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ اس ہنگام نصیحت بیکار ہو جاتی ہے۔ غصہ میں آ کر بسا اوقات انسان بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ کسی کا سر پھوڑ دیتا ہے۔ دست و گریبان ہوتا ہے اور قتل کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا ہے لیکن جب غصہ فرو ہوتا ہے تو بجز پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے لیکن تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے۔

دراصل پہلوان وہ نہیں ہے جو ڈیل ڈول میں بڑا ہو تومند ہو۔ بھاری وزن اٹھا سکتا ہو بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کو نکیل ڈال کر رکھتا ہے اور عقل کو اس کے سپرد نہیں کرتا ہے۔

غصہ کی اصل آگ ہے۔ اس کا زخم دل پر محسوس ہوتا ہے اور اس کی نسبت شیطان سے ہے۔ جب کسی پر غصہ کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اس وقت اس کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام سے کم اور شیطان سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون سی چیز ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچا سکتی ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''غصہ میں نہ آیا کرو''۔

پھر عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسا مختصر سا کام بتا دیں جس سے مجھے نیک

انجام کی امید بندھ جائے''۔

فرمایا:

''غصہ نہ کیا کرو''۔

اور جتنی بار حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا۔

''غصہ نہ کرو''

اور فرمایا:

''غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جیسے کہ سرکہ شہد کو برباد کر دیتا ہے''۔

سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۴ میں رب کریم فرماتا ہے:

پرہیزگار وہ ہیں جو خوشحالی اور تنگدستی میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ وہ غصہ پی جایا کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب بنالیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''جو شخص غصہ پر قابو رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور عذاب سے پناہ میں رکھتا ہے اور اس کی خطائیں بخش دیتا ہے اور جو شخص زبان کو اپنے بس میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شرم و حیا کو محفوظ رکھتا ہے''۔

اور فرمایا:

''دوزخ کا ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غصہ کے تحت شرع کی خلاف ورزی کیا کرتے ہیں''۔

اور فرمایا:

''گھونٹ تو ہر شخص پیا ہی کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ترین گھونٹ وہ ہے جسے غصے کا گھونٹ کہتے ہیں اور جسے پی لیا جائے کہ جو شخص غصے پر صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور ایمان سے معمور کر دیتا ہے''۔

حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''غصہ کے وقت تحمل و بردباری اور طمع کے وقت صبر و قناعت سے کام لینا افضل ترین عمل ہے''۔

ایک شخص نے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے سر جھکالیا اور کہا:

''تو نے تو یہی کوشش کی تھی کہ طیش میں آ جاؤں اور شیطان سے مغلوب ہو کر اپنے آپ میں نہ رہوں اور تجھے اپنے غصے کا شکار بناؤں تا کہ کل قیامت کو تو میرا دامن پکڑ سکے۔ لیکن مجھے ایسا کرنے کی کیا پڑی ہے''۔

اور یہ کہہ کر چپ ہو رہے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی نے گالی دی۔ انہوں نے کہا:

''اے شخص! میں تو اس گھاٹی کے طے کرنے میں مشغول ہوں جو میرے اور بہشت کے درمیان حائل ہے۔ اگر میں کامیاب رہا تو تیری بات کا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے اور اگر ناکام رہا تو جو کچھ تم نے کہا ہے وہ بھی بہت کم ہے۔ پھر تو میں اس سے بھی بدتر ہوں''۔

یہ بزرگ غم آخرت میں اس درجہ مستغرق رہتے تھے کہ گالی پر انہیں غصہ نہ آیا۔

کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دی۔ فرمایا:

''(تو نے تو کچھ بھی نہیں کہا کیونکہ) جو کچھ ہمارے بارے میں تجھ سے پوشیدہ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے (جو تم نے کہا) پس اپنی اسی مشغولیت کے باعث انہیں غصہ نہ آیا''۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک بڑھیا نے ریاکار کہا۔ آپ نے فرمایا:

''مجھے کسی نے نہ پہچانا مگر تو نے (خوب پہچانا)''

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی نے کوئی بری بات کہی۔ فرمایا:

''اگر تو سچ کہتا ہے تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے معاف کرے''۔

غصہ کی پانچ وجوہات ہیں۔

۱-تکبر

متکبر آدمی ذرا سی بات پر جو اس کے (نزدیک) خلاف تعظیم ہو، غضبناک ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج عجز و انکساری ہے۔

۲-عجب

اپنی شان بگھارنا اور خود کو بہت کچھ سمجھنا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو پہچاننے کی کوشش کرے۔

۳-مزاح

ہنسی مذاق، ٹھٹھہ مخول کرنا، عموماً غصہ و غضب پر ہی ختم ہوا کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی خود کو کار آخرت میں اس درجہ مشغول رکھے کہ مزاح سے دور رہ سکے۔

۴-ملامت کرنا

کسی کے عیب نکالنا۔ یہ بھی غصہ کو حرکت میں لانے کا سبب ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ جب تک وہ خود بے عیب نہ ہو، اس وقت تک وہ دوسروں کے عیب نکالنے کا کوئی حق نہیں رکھتا ہے۔

۵-حرص و لالچ

اس بات کی کہ جاہ و جلال میں زیادتی ہو سکے۔ ان سے حاجتیں بڑھتی رہتی ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس حقیقت کو پہچانے کہ غصے کی آفت اور فساد اس طرح نقصان دہ ہے کہ اس کے لئے نہ صرف دنیا بلکہ اگلے جہان میں بھی انتہائی طور پر ضرر رساں ثابت ہو گی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غصہ کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ یہ انسان کے لئے اسلحہ کا کام دے اور جو بات اس کے لئے مضر ہو اس (کے فرو) سے اس کو محفوظ رکھے۔ لیکن جب غصہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو اس میں نقصان ہی نقصان ہے کیونکہ غصہ کی مثال اس آگ کی مانند ہے جو دل پر برپا ہوتی ہے اس کا دھواں اٹھ کر دماغ میں پھیل جاتا ہے اور گوشہ عقل و اندیشہ کو تاریک کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ دور اندیشی اور فکر صحتمند سے دور ہو جاتی ہے۔ دماغ اس غار کی طرح ہو جاتا ہے جو دھوئیں سے بھرا ہوا اور کوئی چیز سجھائی نہ دے اور یہ انتہائی مذموم بات ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ غصہ عقل کا بھوت ہے اور اگر غصہ بالکل کمزور اور ضعیف ہو تو یہ بھی مذموم ہے کہ ناموس حرم اور ناموس دین کی حمیت بھی باقی نہ رہے۔ لہٰذا غصہ میں جہاں افراط مذموم ہے وہاں تفریط (ضعف و کمزوری) بھی درست نہیں ہے بلکہ اعتدال لازم ہے۔

(کیمیائے سعادت، ص ۶۴۵-۶۵۱)

جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو یہ ایک لمبی ڈور کی مانند ہے جس کا کوئی سرا نہ ہو۔ یہ محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ علم قرآن و حدیث وفقہ کے حصول، مسلمانوں کی فلاح و بہبود و اصلاح کرنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے نیکیوں میں سبقت کرنے کی حرص محمود ہے لیکن ایسے لوگ فی زمانہ آٹے میں نمک کی مانند ہیں جبکہ لوگوں کی اکثریت حرص مذموم کی شکار ہے اور اس کا سارا وقت دنیا اور اس کے تعیشات کی دستیابی، مال و زر کے ڈھیر لگانے، جاہ و منصب واقتدار کے لئے سرگرم عمل رہنے اور اپنی منفعت و فائدے کے لئے دوسروں پر ظلم وستم ڈھانے میں بسر ہوتا ہے۔

جب ایک بار انسان حرص و ہوس کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اس کے جنجال سے نکل ہی نہیں سکتا کیونکہ حرص بڑی کثیر العیال ہے۔ اس کے پیٹ سے تازہ بہ تازہ اور نوع بہ نوع حرصیں جنم لیتی ہیں اور انسان کا ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب حرص اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر انسان کی نگاہ میں کسی قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہ کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ وہ آنکھیں بند کر کے گناہوں کے راستے پر بگٹٹ بھاگتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب انسان کی ہڈیاں خستہ ہو جاتی ہیں۔ جوانی کا جوش وجذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ جسم کا ماس بوسیدہ ہو کر ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ چند قدم چلنے کے لئے اسے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور مختلف امراض اس کے وجود کو اندر اور باہر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں تو حرص ایسی نامراد شے ہے کہ پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔ (حضرت انسان، ص ۱۶۳)

حضرت امام ترمذی بروایت حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان کو اتنا ضرر نہیں پہنچاتے جتنا مال اور جاہ و منصب کی حرص مسلمانوں کے دین کو ضرر پہنچاتی ہے۔

(شرح صحیح مسلم، ج ۷، ص ۱۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان ہوتا ہے۔ ایک لمبی زندگی اور دوسری مال کی محبت''۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۲، حدیث ۲۳۰۷)

اگر گرد و پیش میں نگاہ دوڑا کر دیکھیں تو ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا ہے جو غصہ اور حرص سے آخرت سنوارنے کا کام لیتا ہو۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے بروئے کار لاتے ہیں۔ ایسے خال خال لوگ ہیں جو ان سے شریعت کے نفاذ، اسلام کے بول بالا اور محبت ومعرفت الٰہیہ اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کے لئے کام لیتے ہوں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

- ☆ کیا ہم غصہ اور حرص کا اظہار دنیا کے لئے کرتے ہیں یا آخرت کے سنوارنے کے لئے۔
- ☆ کیا بحالت غصہ ہم خود پر قابو رکھتے ہیں یا نہیں۔
- ☆ کیا ہم نیکیوں میں سبقت کے لئے حرص سے کام لیتے ہیں یا نہیں۔
- ☆ کیا ہمیں غیر شرعی حرکتوں پر غصہ آتا ہے یا نہیں۔
- ☆ کیا ہم اہل خانہ اور زیردستوں پر جا بے جا غصہ کرتے ہیں یا نہیں۔
- ☆ کیا ہم نے غصہ کو ہر وقت ناک پر رکھا ہوتا ہے یا نہیں۔
- ☆ کیا ہم دنیاوی اشیاء کی حرص میں مبتلا ہیں یا نہیں۔

اگر غصہ اور حرص کا منفی پہلو آپ کے اندر موجود ہے تو اس کو مثبت پہلو میں بدلنے کے لئے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں ورنہ یہ دونوں آپ کو دنیا و آخرت میں لے ڈوبیں گی۔

اپنے کام سے کام رکھو

بنی اسرائیل میں ایک شخص نے برسوں عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ جا کر اس عابد سے کہو:

''تم ہمارے کسی کام کے نہیں ہو۔ بیکار اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے ہوئے ہو۔ تمھیں دوزخی ہونے کی خبر دی جاتی ہے''۔

اس شخص نے بڑے تحمل سے سنا اور بڑی متانت سے جواب دیا:

''میں تو بندہ ہوں۔ مجھے بندگی سے کام ہے۔ خدائی میرا کام نہیں ہے۔ اس کو وہ خوب جانتا ہے''۔

فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں جا کر عابد کا جواب دہرایا۔

رحیم وکریم اللہ نے فرمایا:

''میرے درد والم اور شدید آزمائش کے باوجود میری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو پھر میں اپنی شان کریمی سے کیسے پھر جاؤں۔ میں بھی اس پر نگاہ کرم کروں گا''۔

(مکتوبات دو صدی' ص ۱۷۴)

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ (الذریت' ۵۶) لفظ عبادت چند ایک مخصوص فرائض کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام فرامین کی بجا آوری کا نام عبادت ہے اور اس کا جزو اعظم اور شرط اول خلوص نیت اور طلب خوشنودی و رضائے الٰہیہ ہے۔

زندگی یں انگنت موڑ آتے اور حالات کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ رنج اور پریشانیاں بھی گھیرتی ہیں۔ قبض وبسط کا بھی مقام آتا ہے۔ شیطانی سوچوں اور فکروں کی بھی یلغار ہوتی ہے۔ دوست نما دشمن راہ راست سے انحراف پر بھی اکساتے ہیں لیکن بندے کا یہ کام ہے کہ ہر حال میں بارگاہ خداوندی میں اپنا سر نیاز جھکائے رکھے۔ دل کو ماسوائے' دنیا کی محبت سے

نفسانی خواہشات سے پاک اور رب ودود اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے آباد و روشن رکھے اور یکسوئی وخشوع وخضوع کے ساتھ اس کی عبادت میں معروف رہے کیونکہ ساری بھلائی کا مرکز اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اسی لئے حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے لے کر محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد تک جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے سب کے سب اپنے امتیوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین وہدایت فرمایا کرتے تھے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ جب کوئی شخص غلام خریدتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ خدمتگوار' تابعدار اور فرمانبردار ہو۔ اگر وہ ایسا نہ ہو تو مالک اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ سزا دیتا ہے یا فروخت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے غلام ہیں لہٰذا انہیں اس کی عبادت کرنی چاہئے اور صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔

بنی اسرائیل کے عابد کو معلوم ہونے کے باوجود کہ اس کی عبادت و ریاضت بارگاہ خداوندی میں نامقبول ہے۔ وہ اس سے رخ نہیں موڑتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے۔

''میرا کام بندگی کرنا ہے خدائی کرنا نہیں ہے''۔

لہٰذا اس کے اس خلوص اور ثابت قدمی کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کریمی و رحمت اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

اے داؤد (علیہ السلام)! میرے اہل زمین کو بتا دو کہ جو مجھ سے محبت کرے میں اس کا حبیب ہوں۔ جو میری ہم نشینی کرے' میں اس کا ہم نشین ہوں۔ جو میرے ذکر سے مانوس ہو میں اس کا انیس ہوں۔ جو میری مصاحبت کرے میں اس کے ساتھ ہوں۔ جو مجھے چن لے میں اسے چننے والا ہوں۔ جو میری اطاعت کرے میں اس کی دعا قبول کرنے والا ہوں۔ جو بندہ بھی قلبی یقین رکھتے ہوئے مجھ سے محبت کرتا ہے اسے اپنے لئے قبول کر لیتا ہوں۔ (اپنا بنا لیتا ہوں) (مکاشفۃ القلوب' ص ۳۴۸)

بعض سلف سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صدیق کی طرف الہام کیا کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں۔ وہ میری یاد کرتے ہیں' میں ان کو یاد کرتا ہوں۔ وہ میری

طرف دیکھتے ہیں میں ان پر نظر فرماتا ہوں۔ اگر تو ان کی راہ پر چلا تو تجھ سے محبت کروں گا۔ اور اگر ان سے اعراض کیا تو تجھ پر ناراض ہو جاؤں گا۔

عرض کیا:

''اے رب تعالیٰ! ان کی علامت کیا ہے''۔

فرمایا:

''وہ دن کو سایہ کا اس طرح دھیان رکھتے ہیں جیسا کہ ایک مہربان چرواہا اپنی بکریوں کا دھیان رکھتا ہے اور غروب آفتاب کی طرف اس طرح مائل ہیں جیسا کہ غروب کے وقت پرندہ اپنے گھونسلے کی طرف لپکتا ہے۔ جب رات آتی ہے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ چارپائیاں بچھا دی جاتی ہیں۔ بستر لگ جاتے ہیں۔ اور دوست دوست کے ساتھ خلوت پذیر ہوتے ہیں تو میری خاطر قدم گاڑ لیتے ہیں (یعنی نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں) اپنے چہرے میرے سامنے بچھا دیتے ہیں۔ میرے ساتھ مناجات کرتے ہیں اور میرے انعام کے لئے میرے سامنے گڑ گڑاتے ہیں۔ کچھ چیخنے اور رونے والے ہیں۔ کچھ آہیں بھرنے والے اور فریاد کرنے والے ہیں۔ کچھ کھڑے اور بیٹھے ہیں۔ کچھ رکوع و سجود میں ہیں۔ میری محبت کی وجہ سے فریاد کرتے ہیں۔ میں سنتا ہوں۔ سب سے پہلے میں ان کو تین چیزیں عطا کرتا ہوں۔

الف: ان کے دلوں میں اپنا نور ڈال دیتا ہوں۔

ب: اگر ان کے میزان میں آسمان و زمین اور ان کی ہر چیز ہو تو بھی میں ان کی خاطر کم سمجھتا ہوں (یعنی زیادہ عطا کرنا چاہتا ہوں) اور

ج: میں ان کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں اور تم سمجھتے ہو کہ جس کی طرف میں نے رخ فرمایا وہ ان باتوں کو جانتا ہے جو میں (دوسروں سے) چھپانا چاہتا ہوں۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۳۳۹)

بندہ بندگی سے عبارت ہے۔ اس کے بغیر شرمندگی ہے اور شرمندگی بھی ایسی کہ منہ چھپانے کو دنیا و آخرت میں کہیں بھی جگہ نہیں ملتی ہے نہ ملے گی۔ اس لئے بندے کو جس مقصد کے لئے تخلیق کیا گیا ہے اسے ہمہ وقت اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ اسی میں اس کی فلاح دارین کا راز مضمر ہے اور اس حقیقت کا ادراک جانوروں کو بھی ہے۔

کہتے ہیں ایک بچھیرا اور اس کی ماں پانی پی رہے تھے۔ وہاں کچھ لوگ سیٹیاں بجا رہے

تھے۔ بچھیرا سیٹیوں کی آواز سے بدک جاتا تھا۔ ماں نے پوچھا:

''تم کیوں تسلی سے پانی نہیں پی رہے ہو''۔

بچھیرے نے کہا:

''مجھے ان سیٹیوں سے ڈر لگتا ہے اور میں اپنا دھیان پانی کی طرف نہیں کر سکتا۔

ماں نے کہا:

''بیٹا! جب سے یہ دنیا بنی ہے، فضول کام کرنے والے یہاں رہے ہیں۔ تم اپنا کام کرتے جاؤ۔ ان سے نہ گھبرا۔ پانی تیزی سے بہتا جا رہا ہے۔ تم صرف پانی کی طرف دیکھو''۔ (انوار العلوم، ج ۳، ص ۸۳)

لاریب کھیل تماشے کا دوسرا نام دنیا ہے اور اس میں بے مقصد، فضول اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرنے والوں کی بہتات ہے۔ فی زمانہ تو ان کا نیٹ ورک ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں کو اپنی ڈگر پر لے آئیں اور ان کا رخ نیکیوں کی طرف سے ہٹا کر فضولیات و لغویات و خرافات کی طرف موڑ دیں۔ زندگی چند روزہ ہے اور وقت کا دریا بڑی تیزی سے بہہ رہا ہے۔ اس کا ہر لمحہ بڑا گرانمایہ ہے۔ یہ لمحہ کیسے گزرا اور کس طرح گزرنا چاہئے تھا اگر اس کا ادراک ہو جائے تو زندگی کے چلن میں نمایاں تبدیلی رونما ہو سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔

کہتے ہیں، ایک بزرگ سے لوگوں نے کہا:

''اس شہر کا بادشاہ بڑا اچھا ہے۔ رات بھر عبادت کرتا ہے۔ نمازیں اور نوافل ادا کرتا ہے''۔

انہوں نے جواب دیا:

''بے چارہ اپنی راہ بھول گیا ہے اور دوسروں کے کام کو اپنے سر لے لیا ہے''۔

لوگوں نے کہا:

''یا شیخ! یہ کس طرح؟''

فرمایا:

''اس کے لئے سلوک کی راہ یہ ہے کہ اپنی دولت اور نعمت سے بھوکوں کا پیٹ بھرے، ننگوں کو کپڑا پہنائے، برباد دلوں کو آباد کرے، ضرورتمندوں کی حاجت

پوری کرے، رعیت کے حقوق ادا کرے۔ نماز، نفل اور شب بیداری تو فقراء کا
کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے منصب کے مطابق کام کرنا چاہئے"۔

(مکتوبات دو صدی، ص ۳۳۵)

وہ لوگ جو اپنے کام سے کام نہیں رکھتے اور اپنے منصب کے لحاظ سے اس کے ساتھ
انصاف نہیں کرتے ہیں، کسے باشد کہ وہ گدا ہے یا شاہ۔ امیر ہے یا غریب۔ آجر ہے یا اجیر۔
استاد ہے یا شاگرد۔ خطیب ہے یا سامعین۔ امام ہے یا مقتدی۔ مالک ہے یا مزدور۔ دکاندار
ہے یا گاہک۔ پیر ہے یا مرید۔ وہ اپنے اور دوسروں کے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے۔
معاشرے میں فساد برپا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی چاہئے۔

"جس کا کام اسی کو ساجھے"

سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ جو ذمہ داری ہے اسے بطریق احسن ایمانداری سے
نبھائے اور خواہ مخواہ دوسروں کی ذمہ داری اپنے سر پر نہ لے۔ اس سے ہر سطح پر خلل واقع ہو جاتا
ہے۔ بدظنی و نفرت کی فصلیں اگنے لگتی ہیں۔ دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ وہ شخص
جو لوگوں کا امیر ہے اس سے لوگوں کے متعلق سوال ہوگا اور جو مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے
اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی محافظ ہے۔
اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ نوکر اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے اس کی بابت
پوچھ گچھ ہوگی۔ سن لو تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور اس کی رعیت کے متعلق اس سے
پرسش ہوگی۔ (صحیح بخاری، ج ۱، حدیث ۲۳۷۴)

حاکم وقت کے سر پر ہر وقت رعیت کے حقوق کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ اگر وہ ان کے حقوق
کی ادائیگی کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتتا ہے تو اس کا زہد و تقویٰ اسے عذاب خداوندی سے
نہیں بچا سکے گا۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قوم کا سردار خادم ہوتا ہے اور خادم خدمت سے بنتا ہے لیکن نفس خدمت کو قبول

کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہتا ہے۔ یہ خدمت کو صرف اس وقت قبول کرتا ہے
جب کسی سے محبت ہو۔ اکثر قائدین دنیا عوام کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ
جھوٹے ہیں۔ لوگوں کو اس قائد کے پیچھے لگنا چاہئے جو منزل پر پہنچانے کا نہ
صرف دعویٰ کرے بلکہ ہدایت یافتہ بھی ہو"۔ (افض الخواص، ص ۱۹۱)

دور حاضر کے حاکم و حکمران اور قائدین کسی طرح بھی قائد کہلانے کے مستحق نہیں ہیں
جن کے لالچ و طمع کے پیٹ بھرنے کا نام ہی نہیں لیتے ہیں۔ ان کی حکمرانی جن ستونوں پر کھڑی
ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

☆ قول و فعل میں تضاد
☆ رعیت کے حقوق کی عدم ادائیگی
☆ مفاد پرستی
☆ ملکی دولت پر ذاتی اجارہ داری
☆ اقربا پروری و دوست نوازی
☆ نا اہل مشیروں، وزیروں کی فوج ظفر موج
☆ غیروں سے دوستی اور اپنوں سے دشمنی
☆ حب الوطنی سے عاری
☆ انصاف و عدل کی عدم دستیابی
☆ لوٹ کھسوٹ
☆ قانون سے بالاتری
☆ منافقت
☆ نااہلیت

اور جب ایسے نااہل حکمرانوں کو زوال کے جبڑے انہیں جکڑتے ہیں تو معصوم بن جاتے
ہیں اور اپنے ظلم و استبداد کو جو انہوں نے عوام پر روا رکھا ہوتا ہے بھول جاتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جو حاکم اپنے منصب کی قدر نہ پہچانے اور اپنے ہی ظلم و خواہشات کا غلام بنا رہے وہ
شدید ترین عذاب کا مستحق ہوگا۔ ہر حکمران کو دس قاعدوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

پہلا قاعدہ: جب کوئی مقدمہ اس کے روبرو لایا جائے تو فرض کرلے کہ وہ رعایا میں سے ہے اور بادشاہ کوئی اور شخص ہے اور دیکھے کہ رعیت کی حیثیت سے کون سی چیز اسے پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ تب جو اپنے لئے پسند نہیں' اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو وہ دغا' فریب اور خیانت کرتا ہے۔

دوسرا قاعدہ: حاجتمندوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ اس فکر میں رہے کہ مبادا کسی حاجتمند کی حاجت روائی سے قاصر رہے۔

تیسرا قاعدہ: اپنے آپ کو شہوت وخواہشات میں مشغول نہ رکھے۔

چوتھا قاعدہ: ہر کام کی انجام دہی میں جہاں تک ہو سکے نرمی اختیار کرے' نہ کہ درشتی' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

جو حکمران رعایا کے ساتھ نرمی کریگا اس کے ساتھ قیامت کے دن نرمی کی جائے گی۔

پانچواں قاعدہ: تمام رعایا اس سے خوش رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اے لوگو!) بہترین حاکم وہ ہے جو تمہیں عزیز رکھے اور تم اسے عزیز رکھو اور بدترین وہ ہے جو تمہارا دشمن ہو اور تمہیں اس سے دشمنی ہو۔ اور تمہاری طرف سے ہمیشہ اس پر لعنت ہوتی رہے اور اس کی طرف سے تم پر اور حاکم کو خوشامد بھی پسند نہیں ہونی چاہئے۔

چھٹا قاعدہ: ایسے کسی شخص کی رضامندی کا جویا نہ ہو جو شریعت کی مخالفت سے ہی رضامند ہو سکتا ہو۔

ساتواں قاعدہ: فرمانروائی بڑا کٹھن اور صبر آزما کام ہے اور خلق خدا کے کام آنا یعنی ان کی خدمت وحاجت روائی بہت بڑی چیز ہے۔ جس حاکم کو یہ توفیق حاصل ہو کہ اس ذمہ داری کا حق ادا کر سکے اس کو سعادت کے اس مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے کہ اس کے آگے اور کوئی سعادت ہو ہی نہیں سکتی ہے اور اگر اس حق کی ادائیگی میں اس سے تقصیر ہو جائے تو اسے ایسی شقاوت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ کفر کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی شقاوت نہیں ہے۔

آٹھواں قاعدہ: حکمران کو ہمیشہ علماء دیندار کے دیدار کا پیاسا ہونا چاہئے اور ان کا پند و نصائح سننے کا حریص ہونا چاہئے لالچی وحریص علماء کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اسے فریب دیں گے۔ عالم دیندار وہ ہے جسے لالچ وطمع کی بو تک بھی نہ لگی ہو اور وہ ہمیشہ انصاف و

عدل کا مشورہ دے۔

نواں قاعدہ: حکمران کو صرف اس بات پر قناعت نہ کر لینا چاہئے کہ وہ ظلم سے کنارہ کش ہو گیا ہے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے مقرر کردہ عمالوں' افسروں اور نوکر چاکروں کو بھی مہذب و شائستہ بنائے اور ظلم کرنے کی اجازت نہ دے کیونکہ ان کے کئے ہوئے مظالم کی پرسش بھی اسی سے کی جائے گی۔

دسواں قاعدہ: تکبر کا غلبہ ہرگز نہ ہو کیونکہ تکبر ہی انسان کو غصے سے مغلوب کر دیتا ہے اور انتقام کی طرف بلاتا ہے۔ غصہ عقل کا دشمن ہے۔

اے ہر سطح پر براجمان حکمرانو! ہوش کے ناخن لو اور اپنے کام سے کام رکھو۔

(نسخۂ کیمیا' ص۵۲۴)

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ کیا ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم خلوص نیت اور رضائے الٰہی کے لئے عبادت کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے اور نماز تہجد پڑھتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم دنیا کے کھیل تماشوں میں مگن رہتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہمارا زیادہ تر وقت فضولیات ولغویات میں گزرتا ہے یا نہیں۔
☆ کیا ہم اپنے فرائض منصبی ایمانداری سے ادا کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم حکمرانوں کے در کی خاک چھانتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم لوگوں کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے ہیں یا نہیں۔
☆ کیا ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں یا دوسروں کی سردردی از خود مول لے لیتے ہیں۔

محاسبہ نفس سے اندھیرا اور اجالا نمایاں ہونے پر خیر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔

اُڑان

بنی اسرائیل میں دو شخص بڑے نیک اور عبادت گزار تھے۔ان میں سے ایک پانی پر چلا کرتا تھا اور دوسرا ہوا میں اڑتا تھا۔ایک دن دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ہوا میں اڑنے والے شخص نے پانی پر چلنے والے شخص سے دریافت کیا:

''تم کس عمل سے اس مرتبہ تک پہنچے ہو''۔

اس نے کہا:

''میں نے یہ مرتبہ اپنے نفس کی شہوات سے اور اپنی زبان کو فضول باتوں سے روکنے سے پایا ہے''۔

اور پھر ہوا میں اڑنے والے سے پوچھا:

''تمہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا ہے''۔

اس نے جواب دیا:

''عجز وانکساری سے''۔(سنہری دور، ص ۸۵)

صاحبو! دنیائے روحانیت میں جو بلند مقامات و درجات ہیں ان کو دنیاوی مراتب میں سے کسی کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں دی جا سکتی ہے۔

دنیا مزرع آخرت ہے لہٰذا روحانی بلندیوں پر پرواز کرنے میں یہ حائل نہیں ہوتی بشرطیکہ اس کو دین کے ہاتھ سے لیا جائے اور زندگی کا ہر لحہ اللہ ذوالجلال والاکرام اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین وارشادات کے مطابق گزارا جائے۔

جب کوئی شخص اللہ جل جلالہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر صدق و صفا، خلوص نیت اور محبت وعشق سے قدم بڑھاتا ہے تو پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا تو معمولی بات ہے بلکہ ان سے کہیں اعلیٰ وارفع مقامات پر پرواز کرنے لگتا ہے لیکن اہل محبت وعشق جو معرفت

الٰہیہ کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں وہ راستے میں آنے والے مقام کرامت پر نظر کرتے ہیں، نہ رکتے ہیں۔

معرفت الٰہیہ اور تقرب الی اللہ کے لئے نفس کو شہوات سے روکنا، زبان کی حفاظت کرنا اور عجز وانکساری ایسی صفات ہیں جو بارگاہ خداوندی میں بے حد پسندیدہ ہیں۔ان کے ذریعے حضرت انسان کو روحانیت کی بلندیوں پر اڑان میں مدد ملتی ہے لیکن اس کے برعکس شہوات کی اتباع سے انسان دنیا کا غلام بن کر رہ جاتا ہے اور دونوں جہانوں میں اپنی بربادی کا سامان کر لیتا ہے۔زبان کے فضول اور لغو استعمال سے انگنت گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔معاشرے میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور عجز وانکساری کو شجر ممنوعہ قرار دینے سے انسان مغرور و متکبر بن جاتا ہے۔فرعون ونمرود وابلیس اس صفت سے ناآشنا اور کوسوں دور تھے۔ان کا حشر سب کے سامنے ہے۔یہ انسان کی پستیوں میں اڑان ہے۔ہمارا حال کیا ہے؟

کیا ہماری اڑان رحمانی فضاؤں میں ہے یا ابلیسی فضاؤں میں ہے۔ہمارے گردوپیش میں بھنگڑا ڈالتے ہوئے واقعات بہ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت شہوات کے زہریلے کانٹوں سے نڈھال اور زبان کے نشتروں سے گھائل ہے اور عجز وانکساری پر بزدلی کی کالک مَل رکھی ہے۔

کہیں میں بھی تو اس اکثریت میں شامل نہیں ہوں؟ اس سے فرار اور گلو خلاصی کے لئے موجودہ لمحات زندگی بے حد قیمتی ہیں۔صرف مردانہ وار پہلا قدم اٹھانے کی دیر ہے۔جو بڑھ کے تھام لے مینا اسی کی ہے۔اے ابلیسی شکنجوں میں جکڑے ہوئے انسان! رحمانی پر کیف اور لازوال فضائیں تیری اڑان کی منتظر ہیں۔

تکون کے تین زاویے

ایک بادشاہ کسی درویش کی خدمت میں شاہی کھانا لے کر حاضر ہوا اور کھانے کی درخواست کی۔ درویش نے ایک آئینہ منگوایا اور شاہی مرغن کھانے میں سے ایک لقمہ لے کر اس پر مل دیا۔ تمام آئینہ دھندلا پڑ گیا۔ پھر اس پر درویش نے اپنی جو کی خشک روٹی ملی تو آئینہ شفاف ہو گیا اور پھر بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ کے کھانے آئینہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں لیکن ہماری خوراک نان جویں اس کو جلا دیتی ہے۔ مجھے اس سے معاف فرمائیں"۔

یہ سنا تو بادشاہ نے کہا:

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں"۔

درویش نے کہا:

"مجھے مکھیاں اور مچھر بہت تنگ کرتے ہیں۔ ان کو حکم دیں کہ مجھے ستایا نہ کریں"۔

بادشاہ نے بولا:

"میرے حکم سے تو یہ منع نہیں ہو سکتے"۔

درویش نے کہا:

"جب ایسی حقیر ترین چیزیں بھی آپ کی اطاعت میں نہیں ہیں تو پھر میں آپ سے اور کس چیز کے لئے امداد طلب کروں"۔

یہ سن کر بادشاہ لاجواب ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ (حقیقت دنیا' ص ۵۴)

صاحبو! پرانے وقتوں میں مسلمانوں کے خلفاء یا سلاطین حاضر وقت اولیاء اللہ کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی کسی مسئلہ کے سلسلہ میں انہیں بلوا بھی بھیجا کرتے تھے اور وہ ان کی وصیتوں پر دل و جان سے عمل بھی کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں

کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور ان کے واسطے سے رحمتیں نازل فرماتا اور بلائیں دور کرتا ہے۔

کتب میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں کہ خلیفہ وقت کسی ولی اللہ سے ملاقات کے لئے گیا لیکن بوجوہ اس سے ملنے سے انکار کر دیتا تھا۔ ایک قدر مشترک ایسی تھی اور ہے کہ خلفاء اور بادشاہوں کی طرف سے پیش کی جانیوالی اشرفیوں یا روپوں کی تھیلی کو کسی نوع قبول نہیں کرتے تھے اور ہیں۔ اگر کوئی بضد ہوتا تو اس کی تھیلی کو پکڑ کر جب دباتے تو اس میں سے خون ٹپکنے لگتا تھا تو کہتے:

"شرم نہیں آتی۔ ظلم اور ناجائز ذرائع سے جمع کیا ہوا مال حرام ہماری عاقبت خراب کرنے کے لئے لائے ہو"۔

وقت گزرتا رہا۔ دشمنان اسلام کی سازشوں اور مادہ پرستی کی ہوس نے حاکم وقت کو اولیاء اللہ کے قرب سے دور کر دیا اور وہ صرف ان کے مزارات کے غسل کی تقریب وغیرہ میں شامل ہونے پر اکتفا کرنے لگا۔ یہ بات اس کے دل کو لگتی تھی اور ہے کیونکہ وہ خود کو عقل کل سمجھتا تھا اور ہے اور کوئی اللہ کا ولی اس کو نصیحت کرے اور وہ اس پر عمل بھی کرے۔ یہ بات اس کے شیطان اور نفس کو سخت ناگوار گزرتی تھی اور ہے۔ اس نسخۂ کیمیا سے اس کی انا بھی برقرار رہتی تھی اور ہے۔ اور وہ اپنی سیاست میں اولیاء اللہ کی عقیدت کا جعلی رنگ بھر کر عوام الناس کو دھوکا بھی دیتا تھا اور ہے۔ اس خلا کو علماء سوء نے پر کر دیا تھا اور ہے۔ ان کی چاندی ہو گئی تھی اور ہے۔ وہ حاکم وقت کی گود میں جا بیٹھے تھے اور ہیں۔ حاکم وقت کو اپنی تمناؤں کی آبیاری اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کے لئے ان کی ضرورت تھی اور ہے۔ لہٰذا وہ ان کے آگے عہدوں اور مالی منفعت کا دانہ دنکا ڈال دیتا تھا اور ہے اور وہ اپنے دین و ایمان کے دام وصول کرنے لگتے تھے اور ہیں۔

متذکرہ واقعہ میں جن حقائق کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہیں:

☆ حکمران ظلم اور ناجائز ذریعوں سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔

☆ ظلم و حرام کی کمائی سے جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اس سے آئینہ دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔

☆ ولی اللہ کی روکھی سوکھی روٹی سے سیاہ دل کو صیقل کیا جا سکتا ہے۔

☆ اللہ کے دوست ہر نوع کے لالچ و طمع سے پاک ہوتے ہیں۔

☆ اللہ والے ظالموں اور حرام خوروں کے عطیات اور مال قبول نہیں کرتے ہیں۔

تخت حکمرانی کا نشہ کچھ ایسا ہے کہ وقت کے ہم آہنگ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

اس پر متمکن شخص اس نشہ اور اپنی عیاشیوں کو برقرار رکھنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربے بروئے کار لانے میں خود کو مادر پدر آزاد سمجھتا ہے۔ حفاظتی حصار کے طور پر اپنے ارد گرد خوشامدیوں، جی حضوریوں، ذہنی مفلوجوں اور فصلی بٹیروں کو جمع کر لیتا ہے اور انہیں اعلیٰ منصبوں اور بے شمار مراعات سے نوازتا ہے اور مخلوق اللہ پر ظلم واستبداد کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ان پر ناجائز ٹیکسوں اور جرمانوں کا بوجھ لاد دیتا ہے۔ ان کے حقوق کو سرعام پامال و ذبح کرتا ہے اور ملکی دولت کو اپنے لئے وقف کر لیتا ہے۔

آج کے دور کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو حکمران طبقہ، وزراء، امراء اور ارباب بست وکشاد لٹیرے اور عوام مظلوم ہے۔ اس تکلیف دہ صورتحال کو وجود بخشنے میں۔ علماء سوء اور خوشامدیوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ تکون کے یہ تین زاویے یعنی ظالم حکمران، علماء سوء اور ذہنی اپاہج خوشامدی جس ملک میں چھائے ہوئے ہوں وہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی، سماجی، قانونی، تعلیمی، ثقافتی بربادی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ پاکستان اس کی زندہ مثال ہے۔ ایسے حکمران اپنی خود غرضانہ اور منافقانہ اسلوب حکمرانی سے اپنے گرد دشمنوں کی کھیپ تیار کر لیتے ہیں۔ اور خوف کے آسیب میں مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ زندہ درگور ہو جاتے ہیں اور جب کبھی یہ اپنی محلاتی قبروں سے باہر آتے ہیں تو بندوقیں ان کے ارد گرد پہرہ دیتی ہیں اور دور دور تک راستے بند ہوتے ہیں اور جب کبھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں تو ان کا گلا دبانے کے لئے منصوبے بنانے لگتے ہیں اور اپنے پٹھوؤں کو آوازیں دیتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے کئی صدیاں قبل اپنے دور کے حکمرانوں کی جو تصویر کشی کی تھی اس کا کئی گنا زیادہ اطلاق آج کے حکمرانوں پر ہوتا ہے۔

نسخۂ کیمیا میں آپ لکھتے ہیں:

ظلم اور ناجائز ذریعوں سے جو مال و دولت حکمرانوں کے پاس ہوتا ہے وہ سب کا سب حرام ہے۔ لہٰذا علماء اور درویشوں کو ان کے پاس جانا نہیں چاہئے۔ اسی میں دین کی سلامتی ہے اور جن اصحاب جبہ و دستار کا ان کے پاس بغرض سلام یا خوشامد آنا جانا رہتا ہے تو یہ شریعت میں قابل مذمت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظالم امراء (اور سلاطین) کی خصوصیات بیان

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

☆ نجات وہی پائے گا جو ان سے الگ رہے گا اور جو کوئی اس دنیا میں ان کے ساتھ راہ و رسم رکھے گا اس کا اپنا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا۔

☆ میرے بعد ظالم بادشاہ ہوں گے (جن سے دور رہنا لازم ہوگا)

☆ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین علماء وہ ہیں جو امراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس جاتے ہیں۔ (ص۳۸۲تا۳۸۴)

موجودہ دور کے حکمرانوں پر لفظ "ظالم" خوب پھبتا ہے۔ یہ ظلم وزیادتی سے مال حرام اکٹھا کرتے ہیں۔ علمائے حق تو ان کے قریب بھی نہیں جاتے ہیں۔ وہ تو شبہات سے بھی بچتے ہیں لیکن خوشامدی، نااہل اور علماء سوء جن کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا مال حرام پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔ اپنے دل سیاہ سے سیاہ تر کرتے ہیں۔ عاقبت سیاہ کرتے ہیں اور اپنے دل اور ذہن کی سیاہی حکمرانوں کے ظلم کی سیاہی میں ملا کر معاشرے میں ہر نوع کی سیاہیاں بکھیر دیتے ہیں۔ ظلم اندھا ہوتا ہے۔ لہٰذا ظالم حکمران ان کی ایما اور شہہ پر لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔ انہیں عملاً اذیت دیتے ہیں۔ مخالفین کو بغیر کسی جرم کے جیلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جھوٹے مقدمے قائم کرتے ہیں۔ عوام الناس پر نان جویں کا حصول ناممکن بنا دیتے ہیں۔ تعلیم وصحت اور انصاف کے دروازے عام لوگوں پر بند کر دیتے ہیں۔ انہیں مہنگائی، مفلسی اور غربت کے جبڑوں میں کس دیتے ہیں۔ یہ حکمران قانون کو اپنے لئے موم کی ناک بنا دیتے ہیں۔

حکمرانوں کے پاس جانے سے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بزرگانِ دین کیا فرماتے ہیں وہ بھی سن لیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"بادشاہ کے دربار سے دور رہا کرو کیونکہ جو کچھ تمہیں وہاں سے ملتا ہے، اس سے کہیں زیادہ نقصان تمہیں اپنے دین میں برداشت کرنا پڑتا ہے اور فرمایا: دوزخ میں ایک وادی صرف ان علماء کے لئے مخصوص ہے جو بادشاہوں کی زیارت اور درباداری کے لئے جایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ اس وادی میں اور کوئی نہیں جائے گا"۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''علماء اور پارساؤں کا امراء کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ (دراصل) منافق ہیں اور دولتمندوں کو دوست رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ریاکار ہیں''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ایک دیندار شخص جب بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو بے دین ہو کر واپس آتا ہے''۔

لوگوں نے اس کی وضاحت چاہی تو فرمایا:

''وہاں جا کر وہ کسی ایسے امر کے لئے بادشاہ کی رضامندی کا طالب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناخوشی اور ناراضگی کا باعث ہوتی ہے''۔

حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

''گندگی اور غلاظت پر بیٹھنے والی مکھی اس عالم سے بہتر ہے جو بادشاہ کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہو''۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

''ایک عالم جوں جوں بادشاہ کے قریب ہوتا جاتا ہے توں توں خدا سے دور ہوتا چلا جاتا ہے''۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

''جواریوں کا وجود لوگوں کے لیے اتنا ضرر رساں نہیں ہوتا جتنا کہ بادشاہوں کے پاس جانے والے علماء کا ہوتا ہے''۔

دوستو! جو شخص حکمرانوں کے پاس جاتا ہے اس کے گنہگار ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور یہ معصیت اس کے عمل، کلام، خاموشی اور اعتقاد میں سے کسی پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مثلاً

الف: معصیت کردار و عمل

یہ ہے کہ خیال غالب یہی ہے کہ حکمرانوں کے گھر مغصوب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے اندر جانا ویسے ہی مناسب نہیں ہے اور باہر بھی مثلاً ان کے خیمے اور تمام ساز و سامان اور فرش وغیرہ حرام ہوتے ہیں۔ لہٰذا مناسب نہیں کہ ان کے اندر داخل ہوا جائے یا ان پر پاؤں تک بھی

رکھا جائے۔ ان کے سامنے سر جھکانا اور چکنی چپڑی باتیں بنانا اور خوشامد سے کام لینا ایک ظالم کے روبرو عاجزی اور بندگی کا اظہار کرنا ہے جو ناجائز ہے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے:

جو شخص کسی دولت مند کے سامنے اظہار عجز کرتا ہے صرف اس لئے کہ وہ صاحب دولت ہے (اور یہ خود مال و دولت سے محروم ہے) تو وہ دولت مند ظالم ہو یا نہ ہو لیکن یہ خوشامدی (اپنے لئے ظالم ضرور ہے کیونکہ اپنے اس مذموم فعل کی وجہ سے یہ) اپنے دین کا ایک حصہ خود اپنے ہاتھوں کھو بیٹھتا ہے۔

ب: معصیت کلام

یہ اس طرح کہ حکمران ظالم ہو اور جانے والا اس کے حق میں دعا مانگا کرے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے اور اس کا یوں کہنا ہرگز درست نہیں کیونکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جو شخص ظالم کے حق میں دعا کرتا ہے اور اس کی درازی عمر کا خواہاں ہوتا ہے وہ گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ایسا ظالم شخص ہمیشہ دنیا پر مسلط رہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو اور خلق خدا کا دشمن۔

ج: معصیت خاموشی

یہ ہے کہ حکمران یا کسی امیر کے مکان میں جاتا ہے جہاں سامان تعیش اور تصاویر دیکھتا ہے اور وہ ظالم شخص زبان سے جھوٹ اور فحش بک رہا ہو۔ ان تمام امور پر خاموش رہنا جائز نہیں۔ احتساب کے لئے زبان کھولنا فرض ہے۔ خلاف شریعت امور دیکھنے کے باوجود احتساب نہ کرنا اور خاموش رہنا۔

د: معصیت اعتقاد

یہ اس طرح کہ ظالم کی طرف میلان و رغبت کرتا ہے۔ اسے دوست و عزیز جانتا ہے۔ اس کی تواضع کو بطور اعتقاد کرتا ہے اور اس کی دولت پر نظر ڈالتا ہے۔ اس طرح دنیا کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

"دنیاداروں کے نزدیک نہ جاؤ کیونکہ (جب ان کی دولت ونعمت کو دیکھو گے تو) جو روزی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اس سے بیزار ہو جاؤ گے"۔ دل میں بڑبڑاؤ گے کہ ہمیں کیا دے رکھا ہے اور یہ دل کی معصیت ہے۔

(کیمیائے سعادت' ص ۳۸۴ تا ۳۸۶)

ہمارا حال کیا ہے' آیئے ذرا غور کریں اگر

☆ ظالم حکمران طبقہ۔ حکومتی خوشامدیوں اور علماء سوء کے ساتھ میرے تعلقات دوستانہ ہیں۔

☆ میرے ذرائع آمدن حرام ہیں۔

☆ میں اپنے اہل خانہ اور زیردستوں پر ظلم کرتا ہوں۔

☆ میں علماء حق اور اولیاء اللہ سے رابطہ نہیں رکھتا ہوں۔

☆ میں اپنی جماعت کے ظالم رہنماؤں کی تعریف کرتا اور ان کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتا ہوں۔

☆ میں غیر شرعی امور دیکھ کر خاموش رہتا ہوں۔

☆ میرا حرام خور افسران اور احباب کے گھر اکثر آنا جانا رہتا ہے تو پھر میں بھی ظالم ہوں۔ ظالموں کا ساتھی ہوں اور انہیں کے ساتھ میرا انجام بھی ہوگا۔

مروّت واخلاق

کرمان کا بادشاہ نہایت سخی و جوانمرد تھا۔ ایک مرتبہ عضدالدولہ نے اس کے ملک پر لشکر کشی کی۔ شاہ کرمان قلعہ بند ہوگیا۔ جب رات ہوتی تو کرمان کا بادشاہ اس قدر کھانا بھیجتا جو عضدالدولہ کے تمام لشکر کے لیے کافی ہوتا تھا۔ عضدالدولہ نے کہلا بھیجا۔

"دن کو جنگ کرتے اور رات کو کھانا بھجواتے ہو آخر کیوں؟"

شاہ کرمان نے جواب بھیجا۔

"جنگ کرنا اظہار مردی ہے اور کھانا بھیجنا وظیفہ مردمی ہے۔ آپ کا لشکر اگرچہ دشمن ہے لیکن یہاں مسافر ہے۔ یہ مروت کے خلاف ہے۔ آپ یہاں اپنا کھانا کھائیں"۔

اس پر عضدالدولہ رو پڑا اور کہا:

"جو شخص ایسا صاحب مروت ہو اس سے جنگ کرنا بے مروتی ہے لہٰذا لوٹ گیا اور پھر اس سے کبھی تعرض نہ کیا"۔ (حقیقت دنیا' ص ۵۶)

صاحبو! اخلاق سے پیش آنے کو مروت کہتے ہیں اور واقعہ اس کی بڑے زور شور سے تبلیغ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

"اے لوگو! دیکھ لو کہ شاہ کرمان کے اخلاق و مروت سے متاثر ہو کر حملہ آور عضدالدولہ رو پڑتا ہے اور واپس لوٹ جاتا ہے اور کبھی ادھر کا رخ نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا تم بھی اس کو حرز جاں بنالو"۔

واقعہ کے وعظ سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کو بھی حسن اخلاق سے ٹالا جا سکتا ہے اور وہ کام جو سختی سے نہ نکلتا ہو اسے اخلاق سے نکالا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کا مشاہدہ انسان کو اکثر اپنے گھر کے اندر بھی ہوتا رہتا ہے۔ جب کبھی اس کا بیٹا کسی بات پر اڑ جاتا ہے یا بیوی روٹھ جاتی ہے تو اس وقت سختی کام نہیں دیتی صرف اخلاق و

مروت و پیار سے ہی بچہ ضد چھوڑ دیتا ہے اور بیوی راضی ہو جاتی ہے۔ لاریب اخلاق و مروّت وہ سریع الاثر جادو ہے جو سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ یہ ایسا ہتھیار ہے جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا ہے۔

اسلام کے پھیلاؤ اور اس کی ترویج و ترقی کی زندہ جاوید مثال سب کے سامنے ہے کہ یہ صرف اور صرف قوت اخلاق سے پھیلا اور حال پر مغربی دنیا میں پھیل رہا ہے اور اس میں جبر و شمشیر کا دور تک کوئی نشان نہیں ملتا ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ رزم گاہ ہو یا بزم آرائی، عائلی زندگی ہو یا انفرادی و اجتماعی سرگرمیاں، باہمی میل ملاقات ہو یا خاندانی معاملات، تبلیغ دین اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا ہو یا دیگر معروفیات ہوں۔ امر بالمعروف کیا جا رہا ہوں یا نہی عن المنکر ہر مقام پر اخلاق کی حکمرانی نظر آتی ہے۔

ہمارے آقا و مولا، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکارم اخلاق کے لئے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ و مطہرہ کا ایک ایک لمحہ آپ کے مکارم اخلاق اور خلق عظیم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن حکیم ہے۔ قرآن کی رضامندی کی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی رہتے ہیں اور قرآن کی ناراضگی کی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوتے ہیں''۔

(حیاۃ الصحابہ، حصہ ہفتم، ص ۶۳۹)

قرآن پاک کی سورہ القلم کی آیت ۴ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک آپ بڑی عظمتوں والے اخلاق کے حامل ہیں۔

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کے آگے باقی سب اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست بستہ غلام ہیں۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشاق و جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم میں بیٹھ کر زانوئے ادب طے کر کے تربیت حاصل کی تھی ان کے اخلاق حسنہ بھی ادبیات اسلامی میں موتیوں کی طرح چمک دمک رہے ہیں۔

حضرت حبہ بن جوین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض قول کا تذکرہ کیا۔ اس پر لوگوں نے ان کی تعریف کی اور انہوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! ہم نے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا جو اخلاق میں بھی بہت بھلا، تعلیم دینے میں انتہائی نرم، نشست و برخاست میں سب میں بہتر، پرہیزگاری میں انتہائی مجاہد جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے''۔

تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ بات تم لوگوں نے اپنے دل کی گہرائی سے اور سچ کہی ہے''۔

لوگوں نے عرض کیا:

''جی ہاں''

سنا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اے میرے اللہ! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں۔ اے میرے اللہ! میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو ان لوگوں نے کہا''۔ (حیاۃ الصحابہ، حصہ ہفتم، ص ۶۴۱/ ابن سعد ج ۳، ص ۱۱۰)

اخلاق کے بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا:

''افضل الایمان کون ہے''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو''۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مرد مسلم کو سب سے افضل خصلت کون سی دی جاتی ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حسن خلق''۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۱۴۰/ صحیح ابن حبان' ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومنین میں زیادہ کامل الایمان وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہے اور تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہیں''۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۱۳۷/ مسند احمد' ج ۶' ص ۲۷۸)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:

بیشک مومن حسن خلق کے سبب قائم اللیل (رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا) اور صائم النہار (دن کو روزہ رکھنے والا) کا درجہ پالیتا ہے۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۱۳۸/ الحاکم' ج ۱' ص ۶۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

تم اپنے مال کے ذریعے لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے۔ لہٰذا خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ذریعہ سے انہیں خوش رکھا کرو۔ (رسالہ قشیریہ' ص ۴۵۸)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے (ہماری حالت یہ تھی کہ) گویا ہمارے سروں پر پرندہ ہے۔ ہم میں کوئی بات کرنے والا بات نہ کر رہا تھا کہ چند آدمی آئے تو انہوں نے عرض کی:

''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کو سب سے محبوب کون ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان میں حسن اخلاق والے''۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۱۴۴/ مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۴)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کے میزان میں قیامت کے دن کوئی چیز حسن خلق سے زیادہ وزنی نہ ہوگی اور بیشک اللہ تعالیٰ بدزبان اور بے ہودہ گو کو ناپسند کرتا ہے۔

(تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۱۴۴/ الترغیب' الترہیب)

بزرگانِ دین نے بھی اخلاق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

اگر کوئی شخص کلیۃً نیکی کرتا ہے اور اپنی مرغی سے وہ برا برتاؤ کرتا ہے تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''سب سے زیادہ غمزدہ کون شخص ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''جو لوگوں میں سب سے زیادہ بداخلاق ہے''۔

دوستو! اس میں شک نہیں کہ انسان اپنے افعال کی وجہ سے تو چھپا رہتا ہے لیکن اپنے اخلاق کی وجہ سے مشہور ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی بہترین خوبیوں کا نچوڑ اس کا حسن اخلاق ہے۔

اور خلق یہ ہے کہ لوگوں کی بدخلقی اور اللہ تعالیٰ کی قضا کو بغیر ملال اور اظہار بے چینی قبول کر لیا جائے اور دوسرے کے برے اخلاق پر نگاہ بھی نہیں پڑنی چاہئے کیونکہ یہ بھی برا خلق ہے۔

ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں اور اگر صرف اس ایک بات کا ہی رب کریم کا شکر ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ہیں۔ امتی کا کام اپنے آقا و مولا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل کو بدل و جان ماننا اور اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم مثل آفتاب و ماہتاب کائنات کے ہر ذرے اور گوشہ میں چمک دمک رہا

ہے۔ ہمیں بھی بااخلاق ہونا چاہئے۔ صرف اس ایک صفت کے حوالے سے ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں۔

۱-کیا میرا ایمان اخلاق سے مزین ہے؟

۲-کیا میرے اہل خانہ' دوست احباب' رشتہ دار' زیردست اور دیگر لوگ میرے اخلاق سے خوش ہیں؟

۳-کیا میرا غصہ میرے اخلاق پر غالب ہوتا ہے یا میرا اخلاق میرے غصے کو قابو میں رکھتا ہے؟

۴-جو لوگ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں یا زور آور ہیں۔ کیا میرا اخلاق صرف انہیں تک محدود ہے یا سب کے لئے یکساں ہے؟

اگر ان سوالات کے جوابات میرے لئے اطمینان بخش ہیں تو میں بحمد للہ بااخلاق ہوں ورنہ نہیں۔ اگر میں بداخلاق' ترش رو اور فضول گو ہوں تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی کہلاتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

حاسد

ایک شخص ہر روز بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کرتا تھا۔

''نیکوں کے ساتھ نیکی کرو اور بدوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ ان کی بدکرداری بذات خود ان کے لئے کافی ہے''۔

اس نصیحت نے اس شخص کو بادشاہ کا منظور نظر بنا دیا تھا۔

ایک حاسد کو یہ پسند نہ تھا۔ اس نے ایک دن بادشاہ سے کہا:

''آپ کا منظور نظر کہا کرتا ہے کہ بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے''۔

بادشاہ نے اس کا ثبوت مانگا تو اس نے کہا:

''اسے اپنے قریب بٹھا کر دیکھ لیں وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھے رہے گا''۔

بادشاہ کے کان بھرنے کے بعد وہ حاسد نیک آدمی کے پاس گیا۔ اس نے اسے کھانا کھلایا جس میں لہسن کی بو خاصی تیز تھی۔ اسی اثناء میں بادشاہ نے اسے بلوا بھیجا۔ نیک آدمی نے اس خیال سے کہ لہسن کی بو بادشاہ تک نہ پہنچے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ بادشاہ کو حاسد کی بات کا یقین ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک عامل کو خط لکھا کہ ''فرمان ہذا کا سرکاٹ کر اور اس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر میرے پاس بھجوا دو''۔

شاہی فرمان لے کر جب وہ نیک شخص بادشاہ سے رخصت ہوا تو حاسد نے پوچھا:

''تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

خلعت کا فرمان ہے۔

نیک آدمی نے بتایا تو حاسد نے کہا:

''یہ مجھے دے دو' میری ضرورت ہے''۔

نیک آدمی نے وہ فرمان اسے دے دیا۔ جب وہ عامل کے پاس پہنچا تو فرمان پڑھنے

کے بعد حاسد سے جب یہ کہا کہ اس میں کیا لکھا ہے تو کہنے لگا۔

''یہ حکم کسی اور کے لئے ہے تم بیشک بادشاہ سے دریافت کرلو''۔

عامل نے کہا:

''شاہی فرمان کی مکرر تصدیق نہیں کروایا کرتے''۔

لہٰذا حاسد کا سر قلم کروادیا۔

دوسرے دن حسب معمول نیک آدمی بادشاہ کی خدمت میں جا حاضر ہوا اور وہی الفاظ دہرائے جو دہرایا کرتا تھا۔

بادشاہ کو تعجب ہوا اور خط کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتا دیا کہ کون لے گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا:

''تم اس شخص کا کہہ رہے ہو جس نے بتایا تھا کہ تم میرے متعلق یوں کہا کرتے ہو''۔

وہ بولا:

''میں نے ایسا کبھی نہیں کہا''۔

اگر یہ بات ہے تو تم کو منہ اور ناک پر ہاتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

نیک آدمی نے کہا:

''حاسد شخص نے مجھے اس قدر لہسن کھلا دیا کہ خود میرے منہ سے بو آرہی تھی اور میں نے احتیاطاً منہ پر ہاتھ رکھ لیا کہ بو آپ تک نہ پہنچے''۔

بادشاہ نے سنا تو کہا:

''تو جو ہر روز کہا کرتا ہے کہ بدکردار کے لئے اس کی بدکرداری ہی کافی۔ آج دیکھ لیا کہ بدکردار کی بدکرداری اس کے سامنے آگئی ہے''۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۶۶۱)

صاحبو! یہ ایک انتہا ہے کہ حاسدوں سے بادشاہوں کے دربار اور حکمرانوں کے ایوان بھی خالی نہیں ہیں۔ اس کی ایک دوسری انتہا بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔

ایک مرید اپنے پیر کامل کا خاص منظور نظر تھا۔ لیکن دوسرے مریدوں کے لئے باعث غیرت بنا ہوا تھا۔ پیر نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ایک دن ہر مرید کو ایک ایک پرندہ دے کر کہا:

''اسے کسی ایسی جگہ لے جا کر ذبح کر کے لاؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو''۔

ہر مرید کسی تنہائی کے مقام پر چلا گیا اور پرندے کو ذبح کر کے لے آیا لیکن وہ مرید جو منظور نظر تھا وہ پرندے کو زندہ ہی واپس لے آیا۔ پیر نے پوچھا:

''تم اسے ذبح کر کے کیوں نہیں لائے''۔

اس نے عرض کیا:

''مجھے کوئی جگہ ایسی نہ مل سکی جہاں کوئی بھی مجھے نہ دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر جگہ دیکھتا ہوا دکھائی دیا''۔

پیر نے دوسرے مریدوں سے کہا:

''اب تم خود ہی اس مرید کے مرتبہ و مقام کا اندازہ لگالو۔ یہ ہمیشہ مشاہدہ الٰہی میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا ہے۔ اسے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف دیکھتا نظر آیا اور تمہاری خود بینی نے تمہیں اپنے ہی آپ میں مگن رکھا''۔ (نسخۂ کیمیا' ص ۱۰۱۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حسد درویشوں کے آستانوں کے اندر مریدین میں بھی موجود ہوتا ہے۔ مرشد اگر کسی ایک مرید پر بوجوہ نظر التفات کرتا ہے تو دوسرے جلنے لگتے اور حسد کرتے ہیں۔

ان دونوں واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ہی قسم کی برائی جداگانہ ماحول میں مختلف نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں حسد جب دنیاوی حکمران کے دربار میں ظاہر ہوتا ہے تو حاسد کا عبرتناک انجام ہوتا ہے اور یہی حسد جب کسی درویش کے آستانے میں نمودار ہوتا ہے تو حاسدین کی خوبصورت انداز میں اصلاح کر دی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے پاک ہو جائیں۔

ان دو انتہاؤں کے مابین خال خال لوگ حسد سے مبرا ہیں۔

سب سے پہلے حسد کا آغاز آسمانوں پر ہوا جب ابلیس نے حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے کیا اور سب سے پہلے زمین پر اس کا ظہور اس وقت ہوا جب قابیل نے ہابیل سے کیا۔

حسد ابلیسی اور قابیلی صفات میں سے ہے اور جس شخص کے اندر ہو وہ بھی انہی کے نقش قدم پر انہیں کے ساتھ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

☆ حسد ایسی میٹھی آگ ہے کہ حاسد اس میں بخوشی جلتا ہے۔

☆ حسد ایسا زہریلا کانٹا ہے جو قلب وروح کو داغدار و مسموم کر دیتا ہے لیکن حاسد کو ادراک تک نہیں ہوتا ہے۔

☆ حسد بدنما رنگ ہے جو حاسد کو خوبصورت نظر آتا ہے۔

☆ حسد ایسی آکاس بیل ہے جسے حاسد خود اپنے اندر اگاتا ہے کہ اس کی نیکیوں کو چٹ کر جائے۔

☆ حسد ایسی تباہی و بربادی ہے جسے حاسد خود دعوت دیتا ہے۔

حسد کیا ہے؟

کسی شخص پر نعمت کو مطلقاً ناپسند کرنا حسد ہے اور مذموم ہے اور جب حاسد اس شخص سے بغض رکھتا ہے تو صاحب نعمت کو دیکھ کر اس کو اذیت پہنچتی ہے اور اگر اس شخص سے وہ نعمت چھن جائے تو حاسد کو لذت حاصل ہوتی ہے خواہ اسے وہ نعمت حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد اکثر مغموم رہتا ہے۔

حسد عموماً پانچ وجوہ سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۔عداوت اور بغض کی وجہ سے۔

۲۔تکبر بھی حسد کا سبب ہے۔

۳۔کسی کو کم درجے کا خیال کرنا اور اچانک اس کو کوئی منصب مل جائے۔

۴۔ایک مقصد کے حصول میں کئی لوگ مصروف ہوں اور ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہوجائے اور

۵۔اپنا تفرد اور تسلط چاہنا بھی حسد کا سبب ہے۔

حسد کے نقصانات بڑے عظیم ہیں۔ مثلاً

۱۔اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقسیم کو ناپسند کرنا۔

۲۔جب کوئی کسی مسلمان کے پاس زیادہ نعمتیں دیکھ کر حسد کرتا ہے تو ابلیس کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے۔ جس نے آسمانوں پر حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا تھا۔

۳۔حاسد ہمیشہ کڑھتا اور جلتا رہتا ہے اور

۴۔حاسد لوگوں کے نزدیک مذموم اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہے۔

(حضرت انسان، ص ۱۸۱)

قرآن حکیم کی سورہ فلق آیت ۵ میں ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے علم ہوتا ہے کہ حسد کس قدر مذموم اور برا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص حاسد کی نظر اور اس کے نفس کے شر سے بچنے کے بجائے خود دوسروں سے حسد کرنے لگے تو کس قدر افسوسناک ہے اور بقول حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدترین شر وہ ہے جو ارادہ و اختیار والے نفوس سے صادر ہوتا ہے۔ لاریب تمام شروں کے نکلنے کی جگہ حسد کا وصف ہے۔ (تفسیر عزیزی، ج ۴، ص ۵۷۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بیشک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(درمنثور، ج ۷، ص ۱۱۹۲/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۵، ص ۳۳۶)

حضرت امام بیہقی نے الشعب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابھی اہل جنت میں سے ایک آدمی اس راستے سے آئے گا''۔

اتنے میں انصار میں سے ایک آدمی آیا۔ اس کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور وہ اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں سلام عرض کیا۔ تین دن تک ایسا ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ تین دن تک اس کے ہاں قیام پذیر رہے کہ دیکھیں وہ کیا عمل کرتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اہل جنت میں سے فرمایا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ شخص صرف نماز فجر کے لئے اٹھتا ہے۔ بستر پر جب کروٹ بدلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی کبریائی بیان کرتا ہے۔ وہ خیر کے سوا کوئی بات نہیں کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا:

''میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی کھوٹ نہیں رکھتا اور نہ میں کسی سے اس کی عزت و

اکرام اور بھلائی پر حسد کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے"۔

(در منثور ج ۷ ص ۱۱۹۲)

آج کل کے معاشرے میں حسد کی ہر جگہ حکمرانی ہے۔ بجز الا ماشاء اللہ سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اس سے محفوظ ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ ان کی عظمت کا سورج، ان کی رفعتوں کا چاند اور ان کی محبتوں کی خوشبو گم گشتگان راہ حق کو ہر گام پر اپنی جانب متوجہ کرتی رہتی ہے۔

ہمارا کیا حال ہے؟

۱- کیا ہم حاسد ہیں؟۔

۲- کیا ہمارے اندر حسد کا مرض تو نہیں ہے۔

۳- کیا ہم لوگوں کو نعمتوں میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں یا جل جاتے ہیں۔

۴- کیا ہم لوگوں سے بغض وعناد حسد کی وجہ سے تو نہیں رکھتے ہیں۔

۵- کیا ہم کسی مسلمان کیخلاف دل میں کھوٹ رکھتے ہیں۔

اس کسوٹی پر خود کو پرکھیں۔ اگر حسد کسی رنگ اور صورت میں اندر موجود ہو تو اس میٹھی آگ سے بچیں جو جہنم کی آگ میں سے ہے۔

مفاد پرست بنو لیکن

ایک بادشاہ کسی موذی لاعلاج مرض کا شکار ہو گیا۔ کوئی دوا اثر نہ کرتی تھی۔ یونانی اطباء مل جل کر اس فیصلہ پر پہنچے کہ اس مرض کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ بادشاہ اس شخص کا پتہ کھائے جس میں یہ چند خاص صفات ہوں۔ تلاش کے بعد ایک دہقان کا لڑکا ہاتھ لگا جس میں وہ صفات تھیں۔ بادشاہ نے اس کے ماں باپ کو بے شمار مال و دولت دے کر راضی کر لیا۔ قاضی نے فتویٰ دے دیا کہ ظل الٰہی کی سلامتی کے لئے رعیت کے ایک فرد کا خون جائز ہے۔ جلاد تلوار سونتے کر آگے بڑھا۔ لڑکا آسمان کی طرف منہ کر کے مسکرایا۔ بادشاہ نے پوچھا:

"اس حال میں تمہارے ہنسنے کا بھلا کیا مقام ہے"۔

لڑکے نے عرض کیا:

"جہاں پناہ! اولاد کو ماں باپ پر ناز ہوتا ہے۔ غلط فیصلے کا دعویٰ قاضی کی عدالت میں دائر کرتے ہیں اور بادشاہ کے حضور عدل وانصاف کی دہائی دیتے ہیں۔ ماں باپ دنیاوی ایندھن کے لالچ میں میرے قتل پر راضی ہو گئے۔ قاضی نے قتل کا فتویٰ دے دیا اور حضور کو اپنی سلامتی بھی میری ہلاکت میں ہی نظر آتی ہے۔ لہٰذا اب سوائے اللہ کی ذات کے کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی۔ اے بادشاہ! تیرے خلاف کس سے فریاد کروں۔ میں حضور کے خلاف حضور ہی سے داد مانگتا ہوں"۔

ان باتوں سے بادشاہ کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا:

"ایک بے گناہ معصوم کا خون بہانے سے تو میرا ہی مر جانا بہتر ہے"۔

لہٰذا اس نے لڑکے کو پیار سے گلے لگایا۔ سر اور آنکھوں کو چوما۔ بے شمار دولت دے کر آزاد کر دیا۔ کہتے ہیں بادشاہ نے اسی ہفتے موذی مرض سے شفا پائی۔

(گلستان سعدی، ص ۴۶)

صاحبو! اس واقعہ میں مفاد پرستی کی بدترین مثال موجود ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کسی ملک کا بادشاہ یا حکمران یا بڑا آدمی کسی موذی مرض یا بلائے ناگہانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے اردگرد موجود حاشیہ نشیں، 'جی حضوریئے' خوشامدی اور مفاد پرست فوائد حاصل کرنے کے لئے اس کی مفاد پرستی کے آلاؤ کو بھڑکا دیتے ہیں اور اس کی تکمیل کے لئے نت نئے جواز تراش لیتے ہیں۔ جھوٹے فتوے حاصل کر لیتے ہیں۔ خون ناحق کو جائز قرار دے دیتے ہیں۔ جس کے گلے میں چاہیں موت کا پھندا ڈال دیتے ہیں۔ ظلم کو جائز قرار دے دیتے ہیں اور دوسروں کی آزادی و حقوق سلب کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہیں۔

مفاد پرستی کے بطن سے بہت سی قباحتیں، گناہ اور برائیاں جنم لیتی ہیں۔ مثلاً

☆ دوسروں کو حقیر، کمتر، اپاہج اور دو ٹکے کا سمجھا جاتا ہے۔
☆ دوسروں کے نقصان کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔
☆ دین فروشی آسان ہو جاتی ہے۔
☆ مال حلال و حرام میں تمیز اٹھ جاتی ہے۔
☆ دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔
☆ دوسروں کا حق مارنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔
☆ دوسروں کو نیچا دکھا کر خوشی حاصل ہوتی ہے۔
☆ دوسروں پر زبان طعن و بہتان دراز رکھی جاتی ہے۔
☆ دوسروں کو ذلیل کرنا معمول بنا لیا جاتا ہے۔
☆ دوسروں کو قتل کرانا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔
☆ دوسروں کی عزت نفس کو مجروح کرنا برا خیال نہیں کیا جاتا ہے۔
☆ دوسروں کے مقابل خود کو نمایاں کرنے میں عزت سمجھی جاتی ہے۔
☆ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔
☆ عدل و انصاف کی دھجیاں اڑا دی جاتی ہیں۔

مفاد پرستی ایسا میٹھا زہر ہے کہ جب کوئی اس کا رسیا و عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنوں اور غیروں سب کو ڈنگ مارتا ہے۔ والدین مفاد پرست ہو جائیں تو اولاد پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آجر مفاد پرست ہو اجیر دشمن ہو جاتے ہیں۔ حکمران مفاد پرست ہوں تو رعیت مخالف ہو

جاتی اور لعن طعن کرتی ہے۔

مفاد پرستی و مادہ پرستی آپس میں جڑواں بہنیں ہیں۔ ان کی موجودگی میں حکمرانوں اور رعایا کے درمیان گہری خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ رعایا حکمرانوں پر لعنت ملامت کرتی اور بددعائیں دیتی ہے اور حکمران رعایا کے حقوق غصب و پامال کر کے نہ صرف ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں بلکہ ان کی جانوں، مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے لگتے ہیں۔ حکمرانوں کے دیکھا دیکھی جب رعیت مفاد پرست و مادہ پرست ہو جاتی ہے تو پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگتے ہیں۔ دکھ اور تکلیف دیتے ہیں، لوٹتے ہیں، حقوق پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور جب حکمران اور رعایا دونوں مفاد پرستی و مادہ پرستی کی رو میں بہنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت کا انتظار کرنا چاہئے۔

ہمارے حکمران بھی مفاد پرستوں اور مادہ پرستوں کے سرخیل ہیں۔ یہ ملکی مفاد کی آڑ میں ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور رعیت کو اپنی نااہلیوں اور نحوستوں کے عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً

☆ لوڈشیڈنگ کا عذاب
☆ مہنگائی کا عذاب
☆ بے روزگاری کا عذاب
☆ حقوق العباد کی عدم ادائیگی کا عذاب
☆ تعلیم و صحت کی سہولتوں کی عام آدمی کی دسترس سے باہر ہونے کا عذاب
☆ ناقص، ملاوٹ شدہ اور نمبر دو اشیاء پر عدم گرفت کا عذاب
☆ رشوت کا عذاب
☆ لوٹ کھسوٹ کا عذاب
☆ عدل و انصاف کی عدم دستیابی کا عذاب وغیرہ

متذکرہ واقعہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بادشاہ کی آنکھوں پر سے جب ذاتی مفاد کی بندھی ہوئی پٹی قتل کئے جانے والے نوجوان کی حقیقت افروز باتوں سے اترتی ہے تو روتا ہے اور اس کے اندر سے دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ وہ نوجوان کے خون ناحق سے ہاتھ رنگنے کے بجائے خود مر جانا پسند کرتا ہے تو اس خیر خواہی کے اندر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش مارتی

ہوئی باہر نکلتی ہے اور بادشاہ کو موذی مرض سے شفا ہو جاتی ہے۔

واقعہ کا یہ حصہ ہمارے حکمرانوں کے لئے چشم کشا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی آنکھوں سے مفاد پرستی و مادہ پرستی کی پٹی اتار کر خوشامدیوں، جی حضوریوں اور حاشیہ نشینوں کی آنکھوں سے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور خلوص نیت سے رعیت کے حقوق ادا کرنے کے جذبہ خیر سے پہلا قدم اٹھائیں تو ان کے تمام دلدر دور ہو سکتے ہیں۔ پریشانیاں دم توڑ سکتی ہیں۔ ان کی نامقبولیت، مقبولیت میں بدل سکتی ہے۔ بددعاؤں اور لعنتوں کے بجائے ان کو دعائیں مل سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی برسات شروع ہو سکتی ہے۔ عوام الناس اور حکمرانوں کے درمیان حائل خلیج مٹ سکتی ہے۔

دوسروں کی خیرخواہی کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بے حد پسند ہے...... کہتے ہیں۔

ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد جب دوسرا شخص سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے خزانے میں زرو جواہر کے ساتھ گندم کے بہت موٹے موٹے دانے بھی رکھے ہوئے دیکھے، بڑا حیران ہوا۔ ان کے بارے میں دوسروں سے دریافت کیا مگر کسی کو علم نہ تھا لیکن اس راز سے پردہ اٹھانے کی جستجو جاری رکھی۔ آخر کار ایک سو سالہ بوڑھے نے یہ عقدہ حل کر دیا۔ اس نے بتایا:

ایک نوجوان اور ایک بوڑھے شخص کی گندم کے کھیت میں شراکت تھی۔ جب فصل تیار ہو گئی تو انہوں نے اپنے اپنے حصے کی گندم کے الگ ڈھیر لگا لئے۔ بوڑھے شخص کے کہنے پر پہلے نوجوان اپنے گندم کے ڈھیر میں سے کچھ گندم گوش دراز پر لاد کر لے گیا تو بوڑھے شخص نے سوچا:

''میری ضروریات بہت کم ہیں۔ اس نوجوان کو زیادہ گندم کی ضرورت ہے''۔

اور پھر اپنی گندم کے ڈھیر سے کچھ گندم نکال کر اس کی گندم کے ڈھیر میں شامل کر دی۔

نوجوان کی واپسی پر بوڑھا شخص اپنی گندم کے ڈھیر میں سے کچھ گندم گدھے پر لاد کر گیا تو نوجوان کو خیال آیا۔

''یہ بوڑھا شخص لاغر کمزور ہے۔ زیادہ محنت مشقت نہیں کر سکتا۔ اسے مجھ سے زیادہ گندم کی حاجت ہے''۔

لہٰذا اپنی گندم کے ڈھیر میں سے تھوڑی سی گندم نکال کر اس کی گندم کے ڈھیر پر ڈال

دی۔ ہر بار دونوں ایسا ہی کرتے رہے۔ ایک دوسرے کی اس خیرخواہی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گندم کے دانے موٹے ہونے لگے۔ جیسے کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ جب مرحوم بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے گندم کے چند دانے بطور یادگار اپنے خزانے میں رکھ لئے۔

یہ واقعہ بالفاظ بلند دعوت فکر دے رہا ہے کہ اے لوگو! اگر مفاد پرستی کرنی ہے تو اسے دوسروں کے ساتھ خیرخواہی کر کے اس کے بطن سے کشید کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور خیرخواہی کرنے والوں پر اپنی برکتوں اور رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔

ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ساتھ خیرخواہی کی تدبیر کرتا رہتا ہے لیکن دلیل عظمت یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ خیرخواہی کی جائے۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، حدیث ۱۲)

دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو اپنی ذات کے لئے برا سوچتا ہو۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کردہ اصول کو حرز جاں بنا لیا جائے اور اس پر بہ صمیم قلب عمل کیا جائے تو باہمی تعلقات میں نفرتوں اور کدورتوں کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ ٹوٹے ہوئے ناطے پھر سے جڑ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے محبت و ہمدردی کے جذبات فروغ پا سکتے ہیں۔ اس سے انسان خود بھی اور دوسرے سب امن وسکون سے رہ سکتے ہیں۔ اگر سب لوگ صرف اسی ارشاد عالیہ پر عمل شروع کر دیں تو بڑی قلیل مدت میں خوبصورت معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے اور

☆ کوئی سرکاری آفیسر کسی ماتحت کے ساتھ ناانصافی وزیادتی نہیں کر سکتا۔

☆ کوئی کسی کا حق مارنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

☆ کوئی کسی سے ناجائز کام نہیں لے سکتا۔

☆ کوئی حکمران رعیت کو دکھ نہیں دے سکتا بلکہ آسانیاں پیدا کریگا اور ان کے مسائل حل کرنے اور ان کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

☆ کوئی کسی کو گالی گلوچ نہیں کر سکتا۔

☆ کوئی کسی پر تہمت و بہتان نہیں لگا سکتا۔

☆ کوئی کسی کی چغلی نہیں کھا سکتا۔

☆ کوئی کسی سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔

☆ کوئی کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

☆ کوئی اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کے مفاد پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔

☆ کوئی کسی کی عزت نفس مجروح نہیں کر سکتا۔

☆ الجھے ہوئے معاملات خوش دلی سے سلجھائے جا سکتے ہیں۔

معاشرے میں اس وقت جو افراتفری کا عالم ہے اس کو صرف ایک ہی وجہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی خیرخواہی سے دستکش ہو گئے ہیں اور اس میں تو قطعاً شک وشبہ نہیں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس فرمان پر عمل نہیں کرتا ہے۔ برائیاں، گناہ، مصیبتیں، بے برکتیاں، نحوستیں اسی راستے سے حملہ آور ہوتی ہیں۔

درحقیقت دوسروں کی خیرخواہی کے لبادہ میں ذاتی مفاد پرستی ہے۔ بادشاہ اگر موذی مرض سے چھٹکارے کے لیے صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ کر نوجوان کو قتل کرا دیتا تو عین ممکن تھا کہ بادشاہ بھی زندہ نہ رہتا اور مر جاتا۔ اس طرح وہ خون ناحق کا بوجھ بھی اپنے سر پر لاد کر دار آخرت کو سدھار جاتا۔ لیکن جب وہ مفاد پرستی کے جال سے باہر نکل کر اپنی زندگی پر دوسرے کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نوجوان بھی بچ جاتا ہے اور بادشاہ بھی شفایاب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض بھی نہیں ہوتا ہے اور نوجوان کی خیرخواہی میں اس کی مفاد پرستی خیر کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔

دوسرا واقعہ بہ بانگ دہل کہہ رہا ہے کہ مفاد پرست بنو لیکن بوڑھے اور نوجوان کی طرح جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اس میں دونوں کی خیرخواہی کے علاوہ مفاد پرستی بھی تھی۔ دونوں کا رخ خیر کا تھا اور خیر کے رخ پر جو بھی ہو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی رہتا ہے اور دنیا و آخرت کی بہتری کا مفاد وابستہ ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

۱- کیا ہم ہر کام میں اپنا مفاد ہی پیش نظر رکھتے ہیں۔

۲- کیا ہم دوسروں کے خیرخواہ ہیں۔

۳- کیا ہم وہ چیز دوسروں کے لئے بھی پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔

۴- کیا ہم اپنے مفاد پر دوسرے کے حق پر مبنی مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔

۵- کیا ہم دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے جذبہ قربانی سے کام لیتے ہیں۔

۶- کیا ہمارا یارانہ دوستانہ مفاد پرستوں کے ساتھ ہے۔

۷- کیا ہمارے تعلقات خیرخواہ لوگوں کے ساتھ ہیں۔

۸- کیا ہمارا رخ خیر کا ہے۔

ان سوالات کے جوابات بتا دیں گے۔ ہم کون ہے؟ مفاد پرست یا خیرخواہ۔

قضاوقدر

کسی بادشاہ کا وزیر تقدیر پر بڑا شاکر تھا۔ جب بھی کوئی واقعہ ہوتا تو کہتا:

''جو ہوا اچھا ہوا ہے''۔

ایک دفعہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔ وزیر نے حسب عادت کہا:

''اچھا ہوا''۔

بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری لہٰذا اسے قید کروا دیا۔

وزیر نے پھر کہا:

''جو ہوا اچھا ہوا''۔

دوسرے روز بادشاہ شکار کے لئے گیا اور ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اسی اثناء میں ایک شیر آ گیا۔ بادشاہ سانس روک کر مردہ سا بن گیا۔ شیر نے زخمی انگلی سونگھ کر بادشاہ کو چھوڑ دیا۔

واپس آ کر بادشاہ نے وزیر کو آزاد کر دیا اور انعام واکرام سے نوازا اور کہا:

''اگر میری انگلی کٹی نہ ہوتی تو شیر مجھے کھا جاتا۔ مگر جب تم نے قید خانے میں جاتے ہوئے کہا:

جو ہوا اچھا ہوا۔

اس میں کیا حکمت تھی۔

وزیر نے کہا:

''بادشاہ سلامت! شکار میں لازمی طور پر میں آپ کے ہمرکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا' اس لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی فعل خالی از حکمت نہیں ہے''۔ (حقیقت دنیا' ص ۵۵)

صاحبو! انسان کو اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کے آگے سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اسی میں اس کی بہتری وسلامتی کا راز پنہاں ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

اعملوا فکل میسر لما خلق له

(صحیح مسلم' ج ۸' ص ۴۷/ جامع صغیر' ج ۲' ص ۹۳/ صحیح بخاری' ج ۳' ص ۱۳۹/ احادیث مثنوی' ص ۱۱۳)

یعنی کام کرتے رہو۔ قدرت نے جس کام کے لئے تمہیں پیدا کیا ہے لازماً تمہیں اس کے لئے کام کرنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر ہر شخص مخصوص کام کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جس طرح ہمارے لئے شہروں میں مل جل کر رہنا آسان ہے اسی طرح اہل اللہ کے لئے بھی سفر کرنا اور پہاڑوں پر تنہا رہنا مشکل نہیں ہے۔

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کسی را خدمتی دادہ قضا
در خور آن گوہرش در ابتلا

قضاوقدر نے ہر شخص کو امتحان کی مصلحت سے اس کی استعداد وصلاحیت کے موافق ایک نہ ایک خدمت سپرد کر رکھی ہے۔ (احادیث مثنوی' ص ۲۶۸)

بالفاظ دیگر ہر کوئی اپنی فطرت کے مقتضیٰ کے مطابق کام کرتا ہے۔

واقعہ میں یہی بات اجاگر کی گئی ہے کہ بظاہر وزیر کا قید ہونا اور بادشاہ کا زخمی ہونا تکلیف دہ امر ہے۔ یہ دونوں واقعات ان کی تقدیر مبرم میں لکھے تھے' ٹل نہیں سکتے تھے اور انہوں نے اپنے مقرر وقت پر ظہور پذیر ہو کر ہی رہنا تھا لیکن حقیقت میں انہیں کے اندر وزیر اور بادشاہ کی سلامتی مضمر تھی۔

اگر انسان ہر لحظہ صحیح مسلم' ج ۱' صفحہ ۲۸۷ پر مرقوم رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد عالیہ کو ہر دم اپنے سامنے رکھے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ تقدیر پر ایمان لانا فکر اور غم کو دور کرتا ہے تو وہ زندگی میں درپیش آنے والے حوادثات وواقعات کے نیچے دب جانے کے بجائے ان سے مسکراتا ہوا گزر جاتا ہے۔

قضاوقدر کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارے بزرگ کہتے ہیں کہ قضا کے معنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور قدر کا معنی اندازہ ہے۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں رب کریم کا پیشگی اندازہ جو اس کے علم ازلی سے عبارت ہے اسے ہی تقدیر کہتے ہیں اور اس کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں۔

ہر مخلوق کی اس کے حسن، قبح، نفع، نقصان، اس کی مدت حیات، اس کی قیام گاہ اور اس کے ثواب وعذاب کی مقرر کردہ حد کا نام، اس کی تقدیر ہے۔

اور یہ تقدیر کسی کے ٹالے سے ٹل نہیں سکتی ہے۔ اپنے وقت پر آ موجود ہوتی ہے۔ اس کے لئے انسان کو ہر وقت ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔ اس طرح تقدیر کے وارد ہونے پر انسان ڈولتا نہیں ہے اور صبر وشکر اور دعا سے کام لیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تقدیر کے آنے سے احتیاط کچھ مفید نہیں۔ دعا نفع دیتی ہے۔ اس کے بارے میں جو مصیبت نازل ہو چکی ہے اور جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔ مصیبت نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے ملاقات کرتی ہے۔ پس وہ قیامت تک آپس میں جھگڑتی رہیں گی۔

(امام الحاکم/درمنثور ج۱ ص۵۱۱)

میں نے اپنے مرشد کامل حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا ہے کہ کچھ کھانے کو ہو یا نہ ہو، صحت ہو یا تندرستی ان کے لبوں پر سدا شکر ہی ہوتا تھا۔ تقدیر کو وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان سمجھتے تھے، مطمئن رہتے تھے اور چہرے کی بشاشت میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا تھا۔

تقدیر کو ماننا اور اس پر ایمان رکھنا جزو ایمان ہے۔ سورہ توبہ آیت ۵۱ میں ارشاد خداوندی ہے:

قل لن یصیبنا الا ما کتب الله لنا ج هو مولنا ج وعلى الله فليتو كل المومنون

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ارشاد فرمایئے، ہمیں وہی کچھ لاحق ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے طے کر رکھا ہے۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

بعض بے عقل لوگ تقدیر کو نہیں مانتے اور جو اس کو نہیں مانتا وہ درحقیقت متذکرہ ارشاد ربانی کا انکار کرتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں۔ وہ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور ان سے ملاقات ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔

(ابن ماجہ/شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۲۸۷)

رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

(صحیح مسلم، ج۱، ص۲۸۷)

کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا اس کا نام معبد جہنی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ اس سے یقیناً کسی نے پوچھا ہوگا کہ کیا تقدیر کے انکار سے اس پر تقدیر وارد نہیں ہوگی۔ وہ بیمار نہیں ہوگا یا مرے گا نہیں لیکن جب عقل ماری جاتی ہے تو اس کا کیا علاج ہے۔

تقدیر کی دو اقسام ہیں۔

الف: تقدیر مبرم

اس کا تعلق امور سماویہ یا امور تکوینیہ سے ہے۔

ان میں انسان بے بس اور مجبور ہے۔ کچھ نہیں کرسکتا۔ مثلاً موت، حیات، صحت، مرض، حوادثات، مصائب، تنگی رزق وغیرہ۔ یہ اٹل اور محکم ہوتی ہے۔ اس میں تبدیلی محال ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے عبارت ہے۔ اس کا علم بدل سکتا ہے نہ تقدیر مبرم تبدیل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا رب کریم کے علم ازل میں جو ہر انسان کے لئے مقرر ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ جب یہ تقدیریں انسان پر وارد ہوں تو حوصلہ وخندہ پیشانی سے رجوع الی اللہ کرنا چاہئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے دعا مانگنی، اعانت و مدد طلب کرنی اور صبر وشکر کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جب میرا نیک بندہ خلوص نیت اور پاک دل کے ساتھ یہ کہتا ہے:

''یارب''

تو میں کہتا ہوں:

"لبیک"

پھر میں اس کی حاجت پوری کر دیتا ہوں۔ (درمنثور، ج ۱، ص ۵۱۳)

ب: تقدیر معلق

اس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے۔ ان میں انسان فعل مختار ہوتا ہے۔ مثلاً ایمان و کفر، نیک و بد عمل کرنے میں، صحیح و بد عقیدہ اختیار کرنے، نفس و شیطان کی پیروی کرنے یا نہ کرنے، اچھے برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے یا نہ کرنے وغیرہ میں اور انہیں کے اعتبار سے جزا و سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

احکام شرعیہ کی بجا آوری میں انسان کے اپنے ارادہ و نیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ جو بھی راہ اختیار کرتا ہے اس کے مطابق تقدیر معلق رونما ہونے لگتی ہے اور جزا و سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ مثلاً

لوح محفوظ میں اگر لکھا ہے کہ فلاں شخص شقی ہے اور اس کی عمر اتنی ہے۔ اب وہ اپنے ارادہ و نیت سے غلط اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ راستے پر گامزن ہو جاتا ہے اور نفس و شیطان کی ہمنوائی و معیت میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو عبور کرنے لگتا ہے تو اس راستے میں بچھے ہوئے زہریلے کانٹے، ذہنی و قلبی اذیتیں، خطرناک روحانی و جسمانی امراض، نادیدہ پریشانیاں، معاشی زبوں حالی اور ناقابل تلافی نقصانات اس کے ہمرکاب ہو جاتے ہیں اور وہ ذلت و رسوائی کے آنگن میں پڑا دن گزارنے لگتا ہے۔ اگر وہ نیکی کی طرف رخ نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کا کوئی نیک بندہ اس کے حق میں دعا کرتا ہے تو لوح محفوظ کے مطابق وہ شقی ہی رہتا ہے اور اگر اسی حال میں تقدیر مبرم موت کی شکل میں آ جاتی ہے تو آخرت میں اس کا انجام انہیں اعمال کے مطابق ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص گناہ آلود زندگی سے تائب ہو جاتا ہے۔ اپنا رخ نیکیوں کی طرف موڑ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک بندہ اس کے حق میں دعا بھی کرتا ہے تو لوح محفوظ میں شقی کا لفظ مٹا کر سعید لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کی شقاوت سعادت میں بدل جاتی ہے اور عمر میں اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ فلاں شخص سعید ہے اور اس کی عمر اتنی ہے لیکن

رب ودود ان نیکیوں کے صلہ میں بطور انعام اس کی زندگی میں مزید اضافہ فرما دیتا ہے۔

عمر میں اضافے کے سلسلہ میں احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے اور تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے اور انسان اپنے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۹۲/سنن ابن ماجہ، ص ۱۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول عربی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

جس کو رزق کی کشادگی یا عمر میں زیادتی سے خوشی ہو وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷۷)

حضرت علامہ ابوالفرج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

نیکیوں وغیرہ کی وجہ سے جو عمر میں اضافہ کیا جاتا ہے تو یہ اضافہ ازل میں مقرر تھا لیکن اس کو بطور انعام کے صلہ رحمی پر موقوف کیا گیا۔ گویا یوں لکھا گیا تھا کہ فلاں شخص پچاس سال زندہ رہے گا اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو ساٹھ سال زندہ رہے گا۔ یہ زیادتی لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے۔ (یعنی لوح محفوظ میں پچاس سال مٹا کر ساٹھ سال لکھ دیا گیا) اور اگر وہ صلہ رحمی نہ کرتا تو انعام کے سالوں سے محروم رہتا اور پچاس سال ہی زندہ رہتا۔

حضرت ابن قتیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

انسان کی زندگی سو سال لکھی گئی اور اس کی نیکی کے اسی (۸۰) سال لکھے گئے اور جب اس نے صلہ رحمی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی میں بیس سال بڑھا دیئے۔

لیکن انسان کی زندگی کی انتہا جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے۔

(شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۹۶)

قضا و قدر کی ڈوری کے ساتھ سب بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔

ہمارا حال کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ

الف: ہم تو کہیں تقدیر کے شاکی نہیں ہیں۔

ب: کیا ہم تقدیر مبرم کے وارد ہوتے وقت صبر و شکر کا اظہار کرتے ہیں۔

ج: ہم نے اپنے لئے کون سی راہ کا انتخاب کر رکھا ہے اور

د: جن افعال شرعیہ کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں ہم فعل مختار ہیں ان کا رخ کس طرف ہے۔

تقدیر مبرم مختلف صورتوں میں انسانی زندگی پر وارد ہوتی ہے۔ یہ اپنے وقت پر آتی ہے۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا ہے۔ لیکن تقدیر معلق کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ افعال پر عمل کر کے اس کو خوبصورت بنا سکتے ہیں جس کے ساتھ ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کا گہرا تعلق ہے۔ جو ہمارے بس میں ہے کم از کم وہ تو کرنا چاہئے۔

جہاد بالنفس

سر شام ایک جوان لڑکی سہیلیوں کے ہمراہ سیر کو نکلی۔ اچانک طوفان، باد و باراں آ گیا۔ وہ سہیلیوں سے بچھڑ کر آبادی سے دور نکل گئی۔ تھوڑے فاصلے پر اسے روشنی نظر آئی۔ وہاں جا کر اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان جھونپڑی کے اندر موم بتی کی روشنی میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔ لڑکی نے اپنا احوال بیان کیا تو وہ نوجوان بولا:

''اس وقت تم شہر سے بہت دور ہو اور طوفانی بارش بھی ہے۔ رات یہاں بسر کرو۔ انشاءاللہ صبح تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا''۔

لڑکی کو مجبوراً رکنا پڑا۔

صبح جب مطلع صاف ہو گیا تو وہ نوجوان اس لڑکی کو گھر چھوڑنے گیا۔ اس کے گھر والے سخت پریشان تھے۔ جب لڑکی کو دیکھا تو جان میں جان آئی لیکن دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے۔ لڑکی ماں کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئی تو اس کے باپ نے نوجوان سے پوچھا:

''تمہارے دل میں کوئی برا خیال نہیں آیا تھا''۔

''آیا تھا''۔

نوجوان نے کہا اور پھر دونوں ہاتھ دکھائے جن کی تمام انگلیاں جلی ہوئی تھیں۔

''یہ کیا''

لڑکی کے باپ نے حیرت سے پوچھا تو وہ بولا:

''جب بھی برا خیال آتا تو میں ایک انگلی موم بتی کے شعلے کے اوپر رکھ دیتا تھا اور دل میں کہتا تھا:

''یہ دنیا کی آگ ہے جو ناقابل برداشت ہے۔ اگر کوئی غلط کام کیا تو جہنم کی

آ گ کس طرح برداشت کرو گے''۔

اور رات بھر اپنی انگلیاں جلاتا رہا۔

یہ بات سن کر لڑکی کے والد کے ایک عزیز نے مشورہ دیا ''تمہاری لڑکی جوان ہے۔ ایک نہ ایک دن اس کی شادی کرنی ہے۔ اس جیسا داماد تمہیں کہیں نہیں ملے گا''۔

چنانچہ لڑکی کے باپ نے اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان سے کردی۔ خوف خدا سے وہ نوجوان حرام سے بچا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے حلال عطا فرمادیا۔

(سنہری دور، ص ۸۶)

صاحبو! جہاد بالنفس ہمہ وقتی ہے اسی لئے اسے جہاد اکبر کہتے ہیں۔ اور یہ نفس وشیطان کے خلاف لڑا جاتا ہے۔ ان کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے انسان کو ہر وقت چوکس وہشیار رہنا پڑتا ہے۔

جب عورت کو تخلیق کیا گیا تو شیطان لعین بے حد مسرور وخنداں ہوا کہ اس کے ہاتھ میں ایسا کھلونا آ گیا ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کی عاقبت کو بخوبی برباد کرسکتا ہے۔ معاشرے میں خرافات کے جنگل اگا سکتا ہے۔ ہوسناکیوں اور گناہوں کے اڈے تعمیر کرسکتا ہے۔ بڑے بڑے پارساؤں کے قدم ڈگمگا سکتا ہے۔ مغربی ممالک میں بالخصوص اور مشرقی ممالک میں بالعموم شیطان نے ''عورت کھلونے'' سے جو فساد برپا کررکھا ہے اس کی داستانیں زبان زد خاص وعام ہیں۔

جوان خوبصورت لڑکی ہو، نوجوان لڑکا ہو، تنہائی ہو، موسم دلنشین ہو اور جذبات کو ہوا دینے والے نفس وشیطان موجود ہوں تو اس ہنگام جہاد بالنفس کرنا واقعی جہاد اکبر ہے اور اس امر کا ادراک بھی اسی وقت ہوتا ہے کہ کس قدر مشکل اور صبر آزما ہے۔ عین اس لمحے جب خوف خدا کا عنصر جہاد بالنفس میں شامل ہوجاتا ہے تو بفضل ایزدی انسان کے اوپر سواری کرنے والے گناہ کے جسم سے جان نکل جاتی ہے۔ بصورت دیگر نفس وشیطان رقص کرنے لگتے ہیں اور قہقہے مارتے ہوئے نعرہ بلند کرتے ہیں۔

''وہ مارا''۔

جہاد بالنفس مختلف صورتوں میں متنوع انداز سے کرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات عملی اقدام بھی ناگزیر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نوجوان گناہ سے بچنے کے لئے رات بھر اپنی انگلیاں جلاتا رہا اور

نفس وشیطان کو پچھاڑ دیا۔ اس نے اپنے نفس کو لڑکی کے ساتھ حرام تعلق سے بچایا تو خدائے رحیم وکریم نے وہی لڑکی اس کو حلال طریقے سے عطا فرمادی۔

ہمیں فی زمانہ مختلف النوع گناہوں، خباثتوں، برائیوں، خرافات، گندگیوں سے دور رہنے کے لئے جہاد بالنفس کے لئے چوکھیا لڑائی لڑنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارا حال کیا ہے کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں تاکہ نفس وشیطان کے حربوں سے محفوظ رہیں اور خدائے لم یزل اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کے مرتکب نہ ہوں۔ اس کے لئے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ اور دوسرے میں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مضبوطی سے تھامنا وقت کی آواز ہے اور ہمیں اس آواز پر لبیک کہنا چاہئے۔ اس کے بغیر حق جہاد بالنفس ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان کا ازلی دشمن اس کے اندر مثل خون دوڑتا رہتا ہے۔

آزمائش

پرانے زمانے میں تین آدمی تھے، جن میں سے ایک کوڑھی، دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں آزمانے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس گیا اور پوچھا:

''تمہاری کیا آرزو ہے''۔

بولا:

''خوبصورت نرم وملائم کھال اور سپید رنگ مل جائے۔ یہ بیماری دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن محسوس کرتے ہیں''۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ خوبصورت و صحت مند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا۔ فرشتہ پھر بولا:

''اور کیا چاہتے ہو''۔

وہ شخص بولا:

''ایک بار آور اونٹنی مل جائے جس سے بہت زیادہ اونٹ ہو جائیں''۔

فرشتے نے اسے بار آور اونٹنی دے دی اور کہا:

''اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے''۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ اس کی کیا خواہش ہے۔

اس نے کہا:

''میرے سر پر خوبصورت بال اگ آئیں اور ایک بار آور گائے مل جائے تاکہ ترقی حاصل ہو''۔

اس کی دونوں آرزوئیں پوری کرنے کے بعد فرشتہ نابینا شخص کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی سوال کئے جو پہلے دو اشخاص سے کئے تھے۔ اس نے کہا:

''میری آنکھوں کی بینائی لوٹ آئے اور ایک بار آور بکری مل جائے تو بہت اچھا ہو''۔

اس کی خواہشات بھی پوری کر دی گئیں۔

وقت گزرتا رہا۔ ان تینوں اشخاص کے مال اور کاروبار میں بے حد اضافہ ہو گیا اور وہ بڑی خوشحالی کی پرمسرت زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک روز اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تینوں اشخاص کی آزمائش کے لئے فرشتہ کو انسان کے لباس میں بھیجا۔ وہ سب سے پہلے سابقہ کوڑھی کے پاس گیا اور کہا:

''میں ایک مسکین مسافر ہوں۔ زاد راہ ختم ہو گیا ہے۔ میں تم سے راہ خدا ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں تاکہ بحفاظت گھر پہنچ سکوں''۔

اس شخص نے سائل کو دھتکار دیا اور کہا:

''تمہیں دینے کے لئے میرے پاس گنجائش نہیں ہے''۔

سائل نے کہا:

''کیا تم وہ شخص نہیں ہو جو کبھی مرض کوڑھ میں مبتلا تھا اور مفلس وقلاش تھا''۔

وہ شخص بولا:

''یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، میرے باپ دادا کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ میں تو پہلے بھی اسی حال میں تھا''۔

فرشتے نے سنا تو کہا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حالت میں کر دے جس میں تم پہلے تھے''۔

لہٰذا وہ پھر سے کوڑھی ہو گیا اور اس کا سب کچھ برباد ہو گیا۔

اس کے بعد فرشتہ انسانی لباس میں گنجے شخص کے پاس گیا اور جو پہلے شخص سے کہا تھا اسے بھی کہا۔ اس نے بھی پہلے شخص کی طرح جواب دیا تو فرشتہ نے کہا:

''اللہ کرے تم بھی ویسے ہو جاؤ جیسے پہلے تھے''۔

لہٰذا وہ بھی پہلے کی طرح ہو گیا۔

اب فرشتہ تیسرے شخص کے پاس گیا جو کبھی نابینا اور مفلس تھا اور اس سے ایک بکری طلب کی۔ وہ بولا:

''میں پہلے اندھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے روشنی عطا کی۔ یہ سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے، جتنی بکریاں چاہیں لے لو''۔

فرشتہ نے کہا:

''یہ سب کچھ تم اپنے پاس رکھو۔ یہ تمہاری آزمائش تھی۔ اللہ تم سے راضی ہے''۔

(سنہری دور، ص ۸۸)

صاحبو! یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو مصائب وآلام اور خوشحالی وسربلندی میں آزماتا رہتا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ ہر حال میں صبر وشکر سے کام لیتے ہیں یا اغیار کا دامن تھام لیتے ہیں۔

اس واقعہ کے پہلے دو کردار اپنی خوشحالی و پرمسرت زندگی کو اپنے آبا کی میراث سمجھتے ہیں۔ بخل سے کام لیتے ہیں اور سائل کو دھتکار دیتے ہیں لیکن واقعہ کا تیسرا کردار اپنی بے بسی ومفلسی کے ماضی کو یاد رکھتا ہے۔ موجودہ خوشحالی کو اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھتا ہے اور غرور وتکبر سے پاک رہتا ہے۔ وہ برضا ورغبت راہِ خدا میں۔ سائل کو اس کی خواہش کے مطابق دینے کے لئے آمادہ وتیار رہتا ہے۔

حضرت انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، سب عطائے رب کریم ہے۔ اس میں کسی کی ہنرمندی، علم اور عقل کا عمل دخل نہیں ہے اور جو ایسا سمجھتا ہے جیسا کہ قارون کہتا تھا تو اس خودسری کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ ایسی سوچ انسان کو گمراہ کر دیتی ہے وہ اپنے اوپر حقداروں کے دروازے بند کر لیتا ہے اور سائل کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے تاکہ اپنی تجوریوں کو مزید بھر سکے۔ اسے اپنی خوشحالی وکاروبار پر بڑا ناز ہوتا ہے اور پھر ایک دن اسے گردش زمانہ ایسے شکنجے میں کس لیتی ہے کہ بلبلا اٹھتا ہے۔

ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے واقعات بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ اے لوگو! عقل وخرد سے کام لو۔ خوشحالی وفراخی کاروباری پھیلاؤ۔ تخت وتاج۔ اعلیٰ منصب، مال ودولت کی فراوانی اور عزت وحکمرانی سب منجانب اللہ ہے۔ اس پر اکڑو نہیں اور وقت کی اس کروٹ سے ڈرو جو اکڑنے والوں کو خاک سیاہ کر دیتی ہے۔

واقعہ کے تینوں کردار ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا حال کیا ہے؟۔ ہم ان تینوں میں سے خود کو کس میں شمار کرتے ہیں۔ اگر پہلے دو میں سے ہیں تو رونے کا مقام ہے اور اگر تیسرے کی راہ پر ہیں تو مقام شکر ہے۔

اگر گوش نیوش سے سنیں تو یہ صدائے دلنواز ہر لحظہ فضا میں گونجتی رہتی ہے۔

''اے لوگو! نیک بندوں کی راہ چلو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے آگے سرخم کر دیتے ہیں''۔

حیا اور رضا

قیامت کے دن ایک گروہ بغیر حساب کتاب جنت میں جائے گا۔

فرشتے پوچھیں گے:

''کیا تم نے حساب دیا''

وہ کہیں گے:

''نہیں''

وہ پوچھیں گے:

''تم نے پلصراط پار کیا''

وہ جواب دیں گے:

''ہم نے پلصراط نہیں دیکھا''

فرشتے دریافت کریں گے:

''کیا تم نے دوزخ کو دیکھا''

وہ بتائیں گے۔

''ہم نے نہیں دیکھا''

فرشتے بولیں گے۔

''تم کس کی امت ہو؟''

وہ جواب دیں گے۔

''امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں''۔

فرشتے کہیں گے۔

''ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں بتاؤ تم دنیا میں کیا اعمال کرتے تھے''۔

وہ بتائیں گے۔

ہمارے اندر دو خصلتیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیں اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

پہلی یہ کہ جب ہم خلوت میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے حیا کرتے تھے اور

دوسری یہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ جو عطا فرماتا' اس تھوڑے پر بھی راضی برضا رہتے تھے۔

فرشتے کہیں گے۔

''تم واقعی اس کے حقدار ہو''۔ (سنہری دور' ص ۹۰)

صاحبو! اس واقعہ میں دو صفات کا ذکر ہے۔

الف: خلوت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کرنا اور

ب: اللہ تعالیٰ کی تھوڑی عطا پر راضی وخوش رہنا۔

یہ دو ایسی صفات ہیں جن کا دائرہ تمام تعلیمات اسلامیہ تک پھیلا ہوا ہے۔ پہلی صفت حیا کو لے لیں۔ جو شخص خلوت میں رب کریم کی نافرمانی کی جسارت نہ کرتا ہو وہ جلوت میں بھی اس کا ارتکاب نہیں کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی زندگی رب ودود اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت میں بسر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ خود حیا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی جماع یا انسان کے ستر والے اعضا کا ذکر ہوا ہے تو کنایہ اور ابہام کے ساتھ ادا ہوا ہے اور ہمارے بزرگ اور عظمت والے لوگ بھی اپنے کلام میں فحش کے ذکر اور ایسی تمثیلات کے استعمال سے جو فحش پر مشتمل ہوں حیا فرماتے تھے اور ہیں۔ (تفسیر عزیزی' ج ا' ص ۲۹۳)

حیا اس عادت کو کہتے ہیں جو انسان کو قبیح اور فحش کام کرنے سے روکتی ہے اور حقدار کے حق میں کوتاہی سے منع کرتی ہے۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۳۸۵/ جامع العلوم الحکم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔

''حیا اور ایمان دونوں جڑواں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک اٹھ جائے۔ ختم ہو جائے تو دوسرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے''۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۳۸۹)

حیا ہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو انسان کو حیوان سے ممیز کرتی ہے۔ اگر کوئی بے حیائی پر اتر

آئے تو وہ سب کچھ کر گزرتا ہے۔ اس کا ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پہلے انبیاء کے کلام سے جو لوگوں نے ابھی تک محفوظ رکھا۔ یہ بات (بھی) ہے جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کئے جا''۔ (تعلیمات نبویہ' ج ۵' ص ۳۸۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کنواری لڑکی اپنے پردہ میں بھی اتنی شرمیلی اور حیادار نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحیا اور شرمیلے تھے۔

(صحیح بخاری/ حیاۃ الصحابہ' حصہ ۷' ص ۶۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت طلب کی اور اندر داخل ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت طلب کی اور وہ بھی اندر آئے۔ پھر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت طلب کی اور وہ بھی داخل ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں زانو ڈھک لئے اور اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ چنانچہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی اور تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے والد اور ان کے ساتھی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کپڑے کو اپنے گھٹنے پر نہ کھینچا اور نہ مجھے اپنے پاس سے ہٹنے کا حکم دیا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اس شخص (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں''۔ (حیاۃ الصحابہ' حصہ ۷' ص ۵۴/ طبرانی)

دوسری صفت اللہ تعالیٰ کی تھوڑی عطا پر راضی وخوش رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر کون جانتا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو کیا' کتنا اور کب دینا ہے۔ لہٰذا اس کی عطا پر ہی راضی برضا

رہنا اس کا بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے انسان کے اندر خوف خدا بھی بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے اور وہ حرص، لالچ، طمع، مال حرام، خواہشات اور نفس و شیطان کا شکار ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ لہٰذا حیا اور رضا کی صفات سے جو متصف ہو وہ بفضل ایزدی بغیر حساب جنت میں چلا جاتا ہے۔ ہمارے آقا و مولا، رحمت مجسم، حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اولیاء اللہ و بزرگان رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقدس زندگیوں کی جلوت و خلوت ان کے حیا کے پیکر ہونے اور راضی برضا رہنے پر گواہ ہیں۔

ہم ان کو ماننے والے ہیں۔ ہمارا حال کیا ہے؟۔ ہم کس حد تک خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حیا کرتے اور اس کی عطا پر راضی و خوش رہتے ہیں۔ یہ سوچ کر ہی ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں۔ خلوت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کرنا تو درکنار ہم جلوت میں بر سر عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہیں اور شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ ارد گرد میں نظریں دوڑا کر دیکھ لیں۔ جگہ بہ جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی دکانیں سجی ہوئی ہیں۔ نفس امارہ جو بے حیائی کا امر کرتا ہے ہر سو اسی کی حکمرانی ہے اور قناعت و رضا برضا کے الفاظ کو لوگوں نے اپنی زندگی کی کتاب سے نکال رکھا ہے۔ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے بھرے بازار میں کہیں میری بھی تو کوئی دکان نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہنے کے بجائے میں نے اپنے آپ کو نفس و شیطان اور خواہشات کے حوالے تو نہیں کر رکھا ہے۔ جب میں ان باتوں پر غور کرتا ہوں تو میرے وجود کے اندر بیٹھا ہوا چور منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ کہیں میں اسے دیکھ نہ لوں کیونکہ میں بھی رب کریم کی نافرمانی میں دلیر اور راضی برضا کی صفت سے تہی دامن ہوں۔

خلوت و جلوت میں حیا کرنا اور راضی برضا رہنا اہل جنت کی اور اس کے برعکس اہل جہنم کی صفت ہے۔ ہم نے ان میں سے کس کا ہاتھ تھام رکھا ہے۔ اپنے ضمیر سے پوچھ لیں۔ اگر جہنمی صفت حال ہے تو توبۃ النصوحا کرتے ہوئے جنتی صفت کے دامن میں پناہ لے لیں۔ اس سے بڑا نفع کا سودا اور کوئی نہیں ہے۔

منصفانہ تقسیم آمدن

ایک شخص جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے محوِ خرام تھے۔ اچانک فضا میں ایک آواز ابھری۔ کہنے والا بادل کے ایک بڑے سے ٹکڑے کو کہہ رہا تھا۔

''فلاں شخص کے باغ کو پانی دو''۔

چنانچہ تھوڑے فاصلے پر وہ بادل برسنے لگا اور پانی ایک ندی کی شکل میں بہنے لگا۔ وہ شخص اس ندی کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک شخص اس پانی سے اپنے باغ کو سیراب کر رہا تھا۔ اس شخص نے باغ والے سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا: یہ وہی تھا جس کا نام اس نے فضا میں سنا تھا۔ باغ والے نے نام پوچھنے کی وجہ دریافت کی تو اس شخص نے سارا واقعہ بتایا اور پوچھا:

''آپ کا وہ کون سا عمل ہے جو اس قدر مقبول ہے''۔

باغ والا بولا:

''یہ تو میں جانتا نہیں۔ البتہ میں باغ کی کل پیدوار کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ مخلوق اللہ پر خرچ کرتا ہوں۔ دوسرا حصہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لیتا ہوں اور تیسرا حصہ دوبارا اسی باغ میں لگا دیتا ہوں''۔ (سنہری دور، ص۹۱)

صاحبو! اس واقعہ کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ

الف: انسان کو اپنی آمدن کی تقسیم اس انداز سے کرنی چاہئے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہو۔

ب: اہل و عیال کا بھی حق ادا ہو۔

ج: مخلوق اللہ کے ساتھ بھی نیک برتاؤ کیا جائے اور

د: فروغ کاروبار کا بھی اہتمام کیا جائے۔

ایسے لوگ جو دوسروں کا بخت سلب نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح مدد فرماتا ہے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

سورہ البقرہ، آیت ۱۷۷ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"نیکی کا اصل مزاج یہ نہیں ہے کہ تم اپنے رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی کی اصل سے آشنا وہ ہے جو اللہ، روزِ آخر، فرشتوں، اللہ کی کتاب اور سارے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اپنا مال قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، راہ نشینوں (مسافر)، مانگنے والوں اور بندھنوں میں جکڑے ہوئے لوگوں (قیدی) پر خرچ کرے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل جلالہ نے نیکی کی اصل سے ان لوگوں کو آشنا قرار دیا ہے جو متذکرہ لوگوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو اس ارشاد ربانی پر عمل کرتے ہیں تو ان کو رب کریم اپنی رحمتوں اور انعام واکرام سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ ان کو اس انداز سے مدد بہم پہنچاتا ہے کہ حدِ فہم وادراک سے ماوراء ہے۔

مال کو متذکرہ چھ قسم کے لوگوں پر خرچ کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی شخص کی چھ ہزار روپے آمدن ہو تو وہ ان پر برابر برابر تقسیم کردے بلکہ راہ خدا میں خرچ کرتے وقت قرآنی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کو اولیت دی جائے۔ یہ سب لوگ مخلوق اللہ میں شامل ہیں۔ اہل وعیال اور والدین کا بھی حق ہے اس کو بطریق احسن ادا کیا جائے اور فروغ کاروبار کے لئے بھی سرمایہ لگایا جائے۔

لیکن جب آمدن کی منصفانہ تقسیم نہیں کی جاتی اور مخلوق اللہ کو نظر انداز کردیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے نازل ہونے والے وبال کو روکا نہیں جاسکتا ہے۔ انسانی زندگی پر اس کے اثرات بے اطمینانی، ناساعد حالات، گمنام پریشانیوں، انجانے تفکرات اور کاروبار میں تنزلی وخسارے کی صورت میں نمودار ہونے لگتے ہیں۔ لیکن حضرت انسان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

ہر انسان اگر اپنی زندگی، گھریلو ماحول اور اپنے روزگار کے متعلق چند لمحے تعمق کرلے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ اگر مصائب اور پریشانیاں قطار اندر قطار اس کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ کاروبار تسلی بخش نہ ہو۔ طمانیت وسکینہ مفقود ہو تو باور کرلینا چاہئے کہ وہ آمدن کی منصفانہ تقسیم خصوصاً مخلوق خدا کے حقوق کی طرف سے غافل ہے۔ یہ لمحہ فکریہ بھی ہے اور سنبھلنے کا مقام بھی۔

"ہمارا کیا حال ہے؟"

یہ سوال ایک آئینہ ہے۔ اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیں، کیا کہتا ہے۔

محبت منتظر ہے

ایک خاتون اپنے گھر سے باہر نکلی تو اسے سفید لمبی داڑھیوں والے تین بوڑھے اس کے باغ میں بیٹھے دکھائی دیئے۔ عالم تجسس میں وہ ان کے پاس گئی اور پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

اور یہ بھی کہا:

"شاید آپ کو بھوک لگی ہو لہٰذا گھر کے اندر تشریف لے آئیں اور کچھ تناول فرمائیں"۔

ان میں سے ایک نے پوچھا:

"آپ کے گھر میں کوئی مرد ہے؟"

"نہیں! وہ کام پر گئے ہیں"۔

عورت نے جواب دیا تو انہوں نے بیک زبان کہا:

"پھر ہم نہیں آئیں گے اور ان کے واپس آنے تک انتظار کریں گے"۔

شام کو جب عورت کا خاوند کام سے واپس آیا تو اس نے سارا ماجرا بتایا۔ بیوی کی بات سن کر خاوند نے کہا:

"انہیں جاکر بتاؤ کہ اب وہ گھر میں آسکتے ہیں"۔

لہٰذا وہ عورت ان کے پاس گئی اور گھر میں آنے کو کہا۔ عورت کی بات سن کر ان تینوں میں سے ایک نے کہا:

"ہم اکٹھے نہیں آسکتے۔ میں سب کا تعارف کروائے دیتا ہوں۔ اس نے ایک کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

یہ دولت ہے۔

دوسرے کی طرف انگشت کرکے بتایا۔

اس کا نام کامیابی ہے۔

اور میرا نام محبت ہے۔

آپ اپنے خاوند سے پوچھ کر بتائیں کہ ہم تینوں میں سے کون گھر کے اندر آئے۔

عورت نے ساری بات خاوند کو بتائی۔ اسی دوران میں ان کا بیٹا بھی آ گیا۔ اس نے بھی اپنی ماں کی بات سن لی تھی۔

ماں نے کہا:

''کامیابی کو اندر بلا لیتے ہیں''۔

بیٹا بولا:

''دولت کو بلاتے ہیں''۔

خاوند نے محبت کو بلانے کا مشورہ دیا۔ تینوں میں بحث ومباحثہ کے بعد یہی طے پایا کہ محبت کو اندر بلا لیتے ہیں۔ اس سے گھر میں سکون اور خوشی آ جائے گی۔ عورت نے جا کر کہا:

''محبت آ جائے''۔

محبت کے ساتھ باقی دونوں بزرگ بھی چل پڑے۔ عورت نے حیرت سے پوچھا:

''میں نے صرف محبت کو مدعو کیا تھا اور آپ دونوں بھی ساتھ آ رہے ہیں''۔

انہوں نے جواب دیا:

''اگر آپ دولت یا کامیابی کو دعوت دیتیں تو باقی دو ساتھ نہ آتے اور باہر ہی رہتے۔ لیکن آپ نے محبت کو مدعو کیا ہے لہٰذا جہاں محبت ہوگی وہاں دولت اور کامیابی بھی لازمی ہوگی''۔ (سنہری دور، ص ۹۳)

صاحبو! محبت ایسی قوت عظیمہ ہے جس سے

☆ تسخیر کائنات ممکن ہے۔
☆ معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔
☆ متلاطم سمندروں کو عبور کیا جاسکتا ہے۔
☆ مصائب وآلام کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔
☆ دلوں پر حکمرانی کی جاسکتی ہے۔
☆ دشمنوں کو زیر کیا جاسکتا ہے۔

☆ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو دور کیا جاسکتا ہے۔
☆ ستاروں پر کمند ڈالی جاسکتی ہے۔
☆ ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کیا جاسکتا ہے۔

لیکن فی زمانہ حالات جس نہج پر جا رہے ہیں، محبت شجر ممنوعہ بنتی جا رہی ہے۔ عملی دنیا میں دور دور تک اس کا نام ونشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ہر سو حرص وآز، مفاد پرستی اور طمع ولالچ نے پنجے گاڑھ رکھے ہیں۔

جہاں خالص اور سچی محبت ہو تو وہاں انداز جداگانہ ہوتے ہیں۔ دوسرے کے نقصان وضیاع کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے۔ مثلاً

☆ اگر اولاد کو والدین سے سچی محبت ہو تو وہ ان کی گستاخ ونافرمان نہیں ہو سکتی۔
☆ اگر شاگرد کو استاد سے محبت ہو تو وہ اس کا بے ادب نہیں ہو سکتا۔
☆ اگر استاد کو شاگرد سے محبت ہو تو وہ اسے علم منتقل کرنے میں بخل سے کام نہیں لے سکتا۔
☆ اگر دکاندار کو گاہک سے محبت ہو تو وہ اسے ناقص، گھٹیا اور مہنگا سودا نہیں دے سکتا۔
☆ اگر آجر کو اجیر سے محبت ہو تو وہ اس پر ظلم وزیادتی روا نہیں رکھ سکتا۔
☆ اگر اجیر کو آجر سے محبت ہو تو وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
☆ اگر ڈاکٹر کو مریض سے محبت ہو تو وہ اس کی دیکھ بھال اور صحت کے معاملہ میں غفلت ولاپرواہی کا شکار نہیں ہو سکتا۔
☆ اگر حکمرانوں کو رعیت سے محبت ہو تو وہ اس کے حقوق پامال نہیں کر سکتے۔
☆ اگر رعیت کو حکمرانوں سے محبت ہو تو وہ حکومت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔
☆ اگر والدین کو اولاد سے محبت ہو تو وہ اس کو بہترین اخلاق وکردار، عادات وخصائل، علم دوست اور عبادت گزار بنانے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔
☆ اگر ہمسائے کو ہمسایہ سے محبت ہو تو دونوں امن وسکون سے رہ سکتے ہیں۔
☆ اگر میاں بیوی کو ایک دوسرے سے محبت ہو تو گھر جنت بن سکتا ہے۔
☆ اگر سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین کو عوام الناس سے محبت ہو تو وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی سے نہ صرف بطریق احسن ایماندارانہ انداز سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں بلکہ

لوگوں سے متعلقہ امور خوش دلی، خوش اسلوبی اور خلوص نیت سے بعجلت سرانجام دے سکتے ہیں۔

☆ اگر قلب و ذہن اور روح پر رب ودود اور اس کے محبوب رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی حکمرانی ہو تو نہ صرف زندگی جنت بداماں بن جاتی ہے بلکہ آخرت میں بھی جنت الفردوس کو چشم براہ پایا جا سکتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

کیا آپ محبت کی صفت سے متصف ہیں۔ اگر نہیں تو اس کو تلاش کریں۔ وہ آپ کے اندر ہی کہیں چھپی بیٹھی مل جائے گی۔ لاریب جہاں محبت ہوتی ہے اس کے ہمرکاب دولت و کامیابی کے علاوہ انگنت رحمتیں اور برکتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کے نور سے انسانی زندگی کا ہر گوشہ اور دنیا سے آخرت میں جنت الفردوس کی طرف جانے والی راہیں اجلی اجلی روشن روشن ہو جاتی ہیں۔

کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ محبت کی خوشبو سے لبریز، نغمہ زن اور دلفریب راہ پر گامزن ہوں۔ دل چاہتا ہے نا تو پھر بسم اللہ۔ پہلا قدم اٹھائیں۔ محبت تو عرصہ دراز سے آپ کی منتظر ہے۔

پچھتاوا

ایک شخص ملازمت کے لئے کسی شخص کے پاس گیا۔

مالک نے کہا:

''میں تمہیں ایک باغ میں بھیجتا ہوں جس کے چار حصے ہیں۔ باغ کے کسی ایک حصے سے میرے لئے بہترین پھل لانا۔ لیکن یاد رہے کہ جب ایک حصے سے نکل جاؤ تو پھر دوبارہ اس میں واپس نہیں جانا۔ اگر تم میرے لئے اچھے میٹھے اور بہترین پھل لے آئے تو ملازمت کے ساتھ بہت بڑا انعام بھی دوں گا''۔

ملازمت کا طالب شخص باغ میں گیا۔ باغ کے پہلے حصہ میں اس نے اچھے پھل پائے لیکن چنے نہیں کہ دوسرے حصے سے لوں گا۔ شاید وہاں اس سے بھی اعلیٰ اور اچھے پھل ہوں۔ جب وہ دوسرے حصے میں داخل ہوا تو وہاں پہلے حصے کی بہ نسبت عمدہ پھل دیکھے لیکن وہاں سے بھی اس نے کوئی پھل نہ لیا، اس خیال سے کہ اگلے حصے میں عین ممکن ہے اس سے بھی اعلیٰ پھل ہوں۔ اس کے بعد وہ باغ کے تیسرے حصے میں گیا تو وہاں دوسرے حصے سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور میٹھے پھل دیکھے لیکن یہ سوچ کر کہ چوتھے حصے میں اس سے بھی اچھے پھل ہوں گے، یہاں سے کچھ نہ لیا اور چوتھے حصے میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس حصے میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ یہاں گلے سڑے اور خراب پھل ہیں۔ اب اس شخص کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس واقعہ میں جو باغ کی مثال دی گئی ہے وہ دراصل انسان کی زندگی کے چار حصے ہیں۔ ان میں پہلا بچپن، دوسرا لڑکپن، تیسرا جوانی اور چوتھا بڑھاپا ہے۔ اس وقت آپ زندگی کے جس حصے میں ہیں، اسے غنیمت سمجھتے ہوئے جتنے اچھے اور میٹھے پھل بصورت صالح اعمال چن سکتے ہیں اس میں کوتاہی نہ کریں، اس لئے کہ زندگی کے جس حصے سے آپ نکل جائیں گے دوبارہ لوٹ کر اس میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئیگا۔ لہٰذا وقت

ضائع نہ کریں۔(سنہری دور،ص ۹۵)

صاحبو! زندگی اور اس کا ایک ایک لمحہ بے حد قیمتی و گرانمایہ ہے۔ بزرگانِ دین ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔

''جو دم غافل سو دم کافر''

ہر انسان دن میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے اور جو سانس اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل گزر جاتا ہے وہ اجاڑ و بنجر کھیتی کی مانند ہے۔ ہمارے سانسوں کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر سے غفلت ولا پرواہی کی وجہ سے اجاڑ و ویران ہیں یا اس کے ذکر سے پر بہار و مشکبار ہیں۔

زندگی ہر لحظہ رواں دواں ہے اور یہ مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی اپنے منطقی انجام سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اہل علم نے اسے چار ادوار میں منقسم کیا ہے۔

الف: بچپن

ب: لڑکپن

ج: جوانی اور

د: بڑھاپا

اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا جو اس نے زندگی کی شکل میں عطا کی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس کے ہر دور پر اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی مہر لگی ہوئی ہو۔

جہاں تک بچپن کا تعلق ہے تو اس کو خوبصورت بنانے میں والدین کو اپنا کردار بطریق احسن ادا کرنا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ بچے کی رزق حلال سے پرورش اور تعلیم و تربیت کی جائے کیونکہ اس سے پیدا ہونے والا خون جب رگوں میں دوڑتا ہے تو اس کے خوبصورت اثرات زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔

لڑکپن کے دور میں بھی والدین پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ اس کو اسلامی تعلیمات سے مزین کیا جائے۔ اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر اور اصلاح احوال کے لئے سازگار ماحول مہیا کیا جائے۔ اس طرح بچے کا بچپن اور لڑکپن ایک خاص رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ دین اسلام کا والہ و شیدا بن جاتا ہے۔

بچپن اور لڑکپن زندگی کی بنیاد ہیں جن پر آئندہ زندگی کے اچھے یا برے ہونے کا انحصار ہے۔

جوانی میں توبہ و استغفار، عبادت و ریاضت، بہترین اقوال و احوال و افعال اور اخلاق و کردار سے انسان کے شب و روز پر صبغت اللہ اور محبت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس سے وہ دنیا کی آلائشوں، گناہوں، شیطانی، ترغیبات، شہوات، نفسانی خواہشات کے جالوں سے بفضل ایزدی محفوظ رہتا ہے۔ نتیجتاً زندگی کا یہ دور جو حاصل زندگی ہوتا ہے۔ آخرت کے لئے بہترین توشہ و سرمایہ کا ذریعہ بن جاتا ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حال کا ہی مستقبل بنتا ہے۔

وقت کے ہم آہنگ جوانی جب بڑھاپے کا لبادہ زیب تن کرتی ہے تو وہ بھی سرمایہ آخرت ثابت ہوتا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ والسلام کی سوغات بھیجنے میں اور قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں بسر ہوتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

ہمارے بچے اور ہم زندگی کے جس بھی دور میں ہیں، کیا وہ اور ہم اس میں سے آخرت کو سنوارنے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے حقیقی معنوں میں جھولیاں بھر رہے ہیں یا نہیں۔ اگر میں اپنے بچوں کی ان کی عمر کے دور کے لحاظ سے آخرت کو سنوارنے کی بنیادیں مضبوط نہیں بنا رہا اور میں اپنی عمر کے جس دور میں ہوں۔ اس کی طرف سے غافل اور بے حس ہوں۔ زاد راہ اکٹھی نہیں کر رہا تو مجرم ہوں۔ میں اپنے بچوں اور اپنی آخرت کے راستے میں خار مغیلاں کی جھاڑیاں اگا رہا ہوں۔ آتشیں جہنمی گڑھے کھود رہا ہوں۔ رب کریم اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر رہا ہوں۔

زندگی کے ہر دور سے جنت کے میوے چننے کے لئے لمحہ موجود، زندگی کے یہ سانس بے حد گرانمایہ ہیں۔ انہیں ضائع کرنے سے پچھتاوے کا ایسا روگ لگ جائے گا جس کا مداوا ناممکن ہوگا اور عمر رفتہ کو آواز دینے سے وہ لوٹ کر نہیں آئیگی۔

دونوں جہاں میں موجیں

ایک امیر لڑکے کے بہت سے دوست تھے۔ ایک دن اس کے باپ نے کہا:

''کیا تمہارے دوستوں میں کوئی حقیقی دوست بھی ہے جو مشکل میں کام آئے یا صرف روپے پیسے کی وجہ سے دوست بنے ہیں''۔

لڑکے نے جواب دیا:

''ابا جان! میرے سارے دوست اچھے ہیں''۔

باپ نے کہا:

''ان کو آزمالو اور انہیں جا کر کہو کہ میرے باپ نے گھر سے نکال دیا ہے۔ مجھے کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رکھ لو''۔

باپ کے مشورے پر وہ باری باری تمام دوستوں کے پاس گیا مگر سب نے اپنی اپنی مجبوریاں بتا کر اسے رکھنے سے انکار کر دیا۔ لڑکا واپس آیا اور باپ سے کہا:

''آپ نے سچ کہا تھا ان میں کوئی بھی حقیقی دوست نہیں جو مصیبت میں کام آئے''۔

بیٹے کی بات سن کر باپ نے کہا:

''میرا بھی ایک دوست ہے میں تمہیں اس سے ملواتا ہوں''۔

چنانچہ دونوں باپ بیٹا چل پڑے۔ جب وہ اپنے دوست کے گھر پہنچا تو کافی رات ہو چکی تھی۔ باپ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے پوچھنے پر اس نے اپنا نام بتایا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہاں کھڑے کھڑے جب کافی دیر ہو گئی تو بیٹے نے باپ سے کہا:

''آپ کا دوست تو میرے دوستوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ کم از کم وہ دروازہ کھول کر باہر تو آ جاتے تھے''۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باپ کا دوست باہر نکلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تھیلی

دوسرے میں تلوار تھی اور اس کے عقب میں ایک عورت چادر لئے کھڑی تھی۔ اس نے سلام کے بعد دروازہ دیر سے کھولنے پر معذرت کی اور کہا:

''جب آپ نے دروازے پر دستک دی اور نام بتایا تو میں نے سوچا کہ کافی مدت کے بعد میرا دوست آیا ہے۔ یقیناً کسی مشکل میں ہوگا۔ میں نے روپوں کی تھیلی زمین میں چھپائی ہوئی تھی، سب سے پہلے اسے نکالا کہ شاید پیسے کی ضرورت ہو۔ پھر تلوار ہاتھ میں لی کہ اگر میری جان کی ضرورت ہو تو پیش کر سکیں۔ پھر اپنی بیوی کو تیار ہونے کے لئے کہا کہ عین ممکن ہے کہ آپ کی بیوی بیمار ہو جس کی تیمارداری کرنا ضروری ہو''۔

اس شخص نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا اور اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''حقیقی دوست یہ ہوتا ہے جو کہ اپنا مال اور جان دوستوں پر قربان کرتا ہے''۔

(سنہری دور، ص ۱۰۲)

صاحبو! دوست کا لفظ سب نے سن رکھا ہے لیکن حقیقی معنوں میں دوست کون ہوتا ہے اس کا ادراک بجز الا ماشاء اللہ کسی کو نہیں ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں اگر مخلص دوست چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو ملتا نہیں ہے۔ سب مطلب کے یار ہیں اور جس کو جس سے جتنا مطلب ہوتا ہے اتنا ہی وہ اس کا دوست ہوتا ہے۔

لفظ دوست چار لفظوں سے بنتا ہے۔ پہلے حرف ''د'' سے دیانتداری، دوسرے لفظ ''و'' سے ورع، تیسرے لفظ ''س'' سے سخاوت اور چوتھے لفظ ''ت'' سے تدبر مراد ہے۔ جس میں یہ چاروں اوصاف ہوں تو وہ اس قابل ہے کہ اس سے دوستی کی جائے کیونکہ ''دیانتداری'' تقاضا کرتی ہے کہ دوست کے عیوب بتائے جائیں تاکہ وہ اصلاح احوال کر سکے لیکن آج کل اگر کوئی دوست دوسرے کی کوتاہیوں، کمزوریوں اور غیر شرعی افعال کی نشاندہی کرتا ہے تو اسے دشمن سمجھا جاتا ہے۔ ورع یعنی پرہیزگاری تقاضا کرتی ہے کہ دوست کو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع میں مددگار ثابت ہو۔ سخاوت تقاضا کرتی ہے کہ دوست سے دینی و دنیاوی معاملات میں کوئی بخل روا نہ رکھے اور تدبر اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ دوست سے تعلقات اور اس کی عملی زندگی میں تدبر سے کام لے۔

دوستی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک دو اشخاص میں ایک یا ایک سے زیادہ قدریں مشترک نہ ہوں۔ مثلاً شرابی اور جواری ہم مشرف ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے تعلق

رکھتے ہیں اور نیک و پارسا لوگ باہم دوست ہوتے ہیں کیونکہ ان میں ذہنی وفکری وجذباتی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دوست دوست کے مذہب پر ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے اس صورتحال کی عکاسی اپنے شعر میں کی ہے۔ کہتا ہے:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

اگر یہ جاننا مقصود ہو کہ کون کس قماش اور فطرت کا ہے تو اس کے دوستوں کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ حقیقت از خود روشن ہو جائے گی۔ جس طرح دریا کے دو کنارے آمنے سامنے ہونے کے باوجود باہم مل نہیں سکتے۔ بعینہ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ راسخ العقیدہ نیک و پارسا شخص بدمذہبوں، بدعقیدہ لوگوں اور بدکاروں کا دوست ہو۔

بزرگ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو فضا میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی اللہ نہ سمجھ لینا تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند نہ ہو۔ دوست بناتے وقت بھی اسی چیز کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بھی دوست بناتا ہے۔ وہ جن کو دوست بناتا ہے ہمیں بھی انہیں دوست بنانا چاہئے تاکہ ان کے صدقے میں ہم پر بھی سحاب رحمت الٰہیہ برستا رہے۔ اللہ تعالیٰ صرف ان کو دوست بناتا ہے جو اس کی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کرتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور جب وہ اس میں صادق القول وعمل ثابت ہوتے ہیں تو انہیں بارگاہ صمدیت سے محبوبیت کا درجہ عطا ہو جاتا ہے۔ سورہ ال عمران کی آیت ۳۱ میں ارشاد خداوندی ہے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ارشاد فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی حب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمتوں والا ہے''۔

اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے تو اس پر حزن وملال کا مقام نہیں آتا ہے۔ سورہ یونس کی آیت ۶۲ میں ارشاد خداوندی ہے:

الآ ان اولیآء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

یاد رکھو! اللہ کے دوست وہ ہیں کہ انہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ محزوں ہوتے ہیں۔

ان کو تو رب کریم گناہوں سے بھی پاک فرما دیتا ہے۔ حزن وملال کا شکار اور محبوبیت سے وہ محروم ہوتا ہے جو اپنے اللہ تعالیٰ سے دوستی نہیں کرتا ہے۔

ایک دن حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں کسی نے حاضر ہو کر عرض کی:

''مجھے وصیت فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بنالے۔ باقی سب لوگوں کو نظر انداز کردے''۔

جب کوئی اللہ تعالیٰ کو دوست بنالیتا ہے تو ماسوا سے الگ ہو جاتا ہے۔ وہ کسی اور کو دوست بنانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے کیونکہ محبت کی شریعت میں رب ودود سے محبت کے بعد کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا شرک عظیم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے جو آخرت میں بھی اترتا نہیں ہے۔ وہ اللہ سے راضی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی رہتا ہے اور یہ دوستی ایسی دوستی ہے جو ابدالآباد تک قائم رہتی ہے۔

☆ ہمارا حال کیا ہے؟
☆ ہمارے دوست کون ہیں؟
☆ کس قماش کے ہیں؟
☆ اللہ تعالیٰ کے دوست ہمارے دوست ہیں یا عام دنیادار
☆ کیا ہم نے کبھی اللہ تعالیٰ کو دوست بنانے کے لئے اپنے اندر تڑپ محسوس کی ہے؟
☆ کیا ہم اس راستے پر گامزن ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ایوانوں کی طرف جاتا ہے۔

لاریب زندگی کا ہر سانس پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو دوست بناؤ
اللہ تعالیٰ کو دوست بناؤ

اس میں قطعاً شک وشبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوست دنیا میں موجیں کررہے ہیں لیکن دنیاداروں کو نظر آتا نہیں ہے۔ وہ آخرت میں بھی موجیں منائیں گے لیکن وہاں نظر آئیں گے۔

کیا ہمارا دل نہیں چاہتا کہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں موجیں منائیں۔

بیوقوف

ایک امیر آدمی نے ترس کھا کر ایک بیوقوف شخص کو جسے کوئی نوکری نہیں دیتا تھا، ملازم رکھ لیا اور ایک دن بطور مذاق اسے ایک عصا دیا کہ اپنے مرنے سے پہلے اپنے سے زیادہ بیوقوف شخص کو دے دینا۔ ایک دن وہ امیر آدمی بیمار ہو گیا اور اس نے نوکر کو بلایا اور کہا:

"میں جا رہا ہوں"

نوکر نے کہا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں اور کب آئیں گے"۔

امیر آدمی نے کہا:

"میں وہاں جا رہا ہوں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا"

نوکر نے کہا:

"آپ اپنا مال و دولت ساتھ لے جائیں"۔

امیر نے کہا: "یہ چیزیں وہاں کام نہیں آتیں"۔

یہ سن کر نوکر نے وہ عصا اس امیر آدمی کو واپس دے دیا اور کہا:

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہی اس عصا کے حقدار ہیں وہ اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ مال و دولت آگے کام نہیں آئیگا تو اس کو جمع کیوں کیا۔ کیوں نہ اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی آخرت اور اپنی قبر کو آرام دہ کر لیا"۔

(حقیقت دنیا، ص ۶۴)

صاحبو! دنیا میں بیوقوفوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں اور بیوقوفوں میں وہ بیوقوف سب سے زیادہ بیوقوف ہوتا ہے جو آخرت کا سودا دنیا کے عوض کر لیتا ہے۔ ایسا بیوقوف شخص قرآن مجید کی سورہ الھمزہ آیت نمبر ۲ کے مطابق مال جمع کرتا ہے اور خوب گن گن کر رکھتا

ہے۔ اس کا یہ اندھا پن، پاگل پن اسے صلہ رحمی، غریب پروری، حقداروں کے حقوق کی ادائیگی، حلال و حرام میں تمیز، عبادت و ریاضت، سخاوت و زکوٰۃ، صدقہ و خیرات وغیرہ سے روک دیتا ہے اور وقت کے ہم آہنگ جیسے جیسے اس کے مال و زر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس کی حرص و ہوس بھی پاؤں پھیلانے لگتی ہے اور بھول جاتا ہے کہ جمع شدہ مال میں سے صرف وہی مال اس کا اپنا ہے جو اس نے کھا لیا، پہن لیا۔ راہ خدا میں دیا یا کسی رفاہ عامہ کے کام پر صرف کیا۔ باقی سب دوسروں کا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال پر دوسرے عیش کریں گے اور حساب کتاب اس کے گلے پڑ جائے گا۔

مال کی محبت اور بخل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور بخل سے ہی بخیل بنتا ہے۔ ان کے متعلق قرآن حکیم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن لیں جو ہوش کے ناخن لینے کے لئے کافی ہیں۔

سورہ الحشر آیت ۹ میں ارشاد ربانی ہے۔

ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

اور جو شخص اپنے آپ کو بخل سے پاک کرے وہ کامیاب ہو جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے والے لوگوں کو بخل ہی نے تباہ و برباد کیا۔ اس کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ جہنم کا ایندھن بن گئے تھے۔ (ذخیرۃ السلوک، ص ۷۱)

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی ارشاد گرامی ہے:

تین عادات ہلاک کر دیتی ہیں (جن میں سے ایک) بخل کرنا بھی ہے۔

یعنی جس شخص پر بخل غالب ہو جاتا ہے وہ آخرت میں ہلاک ہو جائے گا اور اس کا ایمان تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ بخل ایک معنوی بیماری ہے اس لئے اس کی ہلاکت کے اثرات یوم قیامت ظاہر ہوں گے اور اس کے شکار شخص کو دائمی ہلاکت میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

(ذخیرۃ السلوک، ص ۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں اس دنیا میں الجھی ہوئی ہیں جو انسان ان ٹہنیوں میں سے کسی ایک کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو وہ ٹہنی اسے جنت میں لے جائے گی اور بخل جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے۔ اس کی ٹہنیاں بھی دنیا میں پھنسی ہوئی ہیں۔ جو اس کی کسی ایک ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ اسے جہنم میں لے جاتی ہے۔

(احیاء العلوم الدین' ج ۳' ص ۵۵۰/ کنز العمال' ج ۶' ص ۳۹۱)

روایات کے مطابق بخل قبر میں بچھو کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ریاکاری سانپ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ (ذخیرۃ الملوک' ص ۸۰)

حضرت عکرمہ بن وہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بخیل' برے اخلاق کا مالک اور بدزبان جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(ذخیرۃ الملوک' ص ۱۰۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

دو فرشتے بازاروں میں ہمیشہ ندا کرتے رہتے ہیں۔

ایک کہتا ہے:

"یا اللہ! خرچ کرنے والوں کو (ان کے خیرات کا) عوض دے"۔

دوسرا کہتا ہے:

"اے اللہ! کنجوسوں کو بربادی دے"۔ (احادیث مثنوی' ص ۶۸)

حق یہ ہے کہ زندگی کے ان لمحات میں بخل سے نجات حاصل کر لی جائے تا کہ آخرت کی ہلاکت وعذاب سے بچا جا سکے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ دنیا کے مال وزر کی آخرت کے بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسے ساتھ بھی لے جایا نہیں جا سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی ذوالنون رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی مقتدر اور نابغہ روزگار ہستیاں گزری ہیں جن کی دولت راہ خدا میں خرچ ہوتی تھی اور جو شخص اپنی دولت صرف اپنی ذات' کروفر اور دنیا طلبی کے لئے رکھتا ہے تو اس سے بڑا بیوقوف کوئی نہیں

ہے۔

کیا ہم بھی تو بیوقوف نہیں ہیں؟ لیکن ہم نے اپنی زندگی کو دنیا اور اس کے مال وزر کے نام تو وقف نہیں کر رکھا ہے۔ اگر ہم نے بخل کے درخت کی کسی شاخ کو تھام رکھا ہے تو اسے فوراً چھوڑ دیں۔ یہ بچھو ہے۔ ایسا بچھو جس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا ہے۔

جنت و دوزخ کے دو دروازے

فرغانی ہر سال حج کے لئے جاتے اور نیشاپور سے حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملے بغیر گزر جاتے تھے۔ ایک بار وہ ان کے پاس گیا اور سلام پیش کیا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔ اس پر فرغانی کے دل میں یہ خیال گزرا۔

''ایک مسلمان ان کے پاس آ کر سلام کرتا ہے اور یہ اس کا جواب نہیں دیتے''۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا کہ فرغانی کے دل میں کیا خیال آیا ہے چنانچہ فرمایا:

''اس قسم کا آدمی حج کو جاتا ہے جو اپنی ماں سے نیک برتاؤ نہیں کرتا ہے''۔

یہ سن کر فرغانی واپس فرغانہ اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ مرتے دم تک اس کے پاس رہا اور جب وہ وصال پا گئیں تو فرغانی حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرغانی کا استقبال کیا اور محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔

(رسالہ قشیریہ، ص ۴۵۴)

صاحبو! اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ

۱- ان کی فرمانبرداری و اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔

۲- ان کی بات کو اہمیت دی جائے۔

۳- ان سے تقدم نہ کیا جائے۔

۴- ان کی خوشی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۵- ان کی عزت و احترام کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور

۶- ان کی دل شکنی نہ کی جائے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳-۲۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ تم کسی اور کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہا کرو جب بھی وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں ان میں سے ایک یا دونوں ہی تو انہیں اف تک نہ کہنا، انہیں ڈانٹنا مت اور ان سے جب بھی بات کرنی ہو تو بڑے ہی عزت والے اور شائستہ طریقے سے بات کرنا اور ان کے لئے عجز کے بازو وادائے نیاز کے ساتھ جھکائے رکھنا اور یوں کہنا: پروردگار تو ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

لیکن والدین کی عدم اطاعت کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ وہ رب کریم کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے لئے کہتے ہیں۔ سورہ عنکبوت، آیت ۸ میں ارشاد خداوندی ہے:

اور ہم نے انسان کو تاکید کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا کرے۔ اگر تیرے ماں باپ تیرے ساتھ یہ جھگڑا کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت مت کر۔ تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہوگا تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

''اے موسیٰ (علیہ السلام!) جو شخص ماں باپ سے اچھا سلوک کرے اور میری نافرمانی کرے، میں اسے نیکوکار لکھتا ہوں اور جو آدمی مجھ سے نیکی کرے اور والدین کی نافرمانی کرے، میں اسے نافرمان لکھتا ہوں''۔

(احیاء العلوم الدین، ج ۲، ص ۵۰۰)

کہا گیا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ان کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی۔

''کیا اپنے باپ کے لئے کھڑا ہونے کو بڑی بات سمجھتے ہیں۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں آپ کی پیٹھ سے کسی نبی کو پیدا نہیں کروں گا''۔

(احیاء العلوم الدین' ج ۲' ص ۵۰۱)

والدین کے متعلق رحمت مجسم' راحت انس و جاں رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد عالیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ انسان اپنے والدین کی خدمت گزاری سے جنت اور نافرمانی سے دوزخ کماتا ہے۔ یہ اس کی صوابدید پر ہے کہ وہ ان سے کیا سلوک روا رکھتا ہے۔

مجمع الزوائد ج ۸ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماں باپ سے نیکی کرنا نماز' صدقہ' روزے' حج' عمرہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس کی ناک خاک آلود ہو' اس کی ناک خاک آلود ہو' اس کی ناک خاک آلود ہو''۔

عرض کیا:

''کس کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''

فرمایا:

''جس نے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا اور اس کے باوجود جنت میں داخل نہیں ہوا''۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''والدین کا اولاد پر یہ حق ہے کہ وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں یعنی ان کو راضی رکھنے سے جنت اور ناراض کرنے سے دوزخ ملے گی''۔ (کنز العمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

جس نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے والدین کا فرمانبردار ہے اس کے لئے صبح کو ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اور جس نے اس حال میں صبح کی کہ والدین کے متعلق خدا کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لئے صبح کو ہی جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا:

''اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم کریں''۔

فرمایا:

''اگرچہ ظلم کریں۔ اگرچہ ظلم کریں۔ اگرچہ ظلم کریں''۔

(شعب الایمان' ج ۶/ حضرت انسان' ص ۴۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

''والدین کا فرمانبردار جہنمی نہ ہوگا اور ان کا نافرمان کچھ بھی عمل کرے' گرفتار عذاب ہوگا''۔ (اسلام میں والدین کا مقام)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جسے اس بات سے مسرت و شادمانی ہو کہ اس کی عمر دراز کر دی جائے اور اس کے رزق میں اضافہ کر دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی اختیار کرے''۔

(سنن ابی داؤد' ج ۲' ص ۵۸/ تعلیمات نبویہ' ج ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے''۔ (ترمذی/ حاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ (کنز العمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ماں سے نیکی کرنے کا ثواب دوگنا ہے''۔

(المستدرک للحاکم' ج ۴/احیاء العلوم الدین' ج ۴' ص ۵۰۲)

اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیتے ہیں۔ جب ماں باپ جوان اور خود کفیل ہوں تو اولاد ان کی فرمانبردار ہوتی ہے لیکن جب ان پر بڑھاپا آ جاتا ہے' روزی کمانے سے قاصر ہوتے ہیں تو اولاد کے سہارے کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سعادت مند اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت اور دلجوئی کے لئے اپنی کوششیں وقف کر دے۔ مرض کی حالت میں اگر ان کا مزاج چڑچڑا ہو جائے اور بات بات پر خفا ہوں تو پھر بھی اولاد ان کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ زبان سے اف تک نہ کہے۔

آج کے مادہ پرست دور کے حالات حاضرہ گواہ ہیں کہ بجز خال خال لوگوں کے اکثر کی اولاد اپنے بوڑھے والدین کو بوجھ محسوس کرتی ہے۔ اگر ایک طرف سے کسی دوست کی آواز آئے اور دوسری طرف سے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بیٹے کو آواز دے تو لبیک دوست کی آواز پر کہا جاتا ہے۔ والدین کے ساتھ جو رویہ روا رکھا جا رہا ہے' اس ضمن میں نہایت دلخراش واقعات' اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ روزنامہ نوائے وقت میں چھپا تھا کہ حافظ محمد یوسف محض تھوڑی سی زمین کی خاطر ماں پر تشدد کرتا رہا۔ دوسرے بہن بھائیوں کو ماں سے ملنے نہیں دیتا تھا۔ حتیٰ کہ ماں کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔

حضرت عوام بن حوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک محلے میں گیا۔ اس کے کنارے پر قبرستان تھا۔ عصر کا وقت تھا کہ اچانک ایک قبر شق ہوئی اور اس میں سے ایک شخص نکلا۔ اس کا سر گدھے کا اور باقی بدن عام انسانوں کی طرح تھا۔ اس نے تین بار گدھے کی طرح آواز نکالی اور پھر قبر بند ہو گئی۔ اس قبر کے قریب ہی ایک بوڑھی عورت بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔

ایک عورت نے مجھے مخاطب کر کے کہا:

''اس بڑی بی کو دیکھتے ہو''۔

''ہاں۔ اس کا کیا معاملہ ہے''۔

میں نے دریافت کیا۔ وہ عورت بولی:

''یہ بوڑھی عورت اس قبر والے کی ماں ہے۔ وہ شراب پیتا تھا۔ جب شام کو واپس گھر آتا تو یہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتی کہ اللہ سے ڈر۔ کب تک اس ناپاک شراب کو پیئے گا۔ ماں کی بات سن کر وہ کہتا:

''کیوں گدھے کی طرح چلاتی ہے''۔

ایک دن اس کا بیٹا عصر کے بعد مر گیا۔ جب سے ہر روز بعد عصر اس کی قبر شق ہوتی ہے اور وہ تین بار گدھے کی مانند آواز نکالتا ہے اور پھر قبر بند ہو جاتی ہے۔

(اسلام میں والدین کا مقام/شرح صدر' ص ۱۳۰)

آیئے ایک لمحے کے لئے غور کریں کہ ہمارا حال کیا ہے؟

۱- ہمارا والدین کے ساتھ کیسا سلوک ہے۔
۲- ہم ان کے کتنے فرمانبردار و خدمتگزار ہیں۔
۳- ہم ان کے کس قدر مودب ہیں۔
۴- سارے دن میں ہم ان کے پاس کتنی دیر بیٹھتے اور بات چیت کرتے ہیں۔
۵- ہم نے ان کی دلجوئی کے لئے کیا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔
۶- کیا ہم ان کی ضروریات کا کماحقہ خیال رکھتے ہیں۔
۷- کیا ہم ان کو ہر معاملے میں اہمیت دیتے ہیں۔
۸- کیا ہم ان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔
۹- کیا ہم ان کی ذرا سی تکلیف پر مضطرب ہو جاتے ہیں۔
۱۰- کیا وہ چند روپوں کی خاطر ترستے تو نہیں رہتے ہیں۔
۱۱- اگر وہ کہیں جانا چاہیں تو کیا ہم خوش دلی سے لے جاتے ہیں۔

ان سوالات کے جوابات اگر ہم اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ روا رکھے گئے رویوں سے دریافت کریں تو اکثریت کے سر شرم وندامت سے جھک جائیں گے۔

قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج کے مادہ پرست دور میں بوڑھے والدین غیر مطلوبہ شے کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ بجز الا ماشاء اللہ اولاد میں سے کوئی بھی ان کا پرسان حال نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اردگرد معروفیات کا جال بن رکھا ہے۔ لہٰذا ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ اپنے ہی گھروں میں بے چارگی کی زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اولاد کو آتے جاتے دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کے چہروں اور پیشانیوں پر جلی حروف میں بہت کچھ لکھا ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں لیکن وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے ہیں۔

والدین جنت کے دو دروازے بھی ہیں اور جہنم کے بھی۔ اس کا انحصار اولاد پر ہے کہ وہ کونسے دروازے کھولتے ہیں۔ غور کریں آپ نے اپنے لئے جنت کے دروازے کھول رکھے ہیں یا جہنم کے۔ جواب ملنے میں دیر نہیں لگے گی۔

یہ بچے کس کے ہیں؟

ایک شخص کا باپ فوت ہو گیا۔ جنازہ تیار تھا۔ وہ شخص کافی دیر کے بعد سوٹ بوٹ پہن کر باہر نکلا اور بارعب انداز میں بولا:

''ہاں بھئی جنازہ تیار ہے''۔

''جی ہاں''

لوگوں نے بتایا:

''اس کو گاڑی میں رکھ کر قبرستان چلو، میں بھی آ رہا ہوں''۔

اس شخص کے چہرے پر غم کے آثار تھے نہ کوئی پریشانی۔ لاتعلق تھا۔ لاریب ایسے مرنے والے قبر میں اولاد کی دعاؤں کے لئے ترستے رہتے ہیں۔

(قرآن اور حاملین قرآن، ص ۶۳۰)

صاحبو! غور سے سن لیں۔

۱- والدین پر اولاد کی تربیت و تعلیم فرض ہے۔

۲- اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

۳- ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی اور اولاد بھی ماں باپ کی رعیت ہے۔

۴- بلوغت سے قبل اولاد خدائی مہمان ہے لہٰذا اس کی مہمان نوازی اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے علاوہ اسے حسن اخلاق و کردار سے بھی مزین کرنا ہوتا ہے۔

۵- اولاد کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے۔

۶- اولاد کے حلقہ احباب اور نشست و برخاست پر نظر رکھنا والدین کی اولیں ذمہ داری ہے۔

۷- اولاد کے لئے صالحانہ ماحول مہیا کرنا والدین پر لازم ہے۔

۸- اولاد کو اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کرنا والدین پر واجب ہے۔

۹- اولاد کے لئے رزق حلال مہیا کرنا فرض عین ہے۔

۱۰- علماء حق، صلحاء، پارسا و نیک لوگوں اور اولیاء اللہ کی محافل میں اولاد کو لے جانا والدین پر لازم ہے۔

۱۱- اولاد کے اچھے اور اسلامی نام رکھنا بھی والدین کے ذمہ ہے۔

۱۲- اولاد کو حقوق اللہ کا پابند بنانا والدین کے فرائض میں سے ہے۔

۱۳- اولاد کو برے دوستوں سے دور رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے۔

اگر ان امور کی طرف سے اولاد کے لئے غفلت و لاپرواہی برتی جاتی ہے تو اس کا خمیازہ نہ صرف اولاد بلکہ والدین کو بھی بھگتنا پڑتا ہے اور معاشرے میں بھی فساد برپا ہوتا ہے۔

اگر گھروں کے اندر، گردوپیش کے ماحول اور معاشرے کی روز افزوں بگڑتی ہوئی صورتحال کا جائزہ لیں تو اس کی ذمہ داری والدین، مصلحین، علماء، اساتذہ اور حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ جب موجودہ نوجوان نسل کو بچپن سے لے کر جوانی تک کہیں سے رہنمائی میسر نہیں آتی تو وہ اپنی راہیں خود متعین کرنے لگتی ہے۔

متعدد بار اس امر کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ نوجوان نسل دور حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر جب کوئی سوال اپنے والدین، علماء یا اساتذہ سے دریافت کرتی ہے تو ان کے پاس مدلل جواب نہیں ہوتا۔ وہ خود بے بہرہ ہوتے ہیں اور خفت مٹانے کے لئے آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔

اصول فطرت ہے کہ خلا نے بہرحال پر ہونا ہوتا ہے۔ لہٰذا نوجوان نسل کی علمی جستجو کی پیاس کے خلا کو پر کرنے کے لئے اسلام دشمن قوتیں، بدعقیدگی کے پرچارک اور نفس و شیطان کے ساتھی اسے اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور وہ اسے گمراہ کن لٹریچر اور آزاد ماحول کے ذریعے اسلامی تعلیمات سے بہت دور کر کے شیطانی و نفسانی خواہشات کا دلدادہ، بدعقیدگی کا شکار اور مغربی طرز حیات کا خوگر بنا دیتے ہیں۔ بعض نوجوانوں کو یہاں تک کہتے سنا ہے:

''ہمارے ماں باپ نے اپنے مزے کے لئے ہمیں دنیا میں دھکیل دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے لئے کیا کیا ہے''۔

آیئے ذرا گلیوں، کوچوں، بازاروں اور سڑکوں پر چل کر دیکھتے ہیں جہاں

- ☆ آوارہ پھرتے بچے
- ☆ بھیک مانگتے بچے
- ☆ جرائم پیشہ بچے
- ☆ گھروں سے بھاگے ہوئے بچے
- ☆ گالی گلوچ کرتے ہوئے بچے
- ☆ ناخواندہ بچے
- ☆ بدمعاشوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے بچے
- ☆ برائے فروخت بچے
- ☆ دکانوں پر کام کرتے ہوئے بچے
- ☆ بے آسرا بچے

نظر آتے ہیں۔ یہ ہم سب کے بچے ہیں۔ قوم کے بچے ہیں۔ یہ کس دکھ کے غماز ہیں۔ کس المیہ کے ترجمان ہیں۔ کن کی غفلت کے علمبردار ہیں۔ کبھی کسی نے غور کیا ہے کہ ان کی آنکھیں کیا کہہ رہی ہیں۔ ان کے بھولے بھالے چہرے کس بات کے تمنائی ہیں۔ ان کا افلاس زدہ حلیہ کیا تقاضا کرتا ہے مگر اس کی فرصت ہی کسے ہے۔ جواں باتوں پر غور کرے۔ والدین، مصلحین، علماء، اساتذہ اور حکمران سب ان کے مجرم ہیں۔ جو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھے اور سوئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ خواب غفلت سے کب بیدار ہوں گے۔ ہوں گے بھی یا نہیں یا اسی اندھے پن اور خواب غفلت میں ہی اگلی دنیا کو سدھار جائیں گے اور ان کی مغفرت کے لئے بعد میں کوئی بھی ہاتھ اٹھانے والا نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنے ان بچوں کو سوائے آوارگی، ناخواندگی، جہالت، اسلام سے دوری اور اخلاق باختگی کے دیا ہی کیا ہے اور جب بھی ایسے بچوں کے والدین سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں:

''ہمارے بچے تو ٹھیک ہیں''۔

تو پھر یہ بچے کس کے ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں۔ کسی کے پاس اس کا جواب ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

کہیں یہ ہمارے بچے تو نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو اس وقت سے ڈریں جب روز جزا اس کے بارے میں بارگاہ خداوندی میں جوابدہی ہوگی تو پھر کوئی بہانہ اور تجاہل عارفانہ کام نہیں آئے گا۔

دعویٰ محبت

ایک شخص ایک عورت کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ اس نے پوچھا:

''تم میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو''۔

بولا:

''میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں''۔

عورت نے کہا:

''میرے پیچھے میری بہن آ رہی ہے وہ مجھ سے بہت زیادہ حسین و جمیل ہے''۔

اس شخص نے سنا تو فوراً پیچھے لوٹا اور جب وہ لوٹنے لگا تو اس عورت نے اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا اور بولی:

''اے بیوقوف! اگر تم عاشق ہوتے اور اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اگر سارا شہر حسینوں سے بھر جاتا تو پھر بھی تیری نظر غیر کی طرف نہ اٹھتی۔ محبت تو یہ ہے کہ ایک کو دیکھنے والی آنکھ پھر دوسرے پر نظر نہیں کرتی ہے''۔

(قرآن اور حاملین قرآن، ص ۵۴۹)

صاحبو! محبت کا خمیر غیرت سے اٹھایا گیا ہے۔ محبت مجازی ہو یا حقیقی کوئی محبوب یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کا محب سوائے اس کے کسی غیر کی طرف نظر بھی اٹھا کر دیکھے۔ چہ جائیکہ اسے دل کی زینت بنائے۔ اس واقعہ کا یہی نکتہ عروج ہے۔

بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ جو جلوت میں ہوتا ہے۔ ویسا ہی خلوت میں بھی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جلوت میں پھیلے ہوئے انگنت واقعات شاہد ہیں کہ کوئی عورت یہ قطعاً پسند نہیں کرتی کہ اس سے محبت کرنے والا کسی دوسری عورت کو بھی چاہے اور نہ ہی کوئی مرد گوارا کرتا ہے کہ اس کی محبوبہ کسی اور کی بھی منظور نظر ہو۔ خلوت میں بھی یہی قانون محبت لاگو ہے۔

رب ودود محبت کے معاملہ میں سب سے زیادہ غیرت مند ہے۔ وہ یہ قطعاً برداشت نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ دعویٰ محبت کرنے والے کے دل میں ماسوا کا بھی ڈیرہ ہو۔ لاریب جو دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے آباد و بقعہ نور ہوتا ہے۔ وہ ماسوا سے اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ اسے ہر مقام و حال میں صرف اپنا محبوب ''اللہ'' ہی نظر آتا ہے اور اسی کی رضا و خوشنودی میں اس کی زندگی تمام ہو جاتی ہے۔

سورہ ال عمران آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمتوں والا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں رب ودود سے محبت کے دعویدار کو ''فاتبعونی'' کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے کہ وہ اس میں کس قدر کھرا، مخلص اور صادق القول ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ

☆ فاتبعونی ایسا آئینہ ہے جس میں مدعی محبت الٰہیہ کا ظاہر و باطن صاف دکھائی دیتا ہے۔

☆ فاتبعونی ایسا معیار ہے جو کھوٹے اور کھرے کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتا ہے۔

☆ فاتبعونی ایسا نغمہ ہے جو صرف طیب قلب و روح کی گہرائیوں سے بلند ہوتا ہے۔

☆ فاتبعونی اعمال پاکیزہ و حسنہ کی روح رواں ہے۔

☆ فاتبعونی آخرت کا حسن و نکھار ہے۔

☆ فاتبعونی اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی و رضا و محبت کی سند ہے۔

☆ فاتبعونی قصر محبت الٰہیہ میں داخلے کا مژدۂ جانفزا ہے۔

☆ فاتبعونی جنت الفردوس کا دوسرا نام ہے۔

☆ فاتبعونی صراط مستقیم کا نور، خوشبو اور چراغ ہے۔

☆ فاتبعونی ادب و محبت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے۔

☆ فاتبعونی اللہ تعالیٰ کے محب کا منشور حیات ہے۔

☆ فاتبعونی بہار زندگی اور ثبوت محبت الٰہیہ ہے۔

حالات و واقعات گواہ ہیں کہ لوگوں کی اکثریت کا دعویٰ محبت الٰہیہ صرف قول کی حد تک ہے اور اس کا عملاً کوئی ثبوت بہم پہنچانے سے قاصر ہے۔ لیکن دنیائے محبت میں کھوکھلے دعویٰ اور نعرے کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔ دل ایک ہے اس میں محبوب بھی صرف ایک ہی رکھنا ہوتا ہے اور وہ ''اللہ تعالیٰ'' ہے۔ لہٰذا اے دنیائے محبت الٰہیہ میں قدم رکھنے والو! سن لو کہ یہاں ماسوا کا گزر ناممکنات میں سے ہے۔

ہمارا حال کیا ہے؟

دعویٰ محبت الٰہیہ تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل میں کئی محبوب بٹھا رکھے ہیں۔ لاریب محبت الٰہیہ اور ماسوا ایک دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے ہیں۔ ان دونوں میں سے جو محبوب ہے اسے رکھ لو۔ دوسرے سے از خود کنارہ کش ہو جاؤ گے۔ محبت الٰہیہ کا رخ بلندیوں کی طرف اور ماسوا کا رخ پستیوں کی جانب ہوتا ہے۔ یہ دنیا ہے۔ اگر آخرت کے تحفات سے لطف اندوز ہونا ہے تو صرف ایک کے ہو کر رہو۔ ایک سے محبت کرو۔ ایک کو محبوب بناؤ اور وہ ''اللہ تعالیٰ'' ہے۔ پھر تم بھی اس کے دوست اور محبوب بن جاؤ گے۔

ماحول کا اثر

ایک چمڑہ رنگنے والا عطر فروشوں کے بازار میں گیا اور عطر کی خوشبو سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔لوگ جمع ہو گئے ۔ ہزار کوشش کے باوجود وہ ہوش میں نہ آیا۔انہوں نے اس کے رشتہ دار کو خبر کی کہ وہ بے ہوش پڑا ہے اور کسی طرح بھی ہوش میں نہیں آیا۔اس کا رشتہ دار بھائی وہاں پہنچا۔وہ سمجھدار تھا۔اس نے کہا:

''میں اس کی بیماری سمجھ گیا ہوں۔ہوش میں لے آؤں گا''۔

اس نے لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا تاکہ کوئی اس کے علاج سے واقف نہ ہو سکے۔اس نے اپنا سر اس کے کان کی طرف کیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کے کان میں کچھ پڑھ رہا ہے اور چپکے سے اس کی ناک پر کتے کا پاخانہ مل دیا۔جب اس کے دماغ نے بدبو سونگھی تو اسے ہوش آنا شروع ہو گیا۔لوگ حیران ہو گئے کہ عجیب منتر پڑھا ہے کہ فوراً ہوش آنا شروع ہو گیا ہے۔

(انوار العلوم ج ۴ ص ۷)

صاحبو! جس طرح خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے بعینہٖ ماحول بھی انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اور وقت کے ہم آہنگ وہ اس ماحول کے رنگ میں اتنا رنگ جاتا ہے کہ اس کا حصہ بن کر رہ جاتا ہے اور جب کسی خاص ماحول کا تراشا ہوا بیٹا دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو اس کے لئے وہاں ایک لحہ گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ کہاوت بڑی مشہور ہے کہ ایک عورت چمڑا کا کاروبار کرنے والوں کے ہاں بیاہ کر آئی تو کہتی تھی:

''یہاں سخت بدبو ہے''۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب وہ اس بدبو سے مانوس ہو گئی تو کہتی تھی:

''جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں بدبو ختم ہو گئی ہے''۔

وہ لوگ جو نشہ کرتے' افیون کھاتے' ہیروئن پیتے ہیں' وہ جب اپنے ہم مشربوں میں

ہوتے ہیں تو انہیں نشہ کی بدبو کا قطعاً احساس نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح جو لوگ گناہ آلود زندگی بسر کرتے ہیں۔انہیں گناہوں کا تعفن محسوس ہوتا ہے اور نہ اسے برا خیال کرتے ہیں۔برے سنگھی ساتھیوں کی بھی یہی صورت ہے کہ وہ آپس میں بڑے خوش رہتے ہیں لیکن جب وہ کسی اچھے اور پاکیزہ ماحول میں جاتے ہیں تو انہیں وہاں گھٹن محسوس ہوتی ہے اور وہاں سے بعجلت جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماحول کا اثر صرف انسانوں پر ہی نہیں مکان کی بے جان در و دیوار پر بھی پڑتا ہے۔کہتے ہیں ماحول کے اثر کا جائزہ لینے کے لئے دو یکساں مکان حاصل کر کے ان میں ایک جیسی قلعی اور رنگ و روغن کروایا۔ان میں سے ایک مکان میں ہر طرح کے گناہوں میں آلودہ لوگ رکھے گئے اور دوسرے مکان میں نیک اور پارسا لوگوں کو رکھا گیا۔ایک سال کے بعد ان مکانوں کو خالی کرا لیا گیا اور ازسرنو ان میں قلعی اور رنگ روغن کرا دیا گیا اور چند افراد پر مشتمل ایک ٹیم کو وہاں بھیجا گیا کہ وہ اپنے تاثرات بتائیں۔جس مکان میں گندے اور پلید لوگ رہتے تھے اس کے بارے میں ٹیم کے افراد نے بتایا کہ وہاں انہیں گھٹن محسوس ہوتی تھی۔دل کرتا تھا جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے چلے جائیں اور جس مکان میں اچھے اور نیک لوگ رہتے تھے اس کے متعلق ٹیم کے لوگوں نے بتایا کہ وہاں کشادگی کا احساس ہوتا تھا۔دل چاہتا تھا کہ وہاں ٹھہرے رہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ ہم کس ماحول میں رہتے ہیں۔

☆ ہمارے دوست احباب کیسے ہیں۔

☆ ہم کیسی باتیں سننا پسند کرتے ہیں۔

☆ ہم فارغ اوقات کو کس قسم کے ماحول میں گزارتے ہیں۔

ان سوالات کے جوابات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمیں اپنے ماحول کو بدلنے میں کتنی سعی کی ضرورت ہے۔

علم، عبادت اور عالم

حدیث مبارکہ میں ہے کہ بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں۔ ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین اپنی اپنی کارگزاری پیش کرتے ہیں۔

ایک کہتا ہے:

میں نے اتنے لوگوں کو شراب پلائی۔

دوسرا کہتا ہے:

میں نے اتنے لوگوں سے زنا کروائے۔

تیسرا کہتا ہے:

میں نے فلاں طالبعلم کو پڑھنے سے باز رکھا۔

یہ سن کر ابلیس تخت سے اچھل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس شیطان کو گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے:

''تو نے کام کیا''

دوسرے شیطان یہ دیکھ کر جل جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

''ہم نے اتنے بڑے بڑے کام کئے لیکن پسندیدگی کا اظہار نہ کیا اور اس کی اتنی حوصلہ افزائی کی اور شاباش دی''۔

ابلیس بولا:

''تمہیں نہیں معلوم! جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ لوگ شراب پیتے نہ زنا کرتے۔ بتاؤ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں ہے اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو''۔

انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔

ابلیس باقی شیطان کو ساتھ لے کر طلوع آفتاب سے قبل اس مقام پر پہنچا۔ باقی شیاطین

مخفی رہے اور یہ انسانی شکل میں راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد جو عالم نہیں تھا نماز تہجد کے بعد نماز فجر کے لئے گھر سے باہر نکلا۔ راستے میں ابلیس ملا اور سلیک علیک کے بعد کہا:

''یا حضرت! ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں''۔

''جلدی پوچھو''

اس عابد نے کہا۔ ابلیس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر پوچھا:

''کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کرنے پر قادر ہے''۔

عابد نے سوچا اور کہا:

''کہاں آسمان، زمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی''

ابلیس بولا:

''بس یہی دریافت کرنا تھا''۔

اور پھر دوسرے شیاطین کو مخاطب کر کے کہا:

''اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں ہے پھر عبادت کس کام کی۔ اس کی راہ مار دی ہے''۔

تھوڑی دیر کے بعد عالم آتا ہوا دکھائی دیا۔ ابلیس نے اس سے بھی وہی سوال کیا تو وہ بولا:

''ملعون! تو ابلیس معلوم ہوتا ہے۔ ارے اللہ تعالیٰ وہ قادر ہے کہ اگر چاہے تو ایک سوئی کے ناکے کے اندر کروڑوں آسمان و زمین داخل کر دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس عالم کے جانے کے بعد ابلیس نے دوسرے شیاطین سے کہا:

''دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے''۔

(قرآن اور حاملین قرآن، ص ۶۹۵/ملفوظات احمد خاں بریلوی، ص ۲۷۰)

صاحبو! اس واقعہ سے جو اہم ترین نکتہ عیاں ہوتا ہے وہ یہ کہ علم کی قوت سے شیطان بھی خوفزدہ رہتا ہے۔ صاحب علم پر اس کا کوئی حربہ کارگر ثابت نہیں ہوتا اور بے علم اگر ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہے تو اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو

علم، عبادت اور عالم

حدیث مبارکہ میں ہے کہ بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں۔ ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین اپنی اپنی کارگزاری پیش کرتے ہیں۔

ایک کہتا ہے:

میں نے اتنے لوگوں کو شراب پلائی۔

دوسرا کہتا ہے:

میں نے اتنے لوگوں سے زنا کروائے۔

تیسرا کہتا ہے:

میں نے فلاں طالبعلم کو پڑھنے سے باز رکھا۔

یہ سن کر ابلیس تخت سے اچھل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس شیطان کو گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے:

''تو نے کام کیا''

دوسرے شیطان یہ دیکھ کر جل جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

''ہم۔ نے اتنے بڑے بڑے کام کیے لیکن پسندیدگی کا اظہار نہ کیا اور اس کی اتنی حوصلہ افزائی کی اور شاباش دی''۔

ابلیس بولا:

''تمہیں نہیں معلوم! جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ لوگ شراب پیتے نہ زنا کرتے۔ بتاؤ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں ہے اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو''۔

انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔

ابلیس باقی شیطان کو ساتھ لے کر طلوع آفتاب سے قبل اس مقام پر پہنچا۔ باقی شیاطین

مخفی رہے اور یہ انسانی شکل میں راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد جو عالم نہیں تھا نماز تہجد کے بعد نماز فجر کے لئے گھر سے باہر نکلا۔ راستے میں ابلیس ملا اور سلیک علیک کے بعد کہا:

''یا حضرت! ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں''۔

''جلدی پوچھو''

اس عابد نے کہا۔ ابلیس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر پوچھا:

''کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کرنے پر قادر ہے''۔

عابد نے سوچا اور کہا:

''کہاں آسمان، زمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی''

ابلیس بولا:

''بس یہی دریافت کرنا تھا''۔

اور پھر دوسرے شیاطین کو مخاطب کر کے کہا:

''اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں ہے پھر عبادت کس کام کی۔ اس کی راہ مار دی ہے''۔

تھوڑی دیر کے بعد عالم آتا ہوا دکھائی دیا۔ ابلیس نے اس سے بھی وہی سوال کیا تو وہ بولا:

''ملعون! تو ابلیس معلوم ہوتا ہے۔ ارے اللہ تعالیٰ وہ قادر ہے کہ اگر چاہے تو ایک سوئی کے ناکے کے اندر کروڑوں آسمان و زمین داخل کر دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس عالم کے جانے کے بعد ابلیس نے دوسرے شیاطین سے کہا:

''دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے''۔

(قرآن اور حاملین قرآن، ص ۶۹۵/ملفوظات احمد خاں بریلوی، ص ۲۷۰)

صاحبو! اس واقعہ سے جو اہم ترین نکتہ عیاں ہوتا ہے وہ یہ کہ علم کی قوت سے شیطان بھی خوفزدہ رہتا ہے۔ صاحب علم پر اس کا کوئی حربہ کارگر ثابت نہیں ہوتا اور بے علم اگر ہمہ وقت عبادت وریاضت میں مصروف رہے تو اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو

☆ علم نور ہے۔

☆ علم روشنی ہے۔

☆ علم زندگی کا سنگار ہے۔

☆ علم حق وناحق، جائز وناجائز، خیر اور غیر میں حد فاصل ہے۔

☆ علم روح کی غذا ہے۔

☆ علم ایسا خزانہ ہے جسے کوئی چرا نہیں سکتا ہے۔

☆ علم راستہ ہے جو معرفت الٰہیہ اور عشق ومحبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوبصورت ودیدہ زیب محلات کی طرف جاتا ہے۔

☆ علم عزت کا تاج ہے۔

☆ علم جنتی لباسوں میں سے ایک لباس ہے۔

☆ علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔

علم کی دو اقسام ہیں۔

اول، دنیاوی علم

یہ انسان کو عروج پر لے جاتا ہے۔ معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔

دوم: دینی علم

اس میں قرآن وحدیث وفقہ کا علم شامل ہے۔ اس سے اگر کوئی شخص اپنی زندگی کو سجاتا ہے تو اس سے ظاہر وباطن دونوں پاک ہو جاتے ہیں۔ معرفت الٰہیہ اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در باز ہو جاتے ہیں۔ اس سے دنیا وآخرت کے دونوں بازار بارونق ہو جاتے ہیں اور ہر سو نیکیوں کے سدا بہار گل وگلزار مہکنے لگتے ہیں۔

اسلام دنیاوی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ نہیں ہے لیکن تمام تر توجہ کا مرکز دنیاوی تعلیم کو بنا لینا اور دینی تعلیم سے یکسر منہ موڑ لینا پرلے درجے کی حماقت ہے اور یہ حماقت کا ہی نتیجہ ہے کہ دینی درسگاہیں چشم براہ ہیں کہ لوگوں کی اکثریت ان کی طرف رخ کرے۔

درحقیقت مسلمان قوم کی بربادیوں کا یہی نکتہ آغاز ہے۔ لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے

کہ روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں بھی نابلد وبے بہرہ ہے کہ شریعت ان کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

دینی تعلیم سے منہ موڑنے کا ثمرہ یہ ہے کہ معاشرے میں لوگوں کا ہر طرح کا استحصال روا رکھا جاتا ہے۔

رشوت، جعلی اشیاء کی فروخت، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، جرائم کی بہتات، حق تلفی کا عام رجحان، معاشرتی برائیوں کی بہتات، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کا بازار گرم ہے۔

حق تو یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی تعلیم کے لئے تمام تر وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ دینی تعلیم پر توجہ دینی چاہئے۔

فی زمانہ الیکٹرانک میڈیا جس میں ٹیلیویژن، کیبل، نیٹ وغیرہ شامل ہیں، نے پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف سے توجہ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ان کے پس پشت بیٹھے کارپرداز ان کی سازش ہے کہ وہ لوگوں کو جو پڑھائیں، وہ پڑھیں اور جو سکھائیں وہ سیکھیں تاکہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لائیں۔ اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ میڈیا سے ہمیں سب کچھ مل جاتا ہے لہٰذا کتاب پکڑنے کی حاجت نہیں ہے لیکن وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ میڈیا انہیں نہ صرف آخرت سے دور اور دنیا کا دلدادہ بنا رہا ہے بلکہ انہیں اغیار کی ذہنی غلامی کے لئے راہیں ہموار کر رہا ہے۔

میڈیا پر ایسے نام نہاد علماء دیکھنے میں آتے ہیں جنہوں نے علم دین کو دنیاوی منفعت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ لوگ حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے در کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ ذلیل وخوار ہوتے ہیں لیکن وہ اسی میں عزت سمجھتے ہیں۔

دین فروش ان علماء کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثال کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے والیٔ عراق کی جانب سے پیش کردہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی پاداش میں کوڑوں کی سزا قبول کر لی اور فرمایا:

''اخروی عذاب کے مقابلہ میں دینوی عذاب مجھ کو قبول ہے''۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ' ص ۳۴۴)

علم کے بارے میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ جھولے سے لے کر لحد تک علم کے موتی چنتے رہو۔ (تعلیمات نبویہ' ص ۲۶۱)

اسی لئے تو کہتے ہیں کہ بچپن میں علم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر میں نقش جو صدیوں تک برقرار رہتا ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

(تعلیمات نبویہ ص ۵۱۹/ سنن ابن ماجہ ج ا ص ۱۳۶)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور جب اس سے غفلت برتی جاتی ہے تو گناہوں کے در باز ہو جاتے ہیں اور شیطان و نفس کی راہ ہموار کر دی جاتی ہے۔

☆ جس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں حدیث پاک ہو وہ گمراہ نہیں ہو سکتا۔

دراصل یہی دو چراغ ہیں جن کی روشنی میں کوئی شخص صراط مستقیم سے بھٹک نہیں سکتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جس کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ا حدیث ۷۱/ احیاء العلوم ج ا ص ۴۳/ المعجم الکبیر ج ۱۴)

☆ ایمان برہنہ ہے۔ اس کا لباس تقویٰ ہے۔ اس کی زینت حیا ہے اور اس کا پھل علم ہے۔

(احیاء العلوم ج ا ص ۴۳/ الفردوس بماثور الخطاب ج ا)

علم دین علماء حق کے آگے زانوئے ادب طے کرنے سے حاصل ہوتا ہے لیکن جب اسے کسی ولی اللہ سے حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں علم شریعت کے علاوہ طریقت و حقیقت و معرفت کا رنگ بھی چڑھ جاتا ہے اور اخلاص کی دولت بطور انعام عطا ہوتا ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

صراط مستقیم کے تین ستون ہیں۔

پہلا ستون: بزرگانِ دین سے میل ملاقات ہے۔ اس سے قول پاک ہو جاتا ہے۔

دوسرا ستون: بزرگانِ دین سے خالص محبت کا ہے۔ اس سے عمل پاک ہو جاتا ہے اور

تیسرا ستون: بزرگانِ دین کی معیت کا ہے۔ اس سے فقہ یا شریعت کا علم عطا ہوتا ہے۔

بزرگانِ دین کے حالات و واقعات گواہ ہیں کہ کبھی کسی حاکم وقت کے پاس دنیا کے حصول کے لئے نہیں جاتے ہیں بلکہ معرفت الٰہیہ اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلبگاران کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر کا کل اثاثہ ایک بوریا' ایک چمڑہ' ایک نسخۂ قرآن پاک اور ایک لوٹا پر مشتمل تھا۔ ایک دن خلیفہ وقت محمد بن سلیمان ملاقات کے لئے آیا اور دروازے پر دستک دی۔

''کون؟''

آپ نے پوچھا تو جواب ملا:

''محمد بن سلیمان''

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجازت مرحمت فرمائی تو خلیفہ وقت اندر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا:

''یا حضرت! آخر کیا سبب ہے کہ جونہی آپ کو دیکھتا ہوں میرا تمام جسم خوف و ہیبت سے کانپنے لگتا ہے''۔

فرمایا:

''میرے آقا و مولا۔ باعث کائنات' محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ جس کے علم کا مقصود و مطلوب محض ذات خداوندی ہو اس سے سب لوگ ڈرتے ہیں لیکن جب مقصود علم دنیا ہو تو وہ عالم خود سب سے ڈرا کرتا ہے''۔

(نسخۂ کیمیا)

اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ حصول علم دین کا مقصد اگر ذات خداوندی ہو۔ معرفت الٰہیہ اور قرب الٰہی ہو تو اس سے جو عرفان و مقام و عزت ملتی ہے وہ وقت کے کسی حکمران کو بھی نصیب نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ اولیاء اللہ کے آستانوں پر حاضری دینے پر فخر محسوس کرتے تھے اور ہیں۔

لاریب دنیا کے طالب ہمیشہ ذلیل و خوار اور اللہ تعالیٰ کے طالب سدا کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ علم دین کے حصول پر جب رب کریم اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی مہر لگ جاتی ہے تو وہ علم حاصل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے قریب کر دیتا ہے اور جب اس پر محبت دنیا کی چھاپ لگ جاتی ہے تو وہ ایسے عالم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کر دیتا ہے۔

ہمارے بزرگانِ دین حصول علم کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کیا کرتے تھے اور اس ضمن میں ان کے شوق کا عالم دیدنی ہوتا تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لوگوں نے اطلاع دی۔

''آپ کا بچہ انتقال کر گیا ہے''۔

اس وقت آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درسگاہ میں سبق پڑھ رہے تھے۔ یہ سوچ کر کہ اگر میں بچے کی تجہیز وتکفین کے لئے چلا گیا تو میرا سبق چھوٹ جائے گا۔ انہوں نے ایک دوسرے شخص کو بچے کے کفن دفن کا کام سونپ دیا اور خود نہیں گئے اور سبق کا ناغہ نہ کیا۔ (قرآن اور حاملین قرآن' ص ۱۲/ روحانی حکایات' ص ۳۱ بحوالہ مستطرف' ج ا' ص ۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو علم' مال اور بادشاہی میں (سے ایک کا) اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو اختیار کیا چنانچہ انہیں مال اور بادشاہی بھی عطا کر دی گئی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

طلب علم نفل نماز سے بہتر ہے۔ (احیاء العلوم' ج ا' ص ۵۱)

حضرت ابوالاسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

علم سے زیادہ قابل عزت کوئی چیز نہیں۔ بادشاہ لوگوں پر اور علماء حکمرانوں پر حاکم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

غیر عالم کو انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ جس خصوصیت کے ذریعے انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہوتے ہیں وہ علم ہے۔

حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

دل کی غذا علم وحکمت ہے اور ان دونوں کے ذریعے وہ زندہ رہتا ہے۔ جس نے علم کو نہ پایا۔ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی موت لازمی ہے لیکن اسے اس بات کا شعور نہیں ہوتا ہے۔

حضرت احنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جس عزت کی مضبوطی علم سے نہ ہو اس کا انجام ذلت ہے۔ (احیاء العلوم' ج ا' ص ۴۸)

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو علم حاصل نہیں کرتا۔ اس کا نفس اسے کس طرح بزرگی کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

علم کی ایک مجلس کھیل کود کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہے۔

کسی دانا کا قول ہے:

☆ علم نر ہے اور اسے مردوں میں سے وہی پسند کرتے ہیں جو نر ہوں۔

☆ جب تک عمل کی کیفیت کا علم نہ ہو عمل تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا دنیا اور آخرت میں بنیادی خوش بختی علم ہے۔ (احیاء العلوم الدین' ج ا' ص ۵۱)

اسلاف کے بزرگوں کے اقوال وبیانات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شوق ایسا اسپ تازی ہے کہ جو اس پر سوار ہو بہت جلد منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور سب سے ارفع واعلیٰ شوق علم حاصل کرنے کا ہے۔

علم کی فضیلت وعظمت وبزرگی جاننے کے بعد لامحالہ یہ نتیجہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عبادت بغیر علم کے کرنا ایسے ہی ہے جیسے بے وضو نماز پڑھنا۔ لہٰذا بے علم' زاہدوں کو ان کا زہد وعبادت وہ فائدہ نہیں پہنچاتا جو علم کی موجودگی میں انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عبادت کو اپنے فہم کے مطابق رسماً ادا کرتے ہیں اور اسے کوئی بھی بہکا سکتا ہے۔

کہتے ہیں ایک شخص اپنی مسجد میں کئی سال تک پہلی صف میں نماز پڑھتا رہا۔ ایک دن کسی سبب سے وہ پہلی صف میں نہ بیٹھ سکا اور آخری صف میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ مدت تک دکھائی نہ دیا۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا:

''میں اتنے سال نماز پڑھتا رہا ہوں مگر جس دن میں نے آخری صف میں نماز پڑھی تو مجھے اس بات سے شرمندگی ہوئی کہ لوگوں نے مجھے آخری صف میں دیکھا ہے۔ اس پر میں سمجھ گیا کہ میں عمر بھر عبادت میں جو چستی دکھاتا رہا ہوں وہ لوگوں کے دکھانے کے لئے تھی۔ اس پر میں نے اپنی نمازیں قضا ادا کی ہیں''۔

(رسالہ قشیریہ' ص ۲۵۴)

لیکن بے علم عبادت گزار کو اس امر کا ادراک نہیں ہوتا اور وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا

ہے کہ وہ عبادت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہا ہے۔ اس کے تحت الشعور میں کہیں نہ کہیں یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ لوگ

☆ مجھے اچھا جانیں۔
☆ میرا اعتبار کریں۔
☆ مجھے عابد وزاہد خیال کریں۔
☆ مجھے دین سے محبت کرنے والا سمجھیں اور
☆ میری عزت واحترام کریں۔

ایسی عبادت بارگاہ خداوندی میں کوئی قدر ومنزلت نہیں رکھتی ہے۔

دور حاضر میں اس کی زندہ جاوید مثال یہ ہے کہ ایسے کئی حفاظ حضرات ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کا صرف رٹا لگا رکھا ہے۔ اس کا ترجمہ تک نہیں پڑھا۔ تفسیر کا مطالعہ تو دور کی بات ہے۔ کئی ایسے حفاظ بھی ہیں جو نماز تک نہیں پڑھتے ہیں۔

لاریب قرآن مجید حفظ کرنے کی بڑی فضیلت ہے لیکن یہ عمل کے لئے ہے اور حافظ قرآن کی زندگی اس پر عمل کی آئینہ دار ہونی چاہئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

آخری زمانہ میں جاہل عبادت گزار اور فاسق علماء ہوں گے۔

(کنز العمال، ج ۱۴، ص ۳۲۲/ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۶۱)

علماء کی دو اقسام ہیں۔

اول: علماء حق

ان کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (سنن ابن ماجہ/ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۱)

یعنی عالم انبیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔

لہٰذا جو عالم حق ہے وہ حق اور ناحق۔ خیر اور غیر۔ جائز اور ناجائز۔ حلال اور حرام میں حد فاصل برقرار رکھتا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پر عمل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

☆ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ارشاد فرمائیے کیا وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ جو علم والے نہیں ہیں، برابر ہیں۔ (الزمر، آیت ۹)

☆ اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان کے اور جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے کئی درجے بلند فرما دے گا۔ (المجادلہ، آیت ۱۱)

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

''اے ابراہیم (علیہ السلام)! بلاشبہ میں علم والا ہوں اور علم والے کو پسند کرتا ہوں''۔ (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۴/ اتحاف، ج ۱)

اللہ کریم کا ارشاد سننے کے بعد اب احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ علماء حق کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا گیا ہے:

☆ عالم زمین میں اللہ تعالیٰ کا امانت دار ہے۔ (کنز العمال، ج ۱۰/ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۴)

☆ عابد پر عالم کی فضیلت اس طرح ہے جیسے مجھے اپنے ادنیٰ صحابی پر ہے۔ (جامع ترمذی/ احیاء العلوم ج ۱، ص ۴۴)

☆ عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں سے افضل ہے۔ (سنن ابن ماجہ/ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۵)

☆ مومن عالم کو مومن عابد پر ستر درجے فضیلت حاصل ہے۔ (کنز العمال، ج ۱۰/ احیاء العلوم ج ۱، ص ۴۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رات بھر (عبادت کے لئے) کھڑے رہنے والے اور (دن کو) روزہ رکھنے والے مجاہد سے عالم افضل ہے۔ (کنز العمال، ج ۱۰/ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۸)

دوم: علماء سوء

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملت اسلامیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ یہ اہل اقتدار کے دروازوں پر حاضری دینے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ان کی خوشنودی کے لئے قرآن وحدیث سے خود ساختہ تاویلات کر کے حکمرانوں کو خوش کرتے اور مراعات حاصل کرتے ہیں۔ یہ علماء سوء لوگوں سے ان کے ایمان چھین لیتے ہیں۔ انہوں نے دین میں ایسے دریچے کھول رکھے ہیں جن کا دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان کی جلوتوں اور خلوتوں میں بعد

المشر قین ہوتا ہے۔ اگر ان کی خلوتیں لوگوں پر ظاہر ہو جائیں تو لوگ ان کے نہ صرف کپڑے بلکہ سر بھی پھوڑ دیں۔ یہ لوگ اپنی خواہش اور چاہت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں۔ ان کے علم حاصل کرنے کا مقصد دنیاوی نعمتیں اور اہل جاہ کے ہاں درجات و مراتب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

برے علماء کی مثال اس پتھر کی طرح ہے جو نہر کے منہ پر گر پڑا (اور پانی کی آمد بند کر دے) نہ خود پانی پیئے اور نہ ہی کھیتی باڑی کے لئے پانی چھوڑ دے۔

(مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مجھے اس امت میں منافق علم والے کے بارے میں سب سے زیادہ ڈر ہے۔

لوگوں نے پوچھا:

''وہ کیسے منافق اور علم والا ہوگا''۔

فرمایا:

''زبان کا عالم مگر دل اور عمل دونوں کا جاہل ہوگا''۔ (مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۳)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

☆ ان میں سے نہ بنو جو علماء کا علم اکٹھا کرے اور حکماء کی دانائی کی باتیں اکٹھی کرے مگر عمل کے معاملے میں بے وقوفوں کی راہ پر چلے۔

☆ علماء (سوء) کی سزا دل کا مر جانا ہے اور دل کی موت آخرت کے اعمال کے ذریعہ دنیا کا طلب کرتا ہے۔ (مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۳)

حضرت ابراہیم بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں:

آپ سے پوچھا گیا:

''سب لوگوں سے طویل ندامت کس کو ہوگی''۔

فرمایا:

''دنیا میں اسے ہوگی جو اس کے ساتھ نیکی کرے اور وہ اس کا شکر ادا نہ کرے اور موت کے بعد افراط و تفریط والے عالم کو ہوگی''۔ (مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۳)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

مجھے تین اشخاص پر رحم آتا ہے۔

۱- قوم کا معزز آدمی جب ذلیل ہو جائے۔

۲- قوم کا غنی آدمی جب فقیر ہو جائے اور

۳- وہ عالم کہ جس کو دنیا کھلونا بنائے (یعنی برا سلوک کرے) اس کی وقعت نہ جانے اور مال کا لالچ ڈال دے) (مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۳)

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

مجھے ہدایت کے بدلے گمراہی فروخت کرنے والے پر تعجب ہے اور جو دین کے بدلے دنیا خریدتا ہے اس پر زیادہ تعجب ہے اور ان دونوں سے قابل تعجب زیادہ تر وہ ہے جس نے اپنا دین دنیا کے ساتھ برابر برابر فروخت کیا۔ یہ ان دونوں سے زیادہ قابل توجہ ہے

(مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۴)

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ ہیں:

☆ مجھے تم پر دجال کے قافلوں کا خطرہ ہے۔

عرض کی:

''وہ کون ہیں؟''

فرمایا:

''گمراہ کرنے والے امام (سردار)''

☆ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو دیا جائے گا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ کسی کو نفع نہ دے۔

☆ (برے) عالم کو اس قدر عذاب دیا جائے گا کہ دوزخی بھی اس کے گرد چکر لگائے گا (اس کے عذاب کی شدت کے باعث) اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد برا عالم ہے۔ (مکاشفۃ القلوب' ص ۶۱۲-۶۱۴)

اس وقت عالم اسلام میں جو فساد برپا ہے وہ علماء سوء کی پرفریب محفلوں' گمراہ کن مواعظ' قرآن وحدیث کی خواہشات نفسانی کے تحت تاویلات اور حکمران طبقہ کی چوکھٹوں پر بغرض دنیا حاضری کی وجہ ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی بزرگ نے شیطان کو بیکار بیٹھا دیکھا تو پوچھا:

"اے ملعون! بے کار کیوں بیٹھا ہے"۔

اس نے جواب دیا:

"علمائے دنیا ظاہر ہو گئے ہیں اس لئے میرا کوئی کام نہیں رہا"۔

(مکتوبات دو صدی، ص ۴۴)

ایک دن قاری محمد ریاض نے بتایا کہ وہ کسی گھر میں بچوں کو قرآن مجید پڑھانے جاتے تھے۔ انہوں نے بچوں کو نماز سکھانا شروع کی تو ایک دن بچوں کا دادا اور باپ دونوں آئے اور قاری صاحب سے کہا:

"آپ نے بچوں کو کس کام پر لگا رکھا ہے۔ ہم نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی ہے"۔

اس واقعہ سے رونا آتا ہے کہ علم دین سے غفلت و دوری کیا رنگ دکھا رہی ہے اور علماء سوء کے گمراہ کن وعظ کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟

☆ کیا ہمیں ضروری و لازمی علم دین حاصل ہے تا کہ کوئی عالم سوء بہکا نہ سکے۔

☆ ہم بذات خود علم دین کے حصول کے لئے کس قدر سنجیدہ ہیں۔

☆ کیا ہم نے اپنے بچوں کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے معقول انتظام کر رکھا ہے۔

☆ کیا ہم علماء حق اور علم کی محافل میں حاضر ہوتے ہیں۔

☆ دین اسلام کے ساتھ ہماری محبت کا کیا عالم ہے۔

☆ کیا ہم علم دین کے مطابق عبادت کرتے اور زندگی گزارتے ہیں یا بے علمی کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

☆ کیا ہماری کسی عالم سوء سے تو دوستی یا تعلقات نہیں ہیں۔

یہ تمام امور فوری توجہ طلب ہیں۔ ان سے گریز اور غفلت و لاپرواہی سے جو نتائج ہماری دنیا و آخرت پر مرتب ہوں گے بڑے گھمبیر اور جانگداز ہیں۔

ہمارے بزرگ اور ہم

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک نوجوان کے پاس سے گزرے۔ وہ لوگوں کی مجلس میں بیٹھا ہنسنے میں مشغول تھا۔

آپ نے فرمایا:

"اے نوجوان! کیا تم پل صراط پار کر چکے ہو"۔

اس نے کہا:

"نہیں"

آپ نے فرمایا:

"کیا تم جانتے ہو کہ جنت میں جاؤ گے یا دوزخ میں"۔

وہ بولا:

"نہیں"

اس پر آپ نے فرمایا:

"پھر یہ ہنسی کیسی ہے"

لوگ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(احیاء العلوم، ج ۴، ص ۲۱۵)

صاحبو! اللہ تعالیٰ کا ولی ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ شریعت و طریقت کا پابند۔ حقیقت آشنا۔ بحر معرفت الٰہیہ کا شناور اور علم لدنی سے مالا مال ہوتا ہے۔ یہ مقام و مرتبہ رب ودود کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع اور محبت وعشق میں زندگی ڈھالنے سے بفضل ایزدی میسر آتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست بناتا ہے تو ویغفر لکم ذنوبکم کے تحت اس کو گناہوں سے پاک فرما دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہو اور گناہوں سے آلودہ یہ نہیں

ہوسکتا۔ وہ گناہ کرنے کی صلاحیت وقوت رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یحببکم اللہ کے تحت اس کو پسند کرتا ہے اس کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ مکارم اخلاق کی اونچی مسند پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ گوناگوں صفات محمودہ سے متصف ہوتا ہے۔ عجز وانکساری اس کی ولایت کی جان ہوتی ہے۔ ہر حال میں راضی برضا رہتا ہے۔ ایک ایک لمحہ عبادت و ریاضت ومجاہدہ۔ ذکرالٰہی اور خدمت خلق میں بسر کرتا ہے۔ وہ قرآن وسنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اپنے عمل سے کرتا ہے۔ کسی سائل کو اپنے در سے خالی ہاتھ جانے نہیں دیتا ہے۔ قلیل الکلام، قلیل المنام اور قلیل الطعام ہوتا ہے۔ اگر ایک ہاتھ سے لیتا ہے تو دوسرے ہاتھ سے حاجتمندوں میں تقسیم کردیتا ہے۔ ہروقت دینے کا رخ رکھتا ہے اور کسی قسم کا کوئی طمع ولالچ نہیں رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصار میں ہوتا ہے۔ اگرچہ بوریہ نشیں ہوتا ہے لیکن لوح محفوظ کی تحریر پڑھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ولی حزن وملال سے پاک ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا اور قرآن وحدیث کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے شب وروز اس طرح گزرتے ہیں جیسے تلوار کی دھار پر چل رہا ہوتا کہ اس کا کوئی قدم شریعت کے باہر نہ پڑے۔ اس کے آستانے پر ہروقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور جو اس کے ساتھ لگ جاتا ہے وہ بھی رحمتوں کے جھرمٹ میں آجاتا ہے اور جب وہ اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو اس کی فیض رسانی میں ستر گناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ ہوتی ہے تاکہ وہ بھی اپنی زندگی کو اس کے رنگ میں ڈھال سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی زندگی انگنت واقعات سے عبارت ہوتی ہے جو ان کے اوصاف حمیدہ کی نشاندہی کے ہم آہنگ دوسروں کے لئے ان کے اندر پند ونصائح، موعظت، رہنمائی، نصیحت، درس، ہدایت اور وعظ کے سمندر موجزن ہوتے ہیں۔ ان کے اقوال و بیانات و ملفوظات اور حالات رشد ورہبری کے بہتے دریا ہیں جو لوگوں کی زندگی کا رخ بدلنے میں بے مثل کردار ادا کرتے ہیں لیکن ولیوں کو صرف زبانی کلامی ماننے سے فیض رسانی نہیں ہوتی ہے۔ جب تک وہ اپنے زندگی کے لیل ونہار کو ان کے فرمودات وواقعات کے آئینہ میں محاسبہ کرکے اپنا قبلہ درست نہیں کرتے ہیں۔ لاریب ان کے قدموں میں بیٹھنا بقول مولانا روم

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صد سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

متذکرہ واقعہ کے ذریعے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو تابعی ہیں کا لوگوں کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اے ہنسنے والو! دنیاوی اشغال، ہنسی مذاق وغیرہ میں اپنی قیمتی زندگی کو برباد کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ پھر آخرت کی طرف سے غفلت چہ معنی دارد۔ اگر ہم آخرت کی فکر پال لیتے ہیں اور گناہوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں تو پھر ہنسی مذاق اور کھیل تماشے میں مصروف ہونے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ نیکیوں کے خریدار بنو اور انہیں اکٹھا کرنے میں دن رات ایک کردو۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے زیادہ اور ہنستے کم۔

دراصل ہم بہروپے کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہر اور باطن میں مماثلت نہیں ہے۔ سب کی حقیقت آخرت میں ظاہر ہوجائے گی۔ وہاں کا پچھتاوا کسی کام نہ آئیگا۔ کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔ ہوش کرو۔

دوسرا واقعہ

ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقروض تھا۔ جس محلہ میں وہ رہتا تھا وہاں آپ کا ایک شاگرد فوت ہوگیا۔ اس کی نماز جنازہ کے لئے آپ وہاں تشریف لے گئے۔ تمازت آفتاب زوروں پر تھی۔ وہاں پر کوئی سایہ نہ تھا۔ صرف اسی شخص کے مکان کی دیوار تھی جو آپ کا مقروض تھا۔ لوگوں نے عرض کیا:

''آپ ایک ساعت اس دیوار کے سایہ میں آرام فرمائیں''۔

آپ نے فرمایا:

''اس صاحب دیوار پر میرا کچھ قرض ہے۔ اس واسطے میرے لئے اس دیوار سے فائدہ حاصل کرنا روا نہیں۔ اگر میں اس سے کچھ منفعت حاصل کرلوں تو وہ ربوٰ یعنی سود میں شمار ہوگا''۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۰)

صاحبو! لوگوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مقلد ہے اور فقہ حنفیہ کو مانتی اور اس پر عمل کرتی ہے۔ اہل سنت وجماعت کہلانے میں قلبی وروحانی سکون محسوس کرتی ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ کتنی دوررس تھی۔ ذرہ ذرہ سی بات میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش نظر رکھتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ نے مقروض کے مکان کی دیوار کے سایہ میں محض اس لئے کھڑا ہونا پسند نہ کیا کہ اس سے استفادہ بھی از قسم سود میں سے ہے۔ ان کے ماننے والوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے کہ کیا وہ واقعتاً اپنے آپ کو ان کا ماننے والا کہہ سکتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ حنفی المذہب لوگوں کی اکثریت کو ان کے نام کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ علم نہیں ہے۔

اس واقعہ میں سود کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں، سنیں۔

سورہ البقرہ آیت ۲۷۶ میں ہے:

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا ہے۔

بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے پر لعنت فرمائی اور سود کھلانے والے پر اور سودی معاملہ لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والوں پر اور فرمایا: یہ تمام لوگ گناہ میں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم، ج ۲)

بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

☆ سود کی برائی کے ستر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ کی برائی ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے (العیاذ باللہ) (سنن ابن ماجہ)

☆ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا۔ جو سود نہیں کھائے گا اسے اس کا غبار پہنچ جائے گا۔ (مستدرک حاکم، ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سود کا ایک درہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس (۳۶) زنا سے بھی زیادہ شدید ہے اور فرمایا:

جس کا گوشت حرام خوری سے بڑھا ہے، آگ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

(معجم اوسط، ج ۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کسی قوم میں زنا اور سود عام ہو جائے گا تو وہ لوگ خود اپنے اوپر عذاب الٰہی اتار دیں گے۔ (مسند ابویعلیٰ، ج ۶)

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔ ہوش کرو۔

تیسرا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستے میں ایک لڑکے کو کیچڑ میں چلتے ہوئے دیکھا۔

آپ نے فرمایا:

''اے لڑکے! ذرا ہوش سے چل کہیں پھسل نہ جائے''۔

لڑکے نے جواب دیا:

''اگر میں گروں گا تو تنہا گروں گا۔ لیکن آپ ہوش کریں۔ اگر آپ کا پاؤں پھسل گیا تو تمام مسلمان جو آپ کی متابعت کرتے ہیں، پھسل جائیں گے اور پھر سب کا اٹھنا دشوار ہوگا''۔

آپ کو اس لڑکے کی عقلمندی پر تعجب ہوا اور رو پڑے اور اپنے مریدوں سے فرمایا:

''اگر تم کو کسی مسئلہ میں شبہ ہو اور کوئی روشن دلیل موجود نہ ہو تو اس میں میری متابعت نہ کرو اور میری تقلید کی وجہ سے اپنی تحقیق سے باز نہ رہو''۔

یہ شان کمال انصاف ہے۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۱)

صاحبو! یہ واقعہ اس امر کا غماز ہے کہ بڑے سے بڑا صاحب علم اگر کسی سے حق اور سچ بات سنتا ہے تو اسے قبول کرتے وقت یہ نہیں دیکھتا ہے کہ کہنے والا کم علم بچہ ہے یا بڑا۔ وہ اسے انا کا مسئلہ نہیں بناتا ہے بلکہ وہ اس بات کے آئینہ میں اپنے حال کا جائزہ لیتا ہے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بچے کی دانائی پر متعجب ہوتے ہیں۔ بات اس نے بڑے پتہ کی کی تھی۔ لہٰذا آپ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو تلقین فرماتے ہیں کہ میری تقلید و متابعت کے باوجود اپنے اوپر حالات حاضرہ کے مطابق تحقیق کا دروازہ بند نہ کرو۔

یہ ہیں ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی عظمتوں کو ہزاروں سلام' آپ بچے کی مبنی برحق بات پر رو پڑتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو واقعتاً عالم حق ہوتا ہے وہ

☆ سب کی بات خنداں بہ لب سنتا ہے اور اگر کم علم والا بچہ ہو یا بڑا حق بات کہتا ہے تو اسے قبول کرنے میں لیت ولعل سے کام نہیں لیتا ہے اور نہ ہی اسے انا کا مسئلہ بناتا ہے۔
☆ شب وروز حصول علم اور ترویج وفروغ علم میں کوشاں ومصروف رہتا ہے۔
☆ علم پر اجارہ داری قائم نہیں کرتا ہے۔
☆ طالبعلم اور مسائل سے آگہی کے لئے لوگوں پر اپنا دروازہ کھلا رکھتا ہے کہ کسی کو زحمت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔
☆ طمع ولالچ وحرص سے ماوراء ہوتا ہے۔
☆ حکمرانوں کے قرب سے بھاگتا ہے۔
☆ دینی معاملات میں مصلحت کوشی سے کام لیتا ہے نہ حقیقت اور حق کے بیان سے اغماز برتتا ہے۔
☆ عجز وانکساری کا مرقع ہوتا ہے۔
☆ جب بھی کہتا ہے حق بات کہتا ہے۔ علم فروخت نہیں کرتا ہے۔
☆ گوشہ نشین ہو کر علماء سوء کو دندنانے کا موقع دیتا ہے نہ دین میں خلاف حق باتیں داخل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر بات کرتا ہے۔
☆ کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خود عمل کرتا اور اس کے حوالے سے بات کرتا ہے۔
☆ تبلیغ حق میں اس کی زبان کم اور عمل زیادہ بولتا ہے۔
☆ کشکول بدست علمی خدمت کی بھیک نہیں مانگتا پھرتا ہے۔

لیکن حالات و واقعات گواہ ہیں کہ فی زمانہ بجز الا ماشاء اللہ علماء حق نے خود کو اونچے برجوں میں مقید کر لیا ہے اور علماء سوء کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیا ہے۔ وہ دین میں جس طرح کی بیخ چاہیں لگا کر عام لوگوں کے سامنے مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتے ہیں اور انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ علم سے تہی دامن اور بعض صاحب علم لوگ ان کی باتوں کو حق مان کر تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر

کسی بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر با آواز بلند علماء حق کو آواز دی جائے کہ کہاں ہو تو بجز الا ماشاء اللہ صدا بصحرا ثابت ہوگی۔ یہ بڑے عالم جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کی جلو میں اور آگے پیچھے حفاظتی دستے ہوتے ہیں اور اگر کوئی عام آدمی ان سے ملنا چاہے تو ان سے مل نہیں سکتا ہے۔

علماء حق کی عوام الناس سے دوری اور علماء سوء کی نزدیکی نے یہ دن دکھایا ہے کہ کثیر لوگ دین سے پرے ہٹتے جا رہے ہیں۔ دین کی باتوں میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں۔ دینی محافل میں شرکت کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ اکثر مساجد میں بے علم علماء ہیں اور دین ہکا بکا دیکھ رہا ہے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ آخر اس الیہ کا ذمہ دار کون ہے۔

☆ کیا آج کے علماء حق دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ حقیقتاً امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مانتے ہیں۔
☆ کیا آپ کو ماننے والوں کا یہ طریقہ ہے جو ہمارے جید علماء حق نے اپنا رکھا ہے۔
☆ کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

چوتھا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ معظمہ میں ایک حجام کی دکان پر گئے جو کسی کی حجامت بنا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا:

''کیا اللہ کے لئے میرے بال کاٹ دو گے''۔

''ہاں''

حجام نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے پہلے شخص کی حجامت مکمل ہونے سے قبل ہی اٹھاتے ہوئے کہا:

''جب اللہ تعالیٰ کا نام درمیان میں آ گیا ہے تو میں نے سب کچھ پا لیا ہے''۔

اس نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بٹھایا۔ آپ کے سر کو بوسہ دیا اور بال کاٹ دیئے۔ بعد ازاں اس نے آپ کو ایک کاغذ دیا جس میں ریزگاری تھی اور کہا:

''اسے اپنی ضرورت پر خرچ کریں''۔

آپ نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو نیت کی کہ سب سے اول مجھے جو کشائش نصیب ہوگی' میں اس کے ساتھ مروت کروں گا۔

ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ بصرہ سے لوگوں نے آپ کو اشرفیوں کی ایک تھیلی بھیج دی۔ آپ اسے لے کر حجام کے پاس گئے اور تھیلی اسے دی۔ اس نے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

آپ نے کہا:

"میری نیت یہ تھی کہ جو کشائش اول ہوگی وہ میں تمہیں دوں گا"۔

اس نے کہا:

"تمہیں اللہ سے شرم نہیں آتی ہے۔ تم نے مجھے کہا تھا کہ اللہ کے لئے میری حجامت بنادو اور اب یہ کیا لے کر آئے ہیں۔ کیا یہ اس کا عوض ہے۔ بھلا تم نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لئے کام کرے اور اس کا عوضانہ طلب کرے"۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۵)

صاحبو! زندگی میں بسط وکشاد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حجام کے پاس تشریف لے جاتے ہیں تو بسط کے مقام پر تھے۔ حجامت بنوانا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر بال کاٹنے کو کہتے ہیں۔ حجام سمجھتا ہے کہ آپ کی صورت میں نیکی چل کر اس کی دکان پر آ گئی ہے لہٰذا وہ آپ کے سر کو بوسہ دے کر بال کاٹ دیتا ہے اور رب کریم سے مزید اجر کے لئے آپ کو ریزگاری بھی دیتا ہے تاکہ دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے آپ کو کسی اور کے سامنے زحمت سوال اٹھانا نہ پڑے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی حجام سے نیکی کر کے اللہ سے اجر کے طلبگار تھے۔ لہٰذا دل میں نیت کر لیتے ہیں کہ پہلی کشائش آنے پر وہ حجام سے مروت کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ جب کشائش آتی ہے تو جا کر حجام کو اشرفیوں کی تھیلی پیش کر دیتے ہیں۔ دونوں کا عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ لہٰذا حجام یاد دلاتا ہے کہ اس نے ان کی حجامت خالصتاً اللہ واسطے کی تھی اور پیشکش کو رد کر دیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے واسطے لوگوں کے کام کرتے ہیں اور کرواتے بھی ہیں لیکن کسی نہ کسی صورت میں عوضانہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ بسا اوقات جس کا کام اللہ واسطے کیا ہوتا ہے۔ اس پر احسان جتا کر دوسروں کے سامنے اسے ذلیل وشرمسار بھی کرتے ہیں اور فخر سے کہتے ہیں:

"یاد ہے فلاں وقت جب تم اللہ کے واسطے ڈالتے تھے تو میں نے تمہارا کام کر دیا

تھا"۔

اور اس پر احسان جتا کر کام کرواتے ہیں۔ اس طرز عمل سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔ سوچ لیں

پانچواں واقعہ

ایک دن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے کہ اطلاع ملی کہ مال تجارت کا جہاز جو مصر جا رہا تھا' ڈوب گیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے الحمدللہ کہا۔ چند دنوں کے بعد اطلاع آئی کہ پہلی اطلاع درست نہ تھی۔ جہاز بحفاظت منزل پر پہنچ گیا ہے۔ آپ نے سنا تو پھر الحمدللہ کہا۔ آپ کی محفل میں ایک طالب معرفت موجود تھا۔ اس نے عرض کیا:

"یا حضرت! اگر اجازت ہو تو ایک شبہ عرض کروں"۔

فرمایا:

"کہو"

اس نے کہا:

"یہ مال تجارت دو حال سے خالی نہیں ہے۔ مال حلال ہے یا مال حرام۔ اگر حلال ہے تو اس کے تلف ہونے پر الحمدللہ کہنا کیا معنی اور اگر حرام ہے تو اس کے بچ جانے پر شکر کیسا"۔

شیخ نے مسکرا کر فرمایا:

"مال تو حلال طیب ہے۔ لیکن شکر نہ تلف پر تھا نہ بازیافت پر۔ ان دونوں حالتوں میں' میں نے دل کی حالت پر نظر کی کہ دیکھوں اس نقصان نے کیا اثر پیدا کیا ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ دل پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ پھر مال کے بچ جانے پر بھی دل کا وہی حال پایا۔ پس میں نے ان دونوں حالتوں میں اس بات کا شکر ادا کیا کہ الحمدللہ دنیا کا سود وزیاں نظروں میں ہیچ ہے"۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۶۱)

صاحبو! دنیا کے سود وزیاں میں انسان کا دل کبھی خوش ہوتا اور کبھی کڑھتا ہے۔ جب فائدہ نظر آتا ہے تو اسے اپنی عقل وبصیرت اور علم ومہارت کا ثمرہ قرار دے کر شیخی بگھارتا ہے اور نقصان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔

انسان کا کام ہے کہ وہ دل میں دنیاوی نفع ونقصان پر خوش ہو نہ افسردہ بلکہ ہر حال میں

اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو اور راضی برضا رہے۔ اس طرح وہ ذہنی دباؤ' اعصابی کھچاؤ' فکری تناؤ اور جذباتی خلجان سے محفوظ رہتا ہے۔

ہمارے بزرگوں کا یہی طریقہ تھا اور ہے کہ دنیا کے کاروبار میں بھی اپنے اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے تھے اور ہیں۔ بقول حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دل دنیا سے پاک ہونا چاہئے اور پاک دل ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و یاد سے آباد و منور ہوتا ہے۔

ہمارے بزرگوں کی نظر ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر رہتی تھی اور ہے۔ یہ سود و زیاں کا تخمینہ صرف آخرت کے حوالے سے لگاتے تھے اور ہیں۔ ہم حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ماننے والے ہیں جن کا قدم مبارک تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ تمام سلاسل طریقت آپ پر اکٹھے ہو کر پھر نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جاتے ہیں۔ ان کی زبان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے شکر سے تر رہتی تھی۔ لیکن ہمارا حال ہے کہ دنیاوی نقصان پر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور فائدہ کی صورت میں خوشی سے پھولا نہیں سماتے ہیں۔ اگر ہم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مانتے ہیں تو ان کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے ہیں۔ ہمیں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس سے وہ راضی اور ناشکری سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ کیا طرفہ تماشا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کے لئے ہمارے ہونٹ سل جاتے ہیں۔ نام ہم بزرگوں کا لیتے ہیں اور خوش شیطان کو کرتے ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔ سوچ لیں۔

چھٹا واقعہ

عید کے موقع پر لوگوں نے حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ سیاہ کپڑے پہنے رو رہے ہیں۔ ان سے کہا گیا:

''آج کا دن اور کالا کپڑا۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''میں ایک جہان کو دیکھ رہا ہوں کہ آج نئے کپڑے پہنے ہوئے کھیل تماشے میں مصروف ہے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا دھیان نہیں ہے۔ میں آج ان لوگوں کی بدنصیبی

پر ماتم کر رہا ہوں اور ان کی غفلت پر رو رہا ہوں''۔ (مکتوبات صدی' ص ۳۷۹)

صاحبو! دین اسلام ایسا پیارا دین ہے کہ اس کے ہر کام میں عبادت الٰہی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ عیدالفطر ماہ رمضان کے روزوں کے اختتام پر خوشی و شکرانے کی عبادت ہے۔ عیدالاضحی حج اور سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کے لئے عبادت کا نام ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت اپنی بےعملی اور شیطان کی اتباع میں ان مبارک دنوں کو کھیل تماشے' لہو و لعب' ہلا گلا اور خرافات کی نذر کر دیتی ہے۔ بدنصیبی کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کو علم ہی نہیں ہے کہ ان مقدس ایام کو کس طرح منایا جاتا ہے۔

عیدالفطر سے قبل فطرانہ کی ادائیگی غریبوں کو عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کے لئے ضروری ہے اور قربانی کے جانور کے گوشت میں غریبوں کا حق رکھا گیا ہے کہ ان کی ہانڈیوں میں سے بھی گوشت پکنے کی خوشبو آئے لیکن فی زمانہ بجز الاماشاءاللہ اکثر نے دکھاوے کا تہوار بنا رکھا ہے اور گوشت ان کے ہاں بھیجا جاتا ہے جنہوں نے قربانی کی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ گوشت کا آپس میں تبادلہ کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی غریب مسکین گوشت مانگنے کے لئے آتا ہے تو جھڑک دیتے ہیں۔ غریب ہمسائے کا بچہ اگر گھر میں آ جائے تو ایک روپیہ تک اس کو عیدی نہیں دیتے ہیں۔ اکثر لوگ نماز عید نہیں پڑھتے ہیں۔ نمازیوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو صرف آٹھ کی (جمعہ کے جمعہ) یا کاٹھ کی (نماز جنازہ) یا تین سو ساٹھ کی (عید کے عید) نماز پڑھتے ہیں۔

عید کا مطلب ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ غریبوں کا خیال رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے لیکن یوم عید اکثر لوگ

☆ غریب غربا کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

☆ سارا دن فضولیات' ہنسی مذاق' ٹھٹھوں اور لغویات میں بسر کر دیا جاتا ہے۔

☆ باہمی گوشت کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔

☆ عزیزوں' دوستوں کو خوش کرنے کے لئے رانیں بھیجی جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوگوں کو خرافات میں ملوث دیکھتے ہیں تو ان کی جہالت پر آنسو بہاتے ہیں کہ عید کی خوشیاں شیطان کو خوش کرنے کے لئے منائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کی بیمار سوچوں اور غیر شرعی حرکات و سکنات پر اظہار تاسف کے لئے سیاہ ماتمی لباس زیب

تن فرما لیتے ہیں۔

یہ صدیوں پرانی بات ہے۔ اگر آج وہ ہوتے اور عید کے موقع پر لوگوں کو لہو لعب' ٹھٹھا مذاق' شراب وشباب کی محفلیں دیکھتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ شاید جگر ہی پھٹ جاتا۔ یہ ہمارے بزرگ تھے اور ہیں جو مسلمانوں کو برائیوں میں آلودہ اور غفلت کا شکار دیکھ کر کڑھتے اور روتے تھے اور ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کا قطعاً احساس نہیں ہے کہ کس ڈگر پر رواں دواں ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

ساتواں واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مریدوں کے ہمراہ عقلمندوں کی محفل میں گئے۔

آپ نے فرمایا:

''مجھ سے سوال کریں''۔

انہوں نے پوچھا:

''سب سے زیادہ عقلمند کون ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''میں ہوں''

پھر لوگوں نے دوسرا سوال کیا:

''سب سے زیادہ احمق اور جاہل کون ہے''۔

آپ نے کہا:

''وہ بھی میں ہی ہوں''۔

ان لوگوں نے کہا:

''اس کی وضاحت کریں''۔

آپ نے کہا:

''سب سے زیادہ اپنے عیوب کا جاننے والا میں ہوں۔ لہٰذا عقلمند ہوں اور دوسروں کے عیب کو بالکل نہ جاننے والا بھی میں ہوں اس لئے جاہل ہوں''۔

(مکتوبات صدی' ص ۳۴۵)

صاحبو! عقل وجہل کا ہر شخص نے اپنا ایک معیار بنا رکھا ہے۔ عام دنیا دار سمجھتا ہے کہ عقلمند

وہ ہے جو دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے تا کہ ان پر اظہار برتری کر سکے۔ انہیں ذلیل وخوار کرے۔ بزرگانِ دین کی نظر میں یہ جہالت ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے عیوب پر نظر رکھنے کی توفیق بخش دیتا ہے اور جو اپنے عیوب سے غافل نہ ہو تو لامحالہ وہ ان کو ایک نہ ایک دن اپنے وجود سے نکالنے کی سعی وتدبیر کرتا ہے۔

فی زمانہ حالت ایں جا رسید کہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا ہے۔

عیوب سے گلوخلاصی کے لئے بزرگانِ دین کی نظر میں چار صورتیں ہیں۔

۱۔ کسی نیک اور کتاب وسنت کے پابند بزرگ کی خدمت میں بیٹھنا جو عیوب نفس سے آگاہ وبینا ہو اور مخفی آفات کو جانتا ہو تا کہ اس سے رہنمائی حاصل کرے۔

۲۔ کسی نیک آدمی کو سچا دوست بنانا جو عقلمند' صاحب بصیرت اور دین کا پابند ہو۔ اسے اپنے آپ پر نگران قرار دے جو اس کے احوال وافعال کو دیکھتا رہے تا کہ اسے بروقت آگاہ کرتا رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو میرے عیوب مجھے بتائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بتائے ہوئے پوچھا کرتے تھے۔

''کیا آپ مجھ میں آثار نفاق تو نہیں دیکھتے ہیں''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف طاری رہتا تھا اور اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوگوں سے علیحدہ رہنے لگے تھے۔ کسی نے پوچھا:

''آپ لوگوں سے اختلاط نہیں رکھتے ہیں' کیا وجہ ہے''۔

فرمایا:

''ایسے لوگوں کا کیا کروں جو میرے عیوب مجھ سے چھپاتے ہیں''۔

اہل دین کی غرض یہ تھی اور ہوتی ہے کہ لوگ انہیں ان کے عیوب سے آگاہ کر دیا کریں۔

لیکن آجکل تو بیشتر احباب حاسد یا پھر اغراض کے بندے ہیں۔ وہ عیب کو عیب ہی سمجھتے نہیں

ہیں یا مداہنت کرتے ہیں اور تیرے عیب پر تجھ کو آگاہ نہیں کرتے ہیں اور ہمارا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ جو ہمیں نصیحت کرتا ہے۔ ہمارے عیوب بتاتا ہے وہ ہمارے نزدیک سب سے برا شخص ہوتا ہے برے اخلاق دراصل کاٹنے والے سانپ اور بچھو ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارے کپڑے کے نیچے بچھو ہے تو اس کے احسان مند ہوتے ہیں اور بچھو کو مارنے کی فکر کرتے ہیں مگر برے اخلاق و اعمال کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اثر قائم رہے گا۔ اس کے باوجود جو شخص ہمیں عیوب و برائی کے بچھوؤں کی اطلاع دیتا ہے، ہم اس کے احسان مند نہیں ہوتے بلکہ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

۳۔ دشمنوں کی زبان سے اپنے عیوب معلوم کرے اس لئے کہ ناراضگی کی آنکھ برائیوں کو سامنے لاتی ہے اور

۴۔ لوگوں کے ساتھ اختلاط عام رکھے جس کو لوگوں میں مذموم جانے تو اس کے بارے میں اپنے نفس پر محاسبہ کرے (کہ تو بھی ایسا ہے) اس لئے کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

باہم حسد نہ کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے کی کھود کرید (جاسوسی) نہ کرو۔ ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطاب میں فرمایا حتیٰ کہ گھروں میں عورتوں کو بھی سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے وہ گروہ! جو زبان سے ایمان لائے مگر دل میں ایمان نہ لائے۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے پردہ (راز) تلاش نہ کرو۔ اس لئے کہ جو اپنے بھائی کے پردہ (راز) کے پیچھے پڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے راز کا پیچھا کرے گا اور جس کے راز کا اللہ تعالیٰ پیچھا کرے گا اسے اس کے گھر کے درمیان رسوا کرے گا۔ (مکاشفۃ القلوب، ص ۵۶۹)

بقول حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انسان کو چاہئے کہ وہ عاقل بھی خود ہو اور جاہل بھی خود ہو۔ دراصل اپنے عیوب سے آگہی عین عقل اور عقلمند ہونے کا ثبوت ہے۔ جب کسی کو اپنے عیوب کا ادراک ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوسروں میں کیڑے نکالنے کے بجائے خود کو اپنے عیوب سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کرتا ہے اور دوسروں کے عیوب کو بالکل نہ جاننا باعث رحمت جہالت ہے۔ اس طرح انسان دوسروں کی چغلی، غیبت، جھوٹ، بہتان، تکبر وغیرہ انگنت برائیوں سے بچا رہتا ہے۔ یہ ہمارے بزرگ تھے اور ہیں۔ جن کی نظر ہمیشہ اپنے عیوب پر ہی رہتی تھی اور ہے۔ وہ دوسروں کو ہمیشہ خود سے افضل سمجھتے تھے اور ہیں۔ بعض بزرگ دعا مانگا کرتے تھے۔

''اے بارالٰہ! ہمارے گناہوں کی نحوست سے میرے علاقے کے لوگوں کو محفوظ رکھنا''۔

کیا ہم واقعی بزرگانِ دین کو مانتے ہیں۔ سوچ لیں۔

آٹھواں واقعہ

ایک شخص نے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا:

''میں آپ سے علم طریقت کے بارے میں کچھ سننا چاہتا ہوں''۔

آپ نے فرمایا:

''سوچتا ہوں کہ جب شکم مادر میں فرشتوں نے میری شکل مکمل کر دی ہوگی تو پوچھا ہوگا۔

اے اللہ! اس بچے کے متعلق کیا لکھوں۔ سعید یا شقی۔

مجھے معلوم نہیں کہ جواب کیا ملا ہوگا۔

پھر سوچتا ہوں کہ جب ملک الموت روح قبض کرنے آئیں گے تو پھر اسی طرح کا سوال اللہ تعالیٰ سے کریں گے۔

اے اللہ! اس بندے کی جان سعادت پر قبض کروں یا شقاوت پر۔

مجھے معلوم نہیں کہ کیا جواب ملے گا۔

پھر خیال کرتا ہوں۔ قیامت میں فرشتے اللہ تعالیٰ سے دریافت کریں گے۔

اے پروردگار! اس بندے کو کہاں لے جائیں۔ جنت میں یا جہنم میں۔

اس کی بھی خبر نہیں کہ کیا جواب آئیگا۔ جب میں خود ان فکروں میں مبتلا ہوں تو اتنی فرصت کہاں کہ تمہیں دوسری باتیں سناؤں۔ (مکتوبات دو صدی، ص ۲۴۰)

صاحبو! اس واقعہ میں جن تین باتوں کا ذکر ہے ان کا تعلق ہر انسان کے ساتھ ہے اور جو ان باتوں کو ہر وقت اپنے ذہن میں تازہ رکھتا ہے تو اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے اور وہ اسی غم میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے کہ نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا۔ لہٰذا وہ ماسوا سے ناطہ توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنا لیتا ہے اور نہایت عجز و انکساری، عبادت و ریاضت اور محبت سے اپنے اللہ تعالیٰ کے در رحمت پر دستک دیتا رہتا ہے۔

زندگی چند روزہ ہے۔ اسے لہو و لعب اور نفس و شیطان کے اتباع میں بھی گزارا جا سکتا ہے اور محبت الٰہیہ اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی بسر کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے۔ وہ جس راستے کا انتخاب کرتا ہے اس پر چلنے کے لئے اللہ تعالیٰ آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔ غلط راستے کا مسافر نت نئی برائیوں اور گناہوں کے دروازے کھولتا رہتا ہے اور سیدھے راستے پر گامزن شخص کے ہمرکاب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہو جاتی ہیں۔ ثابت قدمی اس کے ہمقدم اور مستقل مزاجی اس کا شیوہ بن جاتی ہے۔ عبادت و ریاضت و مجاہدہ اور شب بیداری اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنی ذات کو باہر نکال لیتا ہے اور پھر اس کو یہ مژدۂ جانفزا سنا دیا جاتا ہے۔

''اے بندے! میں تم سے راضی اور تم مجھ سے راضی ہو''۔

اگر کوئی شخص اپنی ذات سے یہ سوال کرتا ہے۔

''کیا تم جانتے ہو کہ سعید ہو یا شقی یا تم جنت میں جاؤ گے یا جہنم میں'' تو وہ خشیت الٰہی سے لرزہ براندام رہتا ہے۔ وہ بیسوائے دنیا، نفسانی خواہشات اور نفس و شیطان کے حربوں اور چالوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا اور ہے۔ یہی وجہ تھی اور ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہوتے تھے اور ہیں۔ وہ مرنے سے قبل مر گئے ہوتے تھے اور ہیں۔ حوادثات زمانہ سے پریشان نہیں ہوتے تھے اور ہیں۔ وہ تو ہر دم ایک ہی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اور ہیں کہ ان کا انجام بخیر ہو۔ وہ ہر آنے والے کو خدائی مہمان سمجھ کر اس کی خدمت کرتے تھے اور ہیں کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے راضی ہو جائے اور ایک ہم ہیں کہ نام تو بزرگوں کا لیتے ہیں اور آخرت کو پس پشت ڈال

رکھا ہے۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

نواں واقعہ

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حالت بیماری میں دوا پی رکھی تھی۔ ان کی بیوی نے کہا:

''اٹھ کر چند قدم صحن میں ٹہل لیں''۔

آپ نے کہا:

''اس کی کوئی وجہ میری نظر میں نہیں آتی۔ تیس برس ہونے کو آئے ہیں کہ میں اپنے حساب پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں تا کہ میری کوئی حرکت معاملات دین کے خلاف نہ ہو اور دوا پی کر ٹہلنا اپنی ذات کے لئے ہے، دین کے لئے نہیں ہے''۔

(نسخۂ کیمیا، ص ۳۷۸)

صاحبو! وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا کوئی قول و فعل معاملات دین کیخلاف نہیں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی ذات پر اس محبت گرانمایہ و بے مثل کے پہرے بٹھا رکھے ہوتے ہیں۔ وہ کوئی کام خوشنودی نفس کے لئے نہیں کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خربوزہ محض اس لئے نہیں کھایا تھا کہ انہیں علم نہیں تھا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھایا تھا یا نہیں اور اگر کھایا تھا تو کس طرح کھایا تھا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ اگر گریبان کے اندر جھانکنا چاہیں تو وہ جھانکنے نہیں دیتا ہے کہ کس منہ سے جھانکتے ہو اور کہتا ہے:

''اپنے کرتوت تو دیکھو''۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن حکیم۔ احادیث مبارکہ اور سیرت و سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحظہ نظروں کے سامنے ہو اور کوئی بات کہنے یا کوئی عمل کرنے سے قبل دیکھا جائے کہ اس ضمن میں قرآن مجید اور میرے آقا و مولا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا عمل ہے۔ اس طرح ہر معاملہ کو دین اسلام کے آئینہ میں دیکھا اور اس کے مطابق عمل کیا جا سکتا

ہے۔

کیا ہم نے کبھی اپنے بزرگوں کی طرح کیا ہے۔ بدنصیبی کا عالم یہ ہے کہ اکثر کو علم القرآن والحدیث ہی نہیں ہے۔ ہم بزرگوں کی محفلوں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کے آستانوں پر حاضر بھی ہوتے ہیں لیکن جیسے کورے جاتے ہیں ویسے ہی کورے واپس آ جاتے ہیں۔ کچھ حاصل نہیں کرتے ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

دسواں واقعہ

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مرتبہ کسی بدخو کی معیت میں تھوڑی دیر راستہ چلنا پڑا۔ جب وہ آپ سے جدا ہوا تو آپ نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا:

''اس میں رونے کی کون سی بات ہے''۔

فرمایا:

''روتا اس لئے ہوں کہ وہ بیچارہ خود تو چلا گیا لیکن اس کی بدخلقی بھی افسوس کہ اس کے ساتھ ہی چلی گئی اور اس سے جدا نہ ہوئی۔ جس طرح کہ میں اس سے جدا ہو گیا ہوں''۔ (نسخۂ کیمیا، ص ۵۴۴)

صاحبو! اس واقعہ میں بدخوئی کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بدخوئی ایسا گناہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی بھی عبادت فائدہ نہیں دیتی اور خوش خلقی ایک ایسی عبادت ہے کہ کوئی گناہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

آپ کے اس بیان کا اگر حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو بدخو کو عبادت اس لئے فائدے نہیں دیتی ہے کیونکہ اس کی زبان قابو میں نہیں ہوتی ہے اور زیادہ تر گناہ زبان سے ہی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، چغلی کھانا، بہتان طرازی، تہمت لگانا، دھوکہ دہی، مکر وفریب کرنا، گالی گلوچ کرنا، جھوٹی گواہی دینا، منافقت کرنا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا، شرفاء کی پگڑی اچھالنا، کسی کی ناجائز تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا، لوگوں کی پردہ دری کرنا، ناقص اشیاء کو اعلیٰ کہہ کر فروخت کرنا، بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا، کسی کو خاطر میں نہ لانا، لاف زنی کرنا وغیرہ، یہ سب برائیاں اور گناہ بدخوئی کے بطن سے جنم لیتے ہیں۔ حضرت

ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بجا طور پر بدخو کی حالت پر روئے تھے۔

اللہ کے ولی کی زبان پاک، ہاتھ امین اور قدم طیب ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی نظر دلوں پر ہوتی ہے۔ جب وہ کسی میں ایسی برائی دیکھتے ہیں جس کے ساتھ زنجیر درزنجیر گناہ بندھے ہوئے ہوں تو تڑپ اٹھتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ وہ اس برائی سے پاک ہو جائے۔ یہ ہمارے بزرگ تھے مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کے اندر عیوب دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ انہیں ان پر مطلع کیا جائے اور سمجھایا جائے بلکہ ہم ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے اندر کبھی جھانک کر نہیں دیکھتے کہ وہاں کیا گند مند بھرا پڑا ہے اور اس کو باہر نکالیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

گیارہواں واقعہ

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک رات اپنے دوست کے سرہانے بیٹھے تھے جو نزع کی حالت میں تھا۔ جب آپ کا دوست فوت ہوا تو آپ نے چراغ بجھا دیا۔

لوگوں نے کہا:

''آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

فرمایا:

''اس وقت تک تو ہمارے دوست کا مال تھا لیکن اب یتیموں کا مال ہے۔ ہمیں تیل جلانا نہیں چاہئے''۔ (اعمال الصالحین، ص ۱۵۵)

صاحبو! ہمارے بزرگوں کے ساتھ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کے فرامین اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات عالیہ رہتے تھے اور ہیں۔ حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوست کی فوتیدگی پر ایک لحہ کی تاخیر بھی نہیں کرتے اور چراغ بجھا دیتے ہیں کیونکہ اس میں جلنے والا تیل اب یتیموں کا تھا اور اسکا استعمال ناجائز تھا۔

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں یتیم کے مال کے بارے میں واشگاف احکامات و ارشادات موجود ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۴ میں فرمان ربانی ہے:

اور یتیم جب تک پورے شعور تک نہیں پہنچتا، اس کے مال کے قریب بھی نہ جانا۔ ہاں

اس طریق سے جو بہت ہی عمدہ ہو اور عہد پورا کیا کرو۔ بیشک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یتیم کی پرورش کرنے والا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا نہ ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔

راوی نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی آدمی یتیم کا مال ظلم کرتے ہوئے کھائے گا، قیامت کے روز یوں اٹھایا جائے گا کہ آگ کا شعلہ اس کے منہ سے، اس کے کانوں سے، اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے نکل رہا ہوگا۔ جو بھی اسے دیکھے گا پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ٦)

لاریب یتیم کے مال کا بے جا اور ظلم کے ساتھ تصرف و استعمال جہنم کی آگ ہے۔ لیکن فی زمانہ اکثر سننے اور دیکھنے میں آتا ہے کہ یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے اور فضول خرچ کرنے میں عار محسوس نہیں کیا جاتا ہے۔ شریعت کی عطا کردہ اجازت کے علاوہ یتیم کے مال کو لینا ایسے ہی ہے جیسے دست و دامن میں انگارے بھرنا۔ یتیم کی کفالت کے نام پر جو کچھ گھروں میں ہوتا ہے وہ ظلم میں داخل ہے۔ بعض جگہ یتیم خانے قائم ہیں اور منتظمین ان کے نام پر مخیّر اور دوسرے اشخاص سے رقوم حاصل کرتے ہیں لیکن بجز الا ماشاء اللہ وہاں پر مقیم یتیموں کو کوئی ہنر سکھانے یا تعلیم سے آراستہ کرنے کے بجائے بھکاری بنا دیا جاتا ہے۔ ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر سے مجرمانہ غفلت برتی جاتی ہے۔ بعض اوقات ان سے جنسی زیادتی بھی کی جاتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کا یہ حال تھا اور ہے کہ وہ یتیم کے مال سے کوسوں دور رہتے تھے اور ہیں اور اس کا بے جا استعمال نہ کرتے تھے اور ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے تھے اور ہیں۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یتیم کے مال کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں اور اگر وہ اپنا مال طلب کریں تو انہیں اذیت پہنچاتے ہیں۔ گھر سے نکال کر انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں جبکہ بزرگانِ دین ان پر دستِ شفقت رکھتے ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

بارہواں واقعہ

ایک عورت نے حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کچھ شہد مانگا۔ انہوں نے ایک مشک شہد دینے کا حکم دیا۔

کسی نے کہا:

''اس عورت کا کام تھوڑے شہد سے بھی چل سکتا تھا''۔

آپ نے فرمایا:

''اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے۔ ہم پر جس قدر نعمت خداوندی ہے، ہم نے اس حساب سے دیا ہے''۔ (احیاء العلوم الدین، ج ٣، ص ٥٦٢)

صاحبو! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بے پایاں ہیں اور وہ اپنے بندوں پر بے حد و حساب عنایات فرماتا رہتا ہے۔ لیکن ہر شخص اس کا اظہار اپنے انداز، سوچ اور ظرف کے مطابق کرتا ہے۔ دولت مند بخیل جس طرح ایک سائل سے پیش آتا ہے تو دولتمند سخی کا رویہ اس سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے اور اگر وہی سائل کسی بادشاہ کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے تو بادشاہ اس کو اپنے منصب کے لحاظ سے عطا کرتا ہے۔ ایک عام آدمی اڑھائی فیصد دے کر زکوٰۃ کے فرض کی ادائیگی کرتا ہے جبکہ اللہ والے اور خاص الخاص لوگ اڑھائی فیصد دے کر سمجھتے ہیں کہ مال شک و شبہ سے پاک ہو گیا ہے اور اب اس قابل ہوا ہے کہ راہ خدا میں دیا جائے۔ لہٰذا وہ سب تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا ظرف ہے۔ عام آدمی سوا دو سیر گندم یا اس کی قیمت سے فطرانہ عید ادا کرتا ہے جبکہ صاحب ثروت کو فطرانہ عید سوا دو سیر کشمش یا کھجور یا اس کی قیمت ادا کرنا چاہئے۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا اور ہے کہ سائل جو مانگتا، وہ دیتے تھے اور ہیں۔ پھر زائد عطا فرماتے تھے اور ہیں اور یہ بھی کہتے تھے اور ہیں کہ آئندہ کبھی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آنا کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اگر سائل دوسری بار آتا ہے تو دھتکار دیتے ہیں کہ ابھی تو لے کر گئے ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ اگر سائل بار بار آتا تو آپ ہر بار اس کو عطا فرماتے اور ماتھے پر بل تک نہ آتا تھا۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

تیرھواں واقعہ

حضرت موسیٰ بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم زلزلے اور سرخ آندھی میں مبتلا ہوئے تو میں حضرت محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گیا اور عرض کیا:

''اے ابوعبداللہ! آپ ہمارے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں''۔

اس پر وہ رو پڑے۔ پھر فرمایا:

''کاش میں تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہوتا''۔

حضرت موسیٰ بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے (حضرت) محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا سے مصیبت اٹھادی ہے''۔ (احیاء العلوم الدین ج۳ ص۷۶۶)

صاحبو! عجز و انکساری ایسا درخت ہے جس کے ساتھ ہمیشہ شیریں و خوش ذائقہ پھل لگتا ہے۔ اس صفت سے متصف شخص نہایت حلیم الطبع اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین اکثر دعا کیا کرتے تھے اور ہیں۔

''اے اللہ! ہمارے ناقص اعمال اور گناہوں کی وجہ سے لوگوں کو محفوظ رکھنا''۔

اور اگر کوئی آسمانی یا زمینی آفت و مصیبت نازل ہوتی تھی تو کہتے تھے اور ہیں:

''یہ ہماری وجہ سے آئی ہے''۔

بزرگانِ دین کے آستانوں پر جا کر دیکھ لیں' وہاں شاہ و گدا سے یکساں سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ کسی کو نفرت و حقارت سے نہیں دیکھتے تھے اور ہیں۔ لوگوں کو مصائب و آلام اور حوادث زمانہ کا شکار دیکھ کر دل گرفتہ ہوتے تھے اور ہیں اور اس کی وجہ اپنی ذات کو قرار دیتے تھے اور ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ دوسروں کو قرار دیتے ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

چودھواں واقعہ

ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مفلسی و غریبی کا رونا رونے لگا۔

بزرگ نے پوچھا:

''کیا تجھے منظور ہے کہ تیری آنکھ پھوٹ جائے اور تجھے دس ہزار درہم مل جائیں''۔

اس نے جواب دیا:

''نہیں''

بزرگ نے کہا:

''اگر تیرے ہاتھ' کان اور پاؤں میں سے ہر ایک کے عوض تجھے دس دس ہزار درہم مل جائیں تو''۔

اس نے کہا:

''مجھے منظور نہیں''۔

بزرگ نے کہا:

''اچھا چلو اپنی عقل کے بدلے میں دس ہزار درہم لے لو''۔

اس نے کہا:

''ہرگز نہیں''

سنا تو اس بزرگ نے کہا:

''پچاس ہزار درہم کا مال تو یہی تیرے پاس موجود ہے پھر مفلسی کی شکایت کیسی''۔ (نسخہ کیمیا' ص۹۱۱)

صاحبو! اکثر لوگ مفلسی کا رونا روتے رہتے ہیں اور زمانہ و تقدیر کے شاکی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ میں ہوں''۔

اور تقدیر سے شاکی ہونے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو بہر صورت ظہور پذیر ہو کر رہتا ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ تمام صلاحیتوں' قوتوں' سوچوں' فکروں کو نیک مقاصد' رزق حلال کمانے' اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے بروئے کار لاتا رہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

مفلسی کا رونا رونے سے مفلسی دور نہیں ہو جاتی ہے بلکہ اس سے انسان اللہ تعالیٰ کی

رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے جو کہ گناہ ہے۔ رب کریم نے انسانی اعضاء کی صورت میں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کے مبنی برحق استعمال سے تمام دلدر بفضل تعالیٰ دور ہو جاتے ہیں۔

ایک روز رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔

ارشاد فرمایا:

''مفلس کون ہے؟''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی:

''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روز محشر ایک شخص لایا جائے گا جس کی نیکیاں پہاڑ جتنی ہوں گی۔ حقدار اس سے اپنا حق طلب کریں گے تو اس کی نیکیوں میں سے ان کا حق ادا کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی تمام نیکیاں حقداروں کو دے دی جائیں گی لیکن ابھی حقدار باقی ہوں گے تو ان کے گناہ اس کو دے دیئے جائیں گے۔ دراصل یہ شخص مفلس ہے''۔

سب انسان ایک جیسے ہیں لیکن ان کی تقدیر جداگانہ ہے۔ انسان کا یہ ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں رکھا ہے وہی بہتر ہے۔ جاننے والی بات صرف اتنی ہے کہ اس کو علم ہو کہ جس حال میں ہے اس کا تقاضا کیا ہے اور حق کے ساتھ زندگی کس طرح بسر کی جاسکتی ہے۔ اس طرح انسان انگنت پریشانیوں اور ذہنی خلفشار سے محفوظ رہتا ہے لیکن جب وہ شکایت کا پنڈورا بکس کھول دیتا ہے تو ناشکرا بن جاتا ہے۔

انسانی اعضاء کی اگر قیمت لگائی جائے تو وہ انمول ہیں لیکن ان سے خاطر خواہ کام نہ لینا اور مفلسی کی رٹ لگائے رکھنا شرف انسانی سے بعید ہے اور یہ تو سب کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور مادر رحم میں جس کا جتنا رزق لکھ دیا گیا ہے وہ کوئی اور نہیں لے سکتا ہے۔ اس طرح مایوسی اطمینان میں بدل جاتی ہے۔ انسان کو ہر حال میں رجوع الی اللہ رہنا چاہئے اور حصول رزق حلال کے لئے اپنے اعضاء سے کام لینا چاہئے اور چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرنا چاہئے پھر حالات کے پلٹا کھانے میں دیر نہیں لگتی ہے۔

ہمارے بزرگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو حق کی ادائیگی میں بروئے کار لاتے تھے اور ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور اعضاء کو ناحق کی راہ میں

استعمال کرتے ہیں اور درماندہ و پریشان رہتے ہیں۔ بیٹھ کر شکوہ شکایت کرنے سے نہیں بلکہ چلنے سے راستہ طے ہوتا ہے کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

پندرھواں واقعہ

ایک بزرگ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درزی کا کام کرتے تھے۔ ایک آتش پرست ہمیشہ آپ سے کپڑے سلواتا اور اجرت میں کھوٹے سکے دیتا جنہیں آپ لے لیتے تھے۔ ایک دن آپ دکان پر موجود نہ تھے اور وہ شخص کپڑے لینے آیا اور حسب معمول کھوٹے سکے دیئے۔ آپ کے شاگرد نے کھوٹے سکے لینے سے انکار کر دیا۔

جب آپ واپس آئے تو سارا ماجرا سن کر اپنے شاگرد سے کہا:

''تو نے کیوں انکار کیا۔ برسوں سے وہ میرے ساتھ یہی کرتا چلا آ رہا ہے اور میں نے کبھی اس پر ظاہر نہیں کیا کہ وہ مجھے کھوٹے سکے دے رہا ہے تاکہ یہاں سے ناکام ہو کر وہ کسی دوسرے مسلمان کو دھوکا نہ دے''۔ (نسخۂ کیمیا، ص ۵۶۴)

صاحبو! ہمارے بزرگ ایک مومن کو دوسرے مومن کی ڈھال سمجھتے تھے اور ہیں لہٰذا اگر کوئی انہیں دھوکا دیتا یا نقصان پہنچاتا تھا اور ہے تو وہ دو وجوہ سے برداشت کر لیتے تھے اور ہیں۔

اول: دھوکے باز دوسرے مسلمان کو دھوکا نہ دے سکے اور

دوم: ان کے طرز عمل اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر دھوکے باز دوسروں کو دھوکا دینے کی عادت ترک کر دے۔

لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دوسروں کو دھوکا دینے کو بیدار مغزی، ہوشیاری اور چالاکی سے منسوب کرتے اور خوش ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہم اپنی ذات سے دھوکا کر رہے ہوتے ہیں اور اس کا ادراک تک نہیں ہوتا ہے اور مسلسل دھوکے پہ دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔ مثلاً

☆ بال بچوں سے کوئی وعدہ کر کے ٹرخا دیتے ہیں۔

☆ دوستوں سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے کسب کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انحراف کرتے ہیں۔

☆ رشتہ داروں کی حق تلفی کرتے ہیں۔

☆ بیٹی کو وراثت سے محروم رکھتے ہیں۔

☆ ناقص اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

☆ جان بوجھ کر کھوٹے سکے، جعلی نوٹ دوسروں کو دیتے ہیں۔

☆ والدین کے تابع ہونے کے دعوے کے باوجود ان کی نافرمانی کرتے ہیں۔

☆ آخرت کے نام پر دنیا کماتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان کے فرامین وارشادات پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

سولہواں واقعہ

ایک روز پانچ سات اشخاص میرے مرشد حضرت فضل شاہ قطب عالم نور والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت وملاقات کے لئے آئے۔ آپ نے حسب معمول علی محمد لانگری کو چائے بنانے کے لئے فرمایا۔ جب تھوڑی دیر گزر گئی تو خود اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لے گئے اور چائے نہ لانے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے عرض کیا:

''حضور! حال پر دودھ، چینی اور چائے کی پتی نہیں ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''جس علیم مطلق نے یہ مہمان بھیجے ہیں، وہ جانتا ہے یہاں کیا موجود اور کیا موجود نہیں ہے۔ تم آگ پر چائے کا پانی رکھو''۔ اور واپس مہمانوں کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ ابھی جاکر بیٹھے ہی تھی کہ ایک مرید آیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ کا بھرا ہوا بڑا سا برتن تھا اور عرض کی:

''حضور! بھینس خریدی تھی۔ نیت کی تھی کہ پہلی مرتبہ کا سارا دودھ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا''۔

آپ نے نور والے کا نعرہ بلند کیا اور دودھ خادم کے حوالے کر دیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک اور مرید آیا۔ اس نے سر پر گٹھڑی اٹھا رکھی تھی۔ عرض کیا:

''حضور! باوضو ہوکر دیسی چینی بنائی ہے۔ لنگر کے لئے لایا ہوں''۔

اور دس روپے نذر کئے۔ آپ نے پھر نور والے کا نعرہ بلند کیا اور چینی اور دس روپے خادم کو دیئے۔ وہ جلدی سے جاکر بازار سے چائے کی پتی لے آیا۔

(اخص الخواص، ص ۵۳)

صاحبو! توکل کا نچوڑ یہ ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے لئے نہایت عجز وانکساری سے تمام ممکنہ اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ماسوا کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے۔

توکل کا مقام دل ہے اور بندے کے دل میں یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح جاگزیں ہو جانی چاہئے کہ تقدیر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی مشکل پیش آتی ہے یا آسانی نصیب ہوتی ہے یا کوئی چیز اتفاقیہ مل جاتی ہے تو یہ سب تقدیر الٰہی سے ہے۔ اس اعتقاد و یقین کے ساتھ جو بھی تگ ودو یا ظاہری حرکات اور کوششیں کی جاتی ہیں، توکل کے منافی نہیں ہیں۔

دراصل توکل احوال دل میں سے ایک حالت کا نام ہے اور یہ ثمرہ ہوتا ہے۔ ایمان کا جو توحید باری تعالیٰ پر اور لطف الٰہی کے کمال پر لایا جاتا ہے۔ نتیجتاً کارساز حقیقی پر صدق دل سے اعتماد اور بھروسہ کیا جاتا ہے اور پھر اس کو برقرار رکھنا کہ دل کسی نوع کی تشویش اور الجھن کا شکار نہ ہو۔ ہر حال میں پرسکون ومطمئن رہے۔ اگر ظاہری اسباب اور ذرائع میں کمی یا خرابی بھی ہو تو حوصلہ رکھتا ہے اور ناامیدی ومایوسی کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا ہے۔

توکل کی خوشبو سے تن من کو مشکبار رکھنے کے لئے بقول حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدن کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رکھنا، دل سے رب کریم کے ساتھ تعلق رکھنا اور قوی ومقیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن رہنا ازبس ضروری ہے۔

ہر شخص پر لازم ہے کہ اگر کوئی چیز مل جائے تو اس پر بہ صمیم قلب اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر میسر نہ ہو تو صبر کرے۔ زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کا ثمرہ یہ ملتا ہے کہ دل طمانیت وسکینہ کی دولت سے مالامال ہو جاتا ہے اور مصائب وآلام کے نزول پر بھی بے کل و بیقرار نہیں ہوتا ہے۔ اسے ہر بھلائی کی راہ مل جاتی ہے۔ قوت کار تلف اور ضائع نہیں ہوتی ہے۔ لوگوں سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو ہے صرف اسی پر یقین رکھتا ہے۔

جو شخص توکل کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ وہ متوکل ہے اور متوکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی توکل کی سرمدی نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔

(دریائے محبت، ص ۱۹۲)

ہمارے بزرگ بسط وکشاد، تنگی وفراخی، صحت وبیماری، سفر وحضر میں ہر مقام پر صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ وتوکل کرتے تھے اور ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس راہ سے عطا فرماتا تھا اور ہے

کہ کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا تھا اور ہے۔

لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ توکل کے قریب سے بھی نہیں گزرے ہیں۔ معمولی سے ناساعد حالات میں کانپ اٹھتے ہیں اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے قول وفعل میں بعد المشرقین ہے۔ جب توکل کرنے کا مقام آتا ہے تو بھاگ جاتے ہیں اور توکل کی گردان کرتے رہتے ہیں۔ اس تضاد کے گرداب میں گھمن گھیریاں کھاتے رہتے ہیں اور روتے رہتے ہیں۔

کیا ہم واقعی بزرگوں کو مانتے ہیں۔

سچ پوچھیں تو نہیں مانتے ہیں۔

اصلاح فکر وکردار

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ بلخ میں زبردست قحط پڑا۔ لوگ ایک دوسرے کو کھاتے تھے۔ میں نے ایک غلام کو بازار میں دیکھا جو نہایت شاداں وخنداں تھا۔ میں نے اس سے کہا:

''اے غلام! خوشی اور مسرت کا کون سا موقع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مخلوق اللہ کی بھوک سے کیا حالت ہے''۔

اس نے کہا:

''مجھے کیا ڈر ہے۔ میں تو کسی کا غلام ہوں۔ اس کے بہت سے گاؤں اور بکثرت غلہ ہے۔ وہ مجھے ہرگز بھوکا نہ رکھے گا''۔

میں نے جب غلام کی بات سنی تو میری حالت متغیر ہوگئی اور کہا:

''الٰہی! یہ غلام اپنے اس مالک کی وجہ سے جس کے پاس چند انبار غلہ کے ہیں' اس قدر شاد ہے۔ تو تو مالک الملک ہے اور ہمیشہ روزی دینے والا۔ بھلا میں کیوں غم کھاؤں''۔

آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

''میں ایک غلام کا شاگرد ہوں''۔ (اعمال الصالحین'ص ۱۴۹)

صاحبو! ہر انسان کی زندگی ایسے واقعات اور مشاہدات سے لبریز ہے جو اتالیق کی حیثیت رکھتے ہیں' جس کو وہ بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔ آئندہ کے سفر میں لائحہ عمل مرتب کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ فکر وکردار کی اصلاح میں رہنمائی کرتے ہیں اور رخ کو صحیح سمت موڑنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان واقعات سے سبق صرف وہی سیکھتا ہے جو کھلی آنکھوں سے ان پر غور وتعمق کرتا ہے۔

اس حقیقت سے مفر نہیں کہ بسا اوقات بظاہر معمولی سا واقعہ بھی اپنے اندر پند و نصیحت سے لبریز ہوتا ہے۔مثال کے طور پر اللہ کے دو نیک بندوں نے ایک کسان کو دیکھا جو دو بیلوں کے ساتھ کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔کسان نے ایک بیل کو ڈنڈا مارا۔ان دو اشخاص میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو کہا:

''اس میں بھی سبق موجود ہے''۔

دوسرا بولا:

''اس میں سبق والی کون سی بات ہے''۔

پہلا بولا:

''کسان نے اس بیل کو ڈنڈا مارا تھا جو رکنے لگتا تھا کہ چلتا رہے۔اس میں سبق یہ ہے کہ حضرت انسان کو مقصد حیات کی تکمیل کے لئے جہد مسلسل کرتے رہنا چاہئے اور کسی مقام پر رکے نہیں''۔

اولیاء اللہ کی مقدس زندگیاں بھی مختلف النوع واقعات سے عبارت ہیں جنہوں نے انہیں زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔عارف باللہ بنا دیا اور تا قیام قیامت ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

متذکرہ واقعہ میں ایک غلام کی نفسیات کا ذکر ہے جو قحط سالی کے باوجود خوش باش نظر آتا ہے۔ذہنی طور پر مطمئن و پرسکون ہوتا ہے کیونکہ اسے اپنے مالک پر بھروسہ ہے جس کے پاس بکثرت غلہ موجود ہوتا ہے کہ وہ اسے بھوکا مرنے نہیں دے گا۔غلام کی بات سن کر حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور سوچنے لگتے ہیں۔

''اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا غلام بن کر رہے تو کیا وہ اسے حوادثات زمانہ کی چکی میں پسنے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دے گا' ہرگز نہیں''۔

اس سے ان کی زندگی میں انقلاب عظیم برپا ہو جاتا ہے اور اس انقلاب کا باعث اس غلام کے چند الفاظ ہوتے ہیں۔وہ اس کو اپنا محسن تصور کرتے ہیں اور خود کو اس کا شاگرد کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

کہتے ہیں:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع شروع میں ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ مشغول عیش و طرب تھے۔ایک مرد صالح دروازے پر آیا اور دستک دی۔ایک لونڈی باہر آئی۔اس نے دریافت کیا:

''اس مکان کا مالک آزاد ہے یا غلام''

لونڈی نے کہا:

''آزاد ہے''

اس مرد صالح نے کہا:

''تم نے سچ کہا: اگر غلام ہوتا تو بندہ ہونے کے آداب نہ چھوڑتا اور لہو لعب اور عیش و طرب میں مشغول نہ ہوتا''۔

آپ نے یہ بات سن لی اور سچی توبہ اختیار کر لی۔(اعمال الصالحین' ص ۱۵۷)

صاحبو! اس واقعہ میں ایک مرد صالح کے چند الفاظ بشر حافی پر آزاد اور غلام کے مابین فرق کو پوری آب و تاب کے ساتھ اجاگر کر دیتے ہیں۔وہ اس لمحہ خیر میں بغیر کسی تاخیر کے عیش و طرب سے مزین رنگین لحات زندگی کو اپنے اوپر حرام قرار دے کر دل سے سچی توبہ کر لیتے ہیں۔اپنے گلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا طوق پہن لیتے ہیں اور بشر حافی سے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن کر زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔

کہتے ہیں:

ایک شخص نے غلام خریدا۔وہ بڑا دیندار تھا۔

آقا نے دریافت کیا:

''اے غلام! تو کیا چیز کھانا پسند کرتا ہے''۔

بولا:

''جو آپ کھلائیں''۔

پھر پوچھا:

''کیا پہننا چاہتا ہے''۔

کہا:

''جو آپ پہنائیں''۔

پھر دریافت کیا:

''کہاں قیام کرنا چاہتا ہے''۔

عرض کیا:

''جہاں حضور بٹھائیں''۔

پھر سوال کیا:

''کیا کام کرنا چاہتا ہے''۔

کہا:

''جو کچھ آپ کرائیں''۔

آقا صاحب دل تھا۔ رو پڑا اور کہا:

''جو حالت تیری میرے ساتھ ہے۔ کاش میری حالت اپنے رب کریم کے ساتھ ہوتی تو کس قدر مبارک ہوتا''۔

غلام نے کہا:

''وہ غلام نہیں جو اپنا اختیار آقا کے سامنے باقی رکھے''۔

آقا نے سنا تو کہا:

''میں نے تجھے آزاد کیا۔ جہاں چاہے' چلا جا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ہی میرا مخدوم بن کر رہے اور میں تیری خدمت کروں''۔

(اعمال الصالحین' ۱۵۷)

صاحبو! اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غلام کی صفات کیا ہوتی ہیں۔

حقیقت اس امر کی غماز ہے کہ متذکرہ تینوں واقعات سے پند و نصائح اور مواعظ اور اسباق کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ غلام کیسا ہوتا ہے۔ وہ

☆ ہر حال میں مطمئن اور خوش رہتا ہے۔

☆ اپنے مالک پر کلی طور پر بھروسہ و اعتماد کرتا ہے۔

☆ کسی کے بہکاوے میں نہیں آتا ہے۔

☆ صرف ایک کا ہو کر رہتا ہے۔

☆ مالک کے کسی حکم سے سر مو سرتابی و انحراف نہیں کرتا ہے۔

☆ اپنی مرضی اور خواہش سے کوئی کام نہیں کرتا ہے۔

☆ ناساعد حالات میں خوفزدہ نہیں ہوتا ہے۔

☆ مالک کی ذات میں گم ہوتا ہے۔ وہ اسے جس حال میں رکھے' جیسا چاہے کھلائے' جیسا پہنائے' جو کام کرنے کو کہے' بخوشی قبول کرتا ہے۔

☆ اپنی ذات سے گزر جاتا ہے۔

☆ مالک کی رضا میں راضی رہتا ہے۔

☆ ایسے رہتا ہے جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

☆ موت سے پہلے مرا ہوتا ہے۔

یہ تمام کی تمام مومنانہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کی صفات ہیں اور اس میں تو قطعاً شک نہیں کہ ہر مسلمان کو صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا غلام بن کر رہنا چاہئے اور اس کے لئے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا زریں تاج اپنے سر پر پہننا شرط اول ہے کیونکہ خدائے ذوالجلال والاکرام کے یہ پر جلال محبت آفریں الفاظ مبارکہ ''اطیعوا الرسول'' اور ''فاتبعونی'' پر بہ دل و جان عمل کرنا فرض عین ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی رب کریم کی نافرمانی ہے۔

کوئی مسلمان مادر پدر آزاد نہیں ہے۔ اس کی شان و عظمت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے وابستہ ہے اور اسی غلامی میں رہ کر وہ محبت الٰہیہ کے سدا بہار گلستانوں اور مرغزاروں میں محو خرام اور معرفت الٰہیہ کے دلفریب' خوبصورت ایوانوں میں داخل ہوتا ہے۔

شریعت کی حد بندی سے تجاوز کرنے کا وہ قطعاً مجاز نہیں ہے۔ اسی حد کے اندر رہ کر ہی مسلمان طریقت کی راہ حقیقت کا ادراک اور معرفت الٰہیہ حاصل کر سکتا ہے۔

شریعت کی حد کے باہر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن

تاک میں بیٹھے ہوتے ہیں۔نفس بھلائی کا لبادہ اوڑھے' شیطان دوستی کا دامن پھیلائے اور دنیا محبوبہ کا روپ دھارے پابند شریعت مسلمان کے دل و دماغ میں وساوس' توہمات' خدشات کی آبیاری کرتے اور خوبصورت خواب دکھاتے رہتے ہیں تاکہ وہ شریعت کی حد سے باہر آ جائے۔اگر کوئی ان کے سبز باغ کا شکار ہو کر شریعت کی حدود سے باہر جھانکنے اور انہیں توڑنے لگتا ہے تو وہ اسے بڑھ کر گلے لگا لیتے ہیں۔اس کو اپنے دام تزویر میں جکڑ لیتے ہیں کہ واپسی کے دروازے مقفل ہو جاتے ہیں۔اس کی نیکی و پارسائی کا تقدس پامال ہو جاتا ہے۔اخلاق باختگی کا شکار ہو جاتا ہے۔افکار و کردار پر سیاہ داغ دھبے لگ جاتے ہیں۔عزت و ناموس' بے حیائی اور اللہ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کے خنجر سے لہولہان ہو جاتی ہے اور دنیاوی عیش وعشرت کا دلدادہ بن کر گناہوں کے جنگل میں آزادانہ گھومتا پھرتا ہے۔اس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے آزاد ہو کر نفس و شیطان' اہل نفسانی خواہشات' اہل ہویٰ و ہوس' بیسوائے دنیا' ذہم علیت و عقل و بصیرت' نام نہاد علماء و پیران طریقت اور ارباب بست و کشاد کا غلام بن جاتا ہے اور یہ سب غلامیاں اسے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔

متذکرہ تینوں واقعات جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہر انسان کو درس دے رہے ہیں۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کرو' یہی صراط مستقیم ہے اور اس کے علاوہ سب سراب ہے"۔

کہتے ہیں:

حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خط لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے تم نے اپنے دین کو دو حبہ کے عوض فروخت کر ڈالا ہے۔وہ اس طرح کہ تم بازار میں ایک چیز خریدنے کے لئے گئے۔اس چیز کے مالک نے تم سے دو دانگ قیمت طلب کی۔تم اس کی تہائی دینے پر رضامند تھے۔چونکہ وہ تم کو پہچانتا تھا اس لئے تمہاری نیکوکاری کی وجہ سے وہ بول نہ سکا اور تم کو وہ شے اس نے تھوڑی قیمت پر دے دی"۔(اعمال الصالحین' ص ۱۶۵)

صاحبو! ہر انسان کا معاشرے میں کوئی نہ کوئی مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔مثلاً

☆ کوئی بڑے منصب پر فائز ہوتا ہے۔
☆ کوئی صاحب اقتدار ہوتا ہے۔
☆ کوئی اعلیٰ ہنرمند ہوتا ہے۔
☆ کوئی بہترین معلم و محقق ہوتا ہے۔
☆ کوئی منصف اور کوئی مصنف ہوتا ہے۔
☆ کوئی علیت کے لحاظ سے جانا پہچانا جاتا ہے اور
☆ کوئی دانشور مشہور ہوتا ہے۔

ان کی وجہ سے اگر کوئی کسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو یہ اپنے مقام و مرتبہ اور حیثیت و مشہوری بیچنے کے مترادف ہے۔ان کے برعکس اگر کوئی متقی و پرہیزگار شخص یا کوئی بزرگ یا کوئی عالم دین اپنے اس تشخص کی وجہ سے کسی سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل کرتا ہے تو بزرگان دین کی نظر میں یہ دین فروشی ہے اور اگر کسی کے بس میں ہو تو اسے روکنا چاہئے۔

دین فروشی کی کئی صورتیں ہیں۔مثلاً

☆ دکاندار سے اصل قیمت سے بھی کم قیمت پر سودا لینا۔
☆ اپنی باری کا انتظار کئے بغیر کوئی مراعات حاصل کرنا۔
☆ دین کی خدمت کے لئے قیمت طے کرنا۔
☆ کسی محفل میں کسی بے سمجھ کی وجہ سے معمولی سی بھی اہمیت نہ ملنے پر ناراض ہو کر محفل سے اٹھ جانا۔
☆ عام لوگوں سے حتی المقدور ملنے سے اجتناب کرنا۔
☆ حکمرانوں اور افسران بالا سے مفاد حاصل کرنا۔
☆ کسی غریب کی دعوت قبول نہ کرنا۔
☆ کسی محفل میں مقررہ وقت کے بجائے جان بوجھ کر دیر سے جانا تاکہ برتری ظاہر ہو۔
☆ اپنے حصے کا کام دوسروں کو سونپ دینا۔

بزرگان دین کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی ذات سے دوسروں کو راحت اور آسانیاں ملتی

ہیں۔ وہ کسی کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ سب کام اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی دوسرے کے ساتھ دوستی و ناراضگی بھی صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک آدمی اپنے ایک بھائی سے ملنے کے لئے دوسری بستی میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی گزرگاہ میں ایک فرشتہ اس کے انتظار میں مقرر فرمایا۔ جب اس آدمی کا اس فرشتہ کے قریب سے گزر ہوا تو فرشتے نے پوچھا:

''کہاں کا ارادہ ہے''۔

اس نے جواباً کہا:

''اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہوں''۔

فرشتہ نے پوچھا:

''کیا تیرا اس پر کوئی احسان ہے جسے تو مکمل کرنا چاہتا ہے''۔

اس نے کہا:

''ایسی کوئی وجہ نہیں۔ میرے اس سے ملنے کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہوں''۔

تب اس فرشتہ نے کہا:

''میں آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور یہ پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے جیسے آپ اپنے بھائی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرتے ہیں''۔

اس واقعہ میں جو نصیحت پنہاں ہے وہ یہ کہ

۱- نیکیوں کو تھوڑی یا زیادہ قیمت پر فروخت نہ کرو۔ یہ سرمایہ آخرت ہیں۔ ان سے دنیا خریدنا بدتر از حماقت ہے۔

۲- اگر کوئی نیکیاں یا اپنی بزرگی و پارسائی فروخت کرے تو اس کو سمجھاؤ۔

۳- اللہ تعالیٰ کے لئے نیکیاں کرو اور اسی سے اجر کی امید رکھو۔

۴- دوستی اور دشمنی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرو اور

۵- دوست کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے بجائے اسے مطلع کرو تا کہ اپنی اصلاح کر سکے۔

کہتے ہیں:

ایک چور کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کیا گیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے اپنی دستار مبارک اس کے قدموں پر رکھ دی۔ اس کے پاؤں کو چوما اور چلے گئے۔ لوگوں نے اس عمل کا راز دریافت کیا تو فرمایا:

''جو شخص اپنے کام میں کامل ہوتا ہے وہ اس کے حصول کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ چونکہ وہ شخص اپنے کام میں کامل ہو گیا تھا اس لئے میں نے اپنی دستار اس کے قدموں پر رکھ دی۔ میں نے اس کو پھانسی کے تختہ پر دیکھا اس لئے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ مرد کو خواہ وہ خاص ہو یا عام چاہئے کہ اپنے فن اور کام میں کامل ہو۔ کام کا آدمی وہی ہے جس نے اپنے مقصد کی راہ میں جان دے دی ہو۔ یہ شخص اپنے کام پر ثابت قدم رہ کر سولی چڑھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی ثابت قدمی کو بوسہ دیا تھا''۔ (مکتوبات دوصدی، ص ۱۸۱)

صاحبو! ثابت قدمی اور مستقل مزاجی دو ایسے جوہر ہیں جو انسان کے سر پر حصول مقصد کا سہرا باندھ کر اسے منزل سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ آدمی جو متلون مزاج اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ اپنا رخ بدلتا رہتا ہو وہ مختلف راستوں پر بھٹکتا رہتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی وہی عمل پسند ہے جو اگرچہ تھوڑا ہو لیکن مسلسل ہو۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چور کے فعل کو نہیں بلکہ اس کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کو سلام پیش کرتے اور بوسہ دیتے ہیں کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسے موافق اور ناموافق حالات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے چلتے رہنا چاہئے۔ اگر ان دونوں متحرک قوتوں کو دنیاوی غرض کے لئے استعمال کیا جائے تو اپنے فن میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور اگر آخرت مقصود ہو تو دنیا میں ہی تقرب الی اللہ حاصل اور

اخروی دنیا میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متذکرہ دونوں بے مثل قوتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات وارشادات پر عمل کرنا آسان کر دیتی ہیں۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو دنیا وآخرت میں اسی انسان کی قدر و قیمت ہوتی ہے جو اپنے فن' ہنر اور کام میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور یہ ثمرہ مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے اپنے مقصد حیات پر ڈٹے رہنے سے ملتا ہے۔

تاریخ عالم اور حال پر جتنے بھی عظیم نام اور کارنامے نظر آتے ہیں' ان کے پس پردہ متذکرہ دونوں قوتوں کا ہاتھ تھا اور ہے کہ لوگوں نے اپنے فن میں کمال حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اور ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی مقصد کے لئے کوئی کمال حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال میں مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ان کی وجہ سے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی راستے کا پتھر نہیں بنتی ہے۔ پنولین بوناپاٹ کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا اور اس نے مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کا سبق ایک چیونٹی سے سیکھا تھا جو دیوار پر بار بار چڑھتی اور گر پڑتی تھی۔ اس نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر دیوار پر چڑھ گئی۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کے سامنے اس کا مقصد حیات بالکل واضح اور روشن ہونا چاہئے اور پھر اس کے حصول کے لئے متعین کردہ راہوں پر چل پڑنا چاہئے۔ وہ جس مقصد کی تکمیل کے لئے قدم اٹھاتا ہے اس کے مطابق وہ منزل کو پالیتا ہے۔

کہتے ہیں:

سرزمین عرب کے ایک بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں غلام کی تنخواہ دوگنی کر دی جائے کیونکہ وہ

خیر خواہ

مستعد

فرمانبردار اور

باوفا

ہے۔ ایک صاحب دل نے سنا تو اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک آہ نکلی۔ لوگوں نے پوچھا:

''تمہیں کیا نظر آیا ہے''۔

کہنے لگا:

''بارگاہ الٰہی میں بندوں کے مراتب کا بھی بعینہٖ یہی حال ہے۔ اگر کوئی شخص لگاتار دو دن شاہی سلام کے لئے جائے تو یقیناً تیسرے دن بادشاہ اسے لطف و کرم کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جو لوگ عمر بھر اپنے خالق و مالک کی دل و جان سے اطاعت و عبادت کرتے ہیں۔ کیا وہ انہیں اپنے لطف و کرم سے محروم رکھے گا''۔ (گلستان سعدی' ص ۵۰)

صاحبو! دنیا وآخرت میں کامیابی و سرخروئی کے لئے چار چیزیں درکار ہوتی ہیں' جن کا اس واقعہ میں ذکر ہے۔ ان کی ہر جگہ قدر و منزلت اور پذیرائی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ خوبیاں دنیا کمانے کے لئے اختیار کرتا ہے تو دنیا کے بازار میں اس کی بڑی اچھی قیمت لگ جاتی ہے۔ نیک حکمران کو ایسے شخص کی تلاش رہتی ہے۔ مل جائے تو اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔ خواص میں شامل کر لیتا ہے اور اسے انگنت نوازشات اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شاگرد ان خوبیوں کو اپنا لیتا ہے تو استاد کا منظور نظر بن جاتا ہے۔ حصول علم کے لئے اس پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ اگر بیٹا ان صفات کا اظہار والدین کے لئے کرتا ہے تو اسے دوسری اولاد پر ترجیح دی جاتی ہے جو ان اوصاف کی حامل نہ ہو اور اگر کوئی خادم اپنے مالک کے سامنے ایسا ثابت ہو تو وہ اس کا چہیتا بن جاتا ہے۔ مالک اس پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ الغرض خیر خواہی' مستعدی' فرمانبرداری اور وفا کے اوصاف حمیدہ سے متصف شخص کو سب پسند کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان خوبیوں کے ساتھ دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس پر رب ودود نہ صرف اپنی لازوال رحمتوں' بخششوں' انعامات اور انوار و تجلیات کے دروازے کھول دیتا ہے بلکہ اس کو اپنے مقربین اور دوستوں میں شامل فرما لیتا ہے اور یہ وہ مبارک ہستیاں ہوتی ہیں جن کے روبرو دنیا باندیوں کی طرح دست بست کھڑی رہتی ہے لیکن وہ اس کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر نہیں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو جاتا ہے تو پھر اسے کسی اور چیز کی طلب نہیں رہتی

ہے۔ان کی نظروں کے سامنے قرآن حکیم کی متعدد آیات مبارکہ زر و جواہر کی طرح جھلملاتی اور روشنی بکھیرتی رہتی ہیں۔مثلاً

سورہ ال عمران میں ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ارشاد فرمادیجئے۔اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا(آیت ۳۱)

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ارشاد فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرو۔اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔(آیت ۳۲)

اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کیا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(آیت ۱۳۲)

سورہ النساء میں ہے:

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کیا کرے گا۔اللہ تعالیٰ اسے ان جنتوں میں جگہ دے گا جن میں نہریں چلتی رہتی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہا کرے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(آیت ۱۳)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود کو پھلانگ جائے گا تو وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔(آیت ۱۴)

جس کسی نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی تو یقین رکھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے اور اگر کسی نے اپنا رخ بدل لیا ہے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لئے نگران بنا کر نہیں بھیجا۔(آیت ۸۰)

سورہ الانفال میں ہے:

اور اگر تم باایمان ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کیا کرو۔(آیت ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری

کرتے رہا کرو اور ان سے پلٹ نہ جانا تم تو سنتے ہو۔(آیت ۲۰)

سورہ التوبہ میں ہے:

کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے گا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا۔یہ بڑی رسوائی ہے۔(آیت ۶۳)

سورہ الاحزاب میں ہے:

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے گا تو وہ یقیناً بڑی واضح گمراہی میں جا پڑے گا۔(آیت ۳۶)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی تو بیشک بہت بڑی کامیابی سے مالا مال ہوا۔(آیت ۷۱)

اس واقعہ سے یہ درس ملتا ہے کہ ہر انسان کو اپنے اندر خیر خواہی، مستعدی، فرمانبرداری اور وفا کی صفات کو پیدا کرنا چاہئے۔ان سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر سکتا ہے اور جس سے یہ دونوں راضی ہوں تو وہ دنیا میں چلتا پھرتا جنتی ہے۔

کہتے ہیں:

کسی وزیر نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

''یا حضرت! میرے حق میں بھی دعا فرمائیں۔میں رات دن بادشاہ کی خدمت بجالاتا ہوں۔پھر بھی اس کی سزا کے خوف سے لرزتا کانپتا رہتا ہوں''۔

سنا تو آپ رو پڑے اور فرمایا:

''اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس طرح کرتا جس طرح کہ تم اپنے بادشاہ کی کرتے ہو تو یقیناً صدیقوں کے مقام پر پہنچ گیا ہوتا''۔

(گلستان سعدی، ص ۵۴)

صاحبو! انسان فطری طور پر کمزور واقع ہوا ہے اور اس کے خمیر میں خوف کا عنصر بھی شامل ہے۔ظاہری نقصان اور تکلیف کے خیال کے پیش نظر وہ نادانستہ طور پر اندر ہی اندر انجانے

خوف سے دوچار رہتا ہے لیکن اس وقت اس کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ جب وہ دنیاوی لحاظ سے کسی برزجمہر یا حاکم وقت کی خدمت گزاری پر مامور ہوتا ہے اور اس تصور سے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے اور اسے مستوجب سزا ٹھہرا دے اس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بجا طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وزیر جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو وہ صدیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے خائف رہنے والا خلاف حق کوئی کام کر ہی نہیں سکتا ہے اور اگر کبھی سہواً کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور دنیاداروں سے ڈرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیادار عموماً معافی دینے کا رخ نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم ہے اس کا اگر گناہ دن میں ستر بار کیا جائے اور ستر بار توبہ کر لی جائے تو وہ معاف فرما دیتا ہے اور وہ شخص جو صرف اپنے رب سے ڈرتا ہے تو اس سے سب ڈرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خونخوار درندے بھی اس کے تابع ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنے سات اعضائے بدن کے ساتھ اس سے ڈرتا ہے۔ اس ضمن میں فقیہہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

۱-زبان

اس کو وہ جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان اور یاوہ گوئی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہر وقت ذکر اللہ، تلاوت قرآن مجید اور علوم دینیہ کے حصول میں مصروف رہتا ہے۔

۲-دل

اس میں سے عداوت، نفرت اور مسلمان بھائیوں کا حسد نکل جاتا ہے۔

۳-آنکھ

اس سے دنیا کو طمع کی نظر سے نہیں دیکھتا ہے۔ حرام چیزوں کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتا ہے اور نہ انہیں درخود اعتنا سمجھتا ہے۔

۴-پیٹ

اس کو حرام غذا سے محفوظ رکھتا ہے۔

۵-ہاتھ

اس کو حرام کی طرف بڑھاتا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بڑھاتا ہے۔

۶-پاؤں

اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی راہ پر اٹھاتا نہیں ہے۔

۷-کان

ان کو غیر شرعی باتیں سننے سے بچاتا ہے۔

اس طرح وہ عبادت و ریاضت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ ۳۵/التوبہ ۱۱۹/الحدید ۲۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ متذکرہ سات اعضا کو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔ ان سے خلاف حق کام نہیں لیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے:

جب اللہ تعالیٰ کے ڈر سے بندے کا دل کانپ اٹھے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (مکاشفۃ القلوب، ص ۳۵)

کہتے ہیں:

ایک آدمی کا دل ایک عورت پر آ گیا۔ وہ کسی کام سے قافلے سے باہر نکلی تو وہ آدمی بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ جنگل میں پہنچ کر جب دونوں اکیلے رہ گئے تو آدمی نے عورت کے سامنے اپنا حال دل بیان کیا۔ عورت نے پوچھا:

"کیا سب لوگ سو گئے ہیں"۔

یہ سن کر وہ آدمی خوش ہوا کہ شاید عورت نے اس کی بات مان لی ہے۔ لہٰذا وہ اٹھا اور

قافلے کے گرد چکر لگا کر دیکھا اور واپس آ کر کہا:

"سب لوگ سو رہے ہیں"۔

عورت نے کہا:

"اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ کیا وہ بھی اس وقت سو رہا ہے"۔

مرد بولا:

"وہ سوتا ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے"۔

عورت نے کہا:

"جو نہ سویا نہ سوئے گا وہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے‘ چاہے ہم نہ دیکھیں۔ اب تو زیادہ ڈرنا چاہئے"۔

سنا تو مرد نے توبہ کی اور گناہ سے رک گیا۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۳۹) فی زمانہ لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت لوگوں سے زیادہ خوفزدہ رہتے ہیں۔ انہیں نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو حکمرانوں‘ اعلیٰ افسروں اور بڑے زمینداروں کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں۔ ہر وقت خوف کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ ان کے اچھے برے حکم پر لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑتے ہیں۔ عجز و انکساری کا مرقع بنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ انکا ہر جائز و ناجائز کام کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کی ناراضگی اور سزا کے خوف سے دم بخود رہتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد نہیں رہتا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ ۴۴)

پس لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو

وزیر کا واقعہ نصیحت کرتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ

اے لوگو! ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس طرح نفس و شیطان کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ رہو گے۔ یہی ڈر خلاف شرع امور سے روکتا ہے۔ صراط مستقیم پر چلنا آسان بنا دیتا ہے اور جو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اللہ کا اور اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں:

ایک شخص کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یا حضرت! مجھے رب کریم سے ملا دیں"۔

فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا سمجھا کرو"۔

وہ شخص توبہ توبہ کرتا ہوا چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر حاضر خدمت ہوا اور اپنا سوال دہرایا کہ اسے اللہ تعالیٰ سے ملا دیں اور بزرگ نے وہی جواب دیا اور وہ پھر توبہ توبہ کرتا ہوا لوٹ گیا۔

ایک دن اسے سفر پر جانا پڑا۔ بیوی نے ایک پراٹھا اور ایک سوکھی روٹی ساتھ دے دی کہ راستے میں بھوک لگے تو کھا لینا۔ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تو ایک فقیر آیا اور کہا:

"بابا! اللہ واسطے روٹی دو"۔

اس نے فقیر کو سوکھی روٹی دی اور خود پراٹھا کھایا اور منزل کی طرف چل پڑا۔

جب وہ سفر سے واپس آیا تو پھر اس ولی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور حسب معمول سوال کیا تو انہوں نے وہی جواب دیا۔ جب وہ توبہ توبہ کر کے واپس مڑا تو انہوں نے فرمایا:

"توبہ توبہ کیا کرتے ہو۔ تم تو اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا بھی نہیں سمجھتے ہو"۔

اس نے سنا تو رک گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔ بزرگ نے فرمایا:

"دوران سفر جب تم کھانا کھانے لگے تھے تو ایک فقیر نے تم سے اللہ واسطے روٹی مانگی تھی۔ تم نے سوکھی روٹی اس کو دی اور پراٹھا خود کھایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو افضل سمجھتے تو پراٹھا فقیر کو دیتے اور سوکھی روٹی خود کھاتے۔ اگر اللہ کو اپنے جیسا خیال کرتے آدھا پراٹھا اور آدھی سوکھی روٹی فقیر کو دیتے اور آدھا پراٹھا اور آدھی سوکھی روٹی خود کھاتے۔ مگر تم نے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا بھی نہ سمجھا۔ سوکھی روٹی فقیر کو دی اور پراٹھا خود کھایا"۔

جب اس شخص نے سنا تو تائب ہوا (دریائے محبت ص ۱۴۴)

صاحبو! آج کا انسان بجز الاماشاء اللہ اپنے اللہ تعالیٰ کا نام تو لیتا ہے لیکن اسے اپنے جیسا بھی نہیں سمجھتا ہے اور اس امر کا اظہار اس کی سوچوں‘ فکروں‘ خیالوں اور عملوں سے ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کرتے وقت مثل شیر دلیر ہوتا ہے جو اپنے شکار پر بڑی تیزی سے جھپٹتا ہے۔

آج کا انسان بجز الا ماشاء اللہ جب کوئی گناہ یا جرم کرنے لگتا ہے تو اس امر کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھ نہ رہا ہو۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھتا تو گناہ اور جرم کے ارتکاب سے رکا رہتا۔ لیکن وہ تو اسے اپنے جیسا بھی نہیں سمجھتا اسی لئے تو بے دھڑک گناہوں اور برائیوں کی فصلیں اگاتا رہتا ہے۔

آج کا انسان بجز الا ماشاء اللہ منافق اور کم ظرف ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق نہیں رکھتا ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہونا چاہئے بلکہ وہ

☆ اللہ کا نام اپنے مفاد کے حصول کے لئے استعمال کرتا ہے۔

☆ اللہ کا نام لے کر دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔

☆ اللہ کا نام بیچ کر فائدہ اٹھاتا ہے۔

☆ اللہ کی قسم کھا کر جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

☆ اللہ کا نام لے کر غیر معیاری' گھٹیا اور جعلی اشیاء کو اصلی اور معیاری کر کے فروخت کرتا ہے۔

☆ اللہ کا نام لے کر جھوٹی گواہی دیتا ہے۔

☆ اللہ کو راضی کرنے کے بہانے من مانی کرتا ہے۔

☆ اللہ کو گواہ بنا کر لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے۔

☆ اللہ کی محبت کے پردے میں خواہشات کو پوجتا ہے۔

☆ اللہ کے راستے میں لذیز کھانے کے بجائے پس خوردہ کھانا' نئے کپڑوں کی بجائے بوسیدہ لباس' نقص والی اشیاء اور دکھاوے کے لئے صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

☆ اللہ کی قسم کھا کر ناجائز مراعات و فوائد حاصل کرتا ہے۔

☆ اللہ کے حقوق کی ادائیگی دکھاوے کے لئے کرتا ہے اور اپنی پارسائی کے لبادہ میں حرام کماتا ہے۔

☆ اللہ کی قسم کھا کر جائز کام کو موخر کرتا ہے۔

☆ اللہ کا نام لے کر جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔

☆ اللہ کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

☆ اللہ کا نام لے کر لوگوں کو اپنے سچا ہونے کا یقین دلاتا ہے۔

لیکن اللہ اللہ ہے۔ رحمتوں اور محبتوں والا ہے۔ وہ اپنے بندے کو

☆ سنبھلنے اور غیر سے غیر کی طرف رخ موڑنے کے لئے مہلت دیتا ہے۔

☆ رزق مہیا کرتا رہتا ہے۔

☆ صحت مند و توانا رکھتا ہے۔

☆ بیماری سے شفا عطا فرماتا ہے۔

☆ ضروریات زندگی کی فراہمی میں رکاوٹیں دور کرتا رہتا ہے۔

☆ انگنت نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔

☆ گناہ کے سرزد ہونے پر فوراً گرفت میں نہیں لیتا ہے۔

☆ زندگی میں آسانیاں بہم پہنچاتا ہے۔

☆ ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کے لئے مواقع فراہم کرتا ہے۔

☆ حوادثات زمانہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ پیش آمدہ پریشانیوں سے نجات دیتا ہے۔

اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنے حال و احوال پر نظر رکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا کھاتا پیتا ہے۔ اس کے عطا کردہ مال و زر سے دنیا کے عیش و آرام خریدتا ہے۔ اس کی بخشی ہوئی تندرستی توانائی سے ترقی کی منازل طے کرتا ہے اور پھر اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ تف ہے ایسے انسان پر۔

متذکرہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا طلبگار شخص فقیر کے ساتھ اپنے رویہ سے ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسے بھی نہیں سمجھتا تھا۔ فی زمانہ ایسے انسان ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بیشک اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا:

''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے تیمارداری کیوں نہ کی''۔

وہ عرض کرے گا:

"اے میرے رب! تیری کیسے تیمارداری کرسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

"کیا تجھے علم نہیں اگر تو اس کی تیمارداری کرتا تو مجھے بھی اس کے ہاں پاتا"۔

"اے فرزند آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا"۔

وہ عرض کرے گا:

"اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں عبد نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھ کو اس کے ہاں پاتا"۔

"اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا"۔

وہ عرض کرے گا:

"اے میرے رب! میں تجھے پانی کیسے پلاسکتا ہوں کہ تو رب العالمین ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"میرے فلاں عبد نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس کو میرے ہاں پاتا"۔ (تعلیمات نبویہ، ج ۵، ص ۱۵)

متذکرہ واقعہ سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ کو اللہ سمجھو اور اس کے بندے بن کر رہو۔ جیسا کہ بندہ بننے کا حق ہے۔ جس دن یہ بات آج کے انسان کی سمجھ میں آ گئی تو اس سے دوسرے لمحے وہ انتہائی بدلا ہوا انسان ہوگا۔ ایسا انسان فکر و کردار، اقوال و افعال و احوال اور زندگی کے ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس موجود پاتا ہے۔ گناہوں سے دور رہتا ہے۔ اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر اٹھتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے مل جاتا ہے۔

کہتے ہیں:

ایک تاجر تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کا مال لوٹ لیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور گریہ زاری شروع کردی۔ ہاتف غیبی نے اس سے کہا:

"مال کے لٹ جانے پر اس قدر گریہ وزاری کرتا ہے اور اپنی عمر کے برباد ہونے کا کوئی خیال نہیں"۔

اس تنبیہ سے وہ تاجر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ڈاکو اس کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سبب بنے تھے۔ لہٰذا وہ ان کے لئے دعاگو بن گیا۔ وہ ہمیشہ برے لوگوں کے لئے دعا کرتا تھا اور اچھے لوگوں کے لئے دعا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے کہا:

"ان لوگوں کا مجھ پر احسان ہے کہ ان کے مظالم سے راہ یاب ہوا ہوں"۔

(انوار العلوم، ج ۴، ص ۲)

صاحبو! زندگی میں بسا اوقات ایسے انہونے، تکلیف دہ اور دلخراش واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو انسان کی زندگی اور سوچوں کے دھارے کا رخ بدلنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ متذکرہ واقعہ بھی انہیں میں سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو راہ ہدایت دکھانا ہوتا ہے تو اسے کسی پریشانی، ابتلا، مصیبت یا حادثہ سے دوچار کردیتا ہے۔ یہ اس کے لئے راہ راست سے ہٹنے کا کفارہ بھی ہوتا ہے اور سبق بھی بشرطیکہ وہ غور کرے کہ ایسا کیوں ہوا ہے اور جب وہ کجروی چھوڑ کر سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہی ناپسندیدہ واقعہ اسے اچھا اور محسن نظر آتا ہے۔

فی زمانہ انسان کی حالت یہ ہے کہ ہر روز نہ جانے کتنی بار دین کو مارتا ہے لیکن اس کی آنکھ میں آنسو تک نہیں آتا ہے۔ وہ نماز نہیں پڑھتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ دھوکا دیتا ہے۔ ہیرا پھیری کرتا ہے۔ حرام کماتا ہے۔ بداخلاقی و بے حیائی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مخلوق اللہ کو دکھ اور اذیت دیتا ہے لیکن اسے ملال و تاسف تک نہیں ہوتا ہے۔

انسان زندگی میں مختلف نشیب و فراز، سود و زیاں اور صحت و بیماری کے مقامات سے گزرتا ہے اور اس کے مطابق خوشی یا غمی، دکھ یا راحت، ہنسنے یا رونے سے اظہار کرتا ہے لیکن عمر جو سب سے زیادہ گرانمایہ ہے اس کو لغویات و فضولیات میں بسر کرنے پر رتی برابر بھی افسوسناک نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ایک لمحے کے نقصان کی تلافی ناممکن ہے۔ اس پر اس کی آنکھ میں آنسو تک نہیں آتا ہے اور نہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ اگر عمر عزیز لہو ولعب، خرافات اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی میں بسر ہو تو اس سے بڑا گھاٹے کا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔

بعض کج فہم کہتے ہیں کہ زندگی صرف ایک بار ہے۔ جی بھر کر عیش کرو۔ آخری عمر میں توبہ کر لینا۔ لیکن کسے خبر ہے کہ توبہ کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔ متذکرہ واقعہ میں تاجر کو جب احساس ہوتا ہے کہ لٹیروں کے بھیس میں اس کے محسن تھے تو وہ انہیں دعائیں دیتا ہے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔ کسی ناپسندیدہ واقعہ کے رونما ہونے کے بعد اس پر جزع فزع ہونے کے بجائے غور کرے کہ یہ میری کن کوتاہیوں کا ثمرہ ہے اور اس میں میرے لئے کیا نصیحت و موعظت ہے۔ اہل دانش و بصیرت اور صاحب نظر لوگ ہر منفی واقعہ سے مثبت پہلو نکال لیتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

کہتے ہیں:

کچھ بزرگوں نے اپنے گھروں کے اندر قبر نما گڑھے کھود رکھے تھے۔ وقتاً فوقتاً وہ ان گڑھوں میں لیٹ کر تصور کرتے تھے کہ وہ مر چکے ہیں اور سوچنے لگتے کہ وہ کون سی چیز ہے جو قبل از موت کر لینی چاہئے تھی مگر نہیں کی۔ مثلاً

☆ فلاں شخص کا قرضہ دینا تھا، محض سستی کی وجہ سے ادا نہیں کیا۔ بوجھ ساتھ لے آئے ہیں۔

☆ فلاں حقدار کا حق غصب کیا تھا اب کیسے ادا ہوگا۔

☆ فلاں شخص پر بہتان لگایا تھا۔

☆ فلاں شخص کی غیبت کی تھی۔

☆ فلاں کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔

☆ فلاں سے رشوت لی تھی اور

☆ فلاں سے حرام مال کھایا تھا۔

ان کا کفارہ موت سے قبل ضروری تھا۔ جب ان کے دل پر ان باتوں کا اثر ہو جاتا تو اٹھ کر فوراً وہ سب کام کر لیتے جن کی عدم ادائیگی باعث تکلیف و عذاب ہے۔

(دریائے محبت، ص ۱۰۰)

صاحبو! جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے فکر و کردار کی اصلاح کرے تو اسے چاہئے کہ ہر روز اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے۔ اس کے لئے بعض لوگوں نے مختلف طریقے اختیار کر رکھے

ہیں۔ ذاتی احتساب سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے ہم آہنگ انسان کے اندر سے ایک ایک کر کے برے اعمال نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ ایک ایک کر کے اچھائیاں داخل ہونے لگتی ہیں۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں' نیک عمل ہے۔ یہ شیطان کی چال ہے۔ نیک عمل کے پرکھنے کی صرف ایک ہی کسوٹی ہے کہ اسے سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ کہ اس کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس سے بڑی اور کوئی کسوٹی نہیں ہے۔

ہر تاجر اور بیوپاری رات کو نفع و نقصان کا تخمینہ لگاتا ہے۔ نفع پر خوش اور نقصان پر ملول و افسردہ ہوتا ہے اور غور کرتا ہے کہ نقصان کیوں ہوا اور آئندہ اس سے بچنے کے لئے تدابیر پر غور کرتا ہے۔ لیکن کوئی یہ کبھی نہیں سوچتا کہ آج اس کے نامہ اعمال میں کتنے گناہوں یا نیکیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اگر گناہوں کا اضافہ ہوا ہو تو اس سے بڑا اور گھاٹے کا کوئی سودا نہیں ہے اور اگر نیکیوں کا اضافہ ہوا ہو تو مقام شکر ہے' یہ اصل منافع ہے۔ لہٰذا کوشش کرے کہ آئندہ زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ ہو لیکن بجز الا ماشاء اللہ کسی نے اس انداز سے نہیں سوچا ہے۔ صرف دنیاوی سود و زیاں کے چکر میں ہی پھنسے رہتے ہیں اور اخروی دائمی نقصان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ہر روز رات سونے سے قبل اپنا احتساب کرو۔ از خود روشن ہو جائے گا کہ کیسے اعمال کیے ہیں۔

حالات و واقعات اس امر کے غماز ہیں کہ انسان بزعم خود اپنے آپ کو بڑا پارسا اور نیک خیال کرتا ہے اور سارے کیڑے دوسروں میں نظر آتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی میں کوئی برائی نظر آئے تو اس کا ڈھنڈورا نہ پیٹو بلکہ اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ اگر موجود ہو تو اسے اپنی ذات سے دور کرو۔

اس واقعہ سے یہی سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہر روز اپنے عملوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اس کے لئے وہ کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔ مقصد اصلاح فکر و کردار ہے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی کو نقصان کا احساس ہو تو اس سے بچنے کے لئے لائحہ عمل

مرتب کرتا ہے اور اگر فائدہ ہو رہا ہو تو اسے برقرار رکھنے اور اس میں اضافہ کا متمنی ہوتا ہے اور جب کسی کو یہ احساس ہو کہ وہ صرف دنیا کی خاطر آخرت برباد کر رہا ہے۔ تو پھر اسے اپنا رخ بدلنے میں دیر نہیں لگتی ہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
لو تو نے گھڑی عمر کی اک اور گنوا دی

ہمارا حال کیا ہے؟

کیا ہم زندگی میں رونما ہونے والے چھوٹے بڑے واقعات سے پند و نصائح، موعظت وسبق یا درس لیتے ہیں۔ اگر نہیں تو آج سے اس کی عادت ڈالیں، قلیل مدت میں آپ اپنی زندگی میں انقلاب محسوس کریں گے کیونکہ یہ واقعات

☆ بہترین اتالیق واستاد ہیں۔
☆ بہترین دوست ہیں۔
☆ بہترین واعظ ہیں۔
☆ بہترین ناصح ہیں۔
☆ بہترین رہنما ہیں۔

یہ کبھی دھوکا نہیں دیتے ہیں۔

کتب جن سے بلاواسطہ اور بالواسطہ استفادہ کیا

۱ عرفان القرآن
۲ در منثور ج۱-۵-۶-۷
۳ تفسیر عزیزی، ج۱-۲
۴ تفسیر حقانی، ج۴
۵ ضیاء القرآن، ج۴
۶ تفسیر فاضلی منزل ہفتم
۷ صحیح بخاری، ج۱
۸ صحیح مسلم، ج۱-۲-۷
۹ مشکوٰۃ شریف
۱۰ سنن الترمذی، ج۴
۱۱ سنن ابی داؤد، ج۲
۱۲ شعب الایمان، ج۱-۶-۷
۱۳ المستدرک للحاکم، ج۱-۲-۴
۱۴ بیہقی
۱۵ الہیثمی، ج۱۰
۱۶ طبرانی
۱۷ سنن ابن ماجہ، ج۱-۲-۵
۱۸ مجمع الزوائد، ج۴-۶-۸-۱۰
۲۹ کنز العمال، ج۱-۳-۴-۵-۶-۱۰

۲۰ معجم

۲۱ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱-۲-۴

۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵

۲۳ معجم اوسط، ج ۳

۲۴ مسند ابو یعلیٰ، ج ۴-۶

۲۵ الکامل الابن عدی، ج ۲

۲۶ صحیح ابن حبان، ج ۲-۳

۲۷ جامع صغیر، ج ۱-۲

۲۸ جامع الاصول، ج ۲

۲۹ تعلیمات نبویہ، ج ۴-۵

۳۰ احادیث مثنوی

۳۱ جامع العلوم الحکم

۳۲ استیعاب

۳۳ حیاۃ الصحابہ، ج ۲، حصہ ۷

۳۴ سیر الصحابہ، ج ۵

۳۵ ابن سعد، ج ۳

۳۶ خلفائے راشدین نمبر سیارہ ڈائجسٹ

۳۷ سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۸ مناقب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۹ بہار شریعت، حصہ ۱۶

۴۰ الترغیب الترہیب

۴۱ شرح مشکل الاثار، ج ۱

۴۲ انوار العلوم، ج ۱-۳-۴-۵

۴۳ گلستان سعدی

۴۴ احیاء العلوم الدین، ج ۱-۲-۳-۴

۴۵ نسخۂ کیمیا

۴۶ تعرف

۴۷ رسالہ قشیریہ

۴۸ حلیۃ الاولیاء، ج ۹

۴۹ فضل اللقاء

۵۰ عین الفقر

۵۱ زین الحلم

۵۲ عین العلم

۵۳ مکاشفۃ القلوب

۵۴ دوائے شافی

۵۵ اخص الخواص

۵۶ امیر الکونین

۵۷ الفردوس بماثور الخطاب، ج ۱

۵۸ سوانح حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ عنہا

۵۹ دلائل الخیرات

۶۰ مکتوبات صدی

۶۱ مکتوبات دو صدی

۶۲ ملفوظات احمد خاں بریلوی

۶۳ شرح صدد

۶۴ تاریخ بغداد

۶۵ روحانی حکایات بحوالہ مستطرف، ج ۱

۶۶ اعمال الصالحین

۶۷ ذخیرۃ الملوک

۶۸ دریائے محبت

۶۹ خطابات الٰہیہ

تصوّف و طریقت پر اپنی طرز کی پہلی منفرد تصنیف

- نفس وروح کے لطائف واسرار پر ایک طویل اور سیر حاصل بیان
- طریقت وولایت کے مقامات ومنازل کا مفصل تذکرہ
- باطنی وروحانی کیفیات، واردات، احوال اور مشاہدات
- ہر موضوع اور بحث میں قرآن وحدیث کے ان گنت دلائل
- عشق ومحبت الٰہیہ کی سرشاری وخماری سے بھرپور
- طریقت وتصوف کے ہر سوال کا جواب، اچھوتا اور دلربا اسلوب تحریر

طریقت وتصوّف کے اہل ذوق کے لیے انمول اور

بے مثال تحفہ

اہم عنوانات و موضوعات

- ارواح کی فطرت اور ان کی صفات
- ذکر قلبی کی حقیقت اور باطنی لطائف
- ملکوتیات اور انکی اقسام
- قالب انسان کی پیدائش
- روح اور انسانی قلب
- معرفت کی اقسام
- حضور اقدس ﷺ پر ختم نبوت
- تزکیۂ نفس اور اس کی معرفت
- تجلی روح کی حقیقت
- مرشد کامل کی ضرورت
- شیخیت کا مقام، صفات، شرائط
- شیخ کامل کے خصائص
- انوار کے مشاہدات اور اس کے درجات
- مکاشفات اور ان کی اقسام
- تجلی روحانی اور ربانی کا فرق
- خواب کی حقیقت
- صحبت اور اسکے آداب واحکام
- حقیقت نفس
- نفس امارہ
- علمائے کرام اور اہل ذکر حضرات

اور اس کے علاوہ دیگر بے شمار روحانی موضوعات

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 داتا گنج بخش روڈ، لاہور
042-37313885, 37070063 E-mail: nooriarizvia@hotmail.com